

مجموعہ تصانیف

شفیعہ مومن

پیغمبرِ ربانیؐ
پہلے عالمِ انسانی

مونا زندگی کا
وہ جڑی تجربہ

علومِ معارف
گنجینہ

قرآن کا اعجاز

فضائلِ تقویٰ

خطبات

طیب

اخلاص و اصلاح

رحمۃ للعالمین
صلی اللہ علیہ وسلم

الہدایتِ شریعہ
کے قیام کی ضرورت

عالمِ انسانیت کا
مکمل قانونِ اسلام

اسلام کے تین
نیا دی اشتیاقات

منافعِ نفسیہ

از

حکیم الاسلام حضرت مولانا

نظرفانی

قاری محمد طیب صاحب قلمی، مہتمم
دارالعلوم دیوبند



صاحبزادہ قاری محمد سالم صاحب مدظلہ

ادارۃ تالیفات اشرفیہ میرن بوہڑ گیٹ ملتان

خطبات طیب

مجموعہ تقاریر

— (الر) —

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی

مہتمم مدرسہ دارالعلوم دیوبند



صاحبزادہ حضرت مولانا قاری محمد سالم صاحب مدظلہ

— © تنبیہ © —

قازی شہداء احمد قاسمی

دارالافتاء دارالافتاء
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

- ✦ فضائل تقویٰ
- ✦ اخلاص و اصلاح
- ✦ قرآن کا اعجاز
- ✦ سیرت رحمۃ اللہ علیہ
- ✦ گنجینہ علوم و معارف
- ✦ امارت شریعہ کے قیام کی ضرورت
- ✦ مومنانہ زندگی کا قرآنی مجزیہ
- ✦ عالم انسانیت کا مکمل قانون اسلام
- ✦ پیغام ربانی بنام عالم انسانی
- ✦ اسلام کے تین بنیادی امتیازات
- ✦ تحفہ مومن
- ✦ منامی تفسیر

عرضِ ناشر

حمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم — اما بعد!

خطبت طیب جو مجموعہ تقاریر کے نام سے پہلے ہندوستان میں طبع ہو چکی ہے۔ بندہ کو دلہندہ حاضری میں یہ گرانمایہ علمی سرمایہ ہاتھ لگا۔ مطالعہ سے بہت ہی نفع ہوا تو بندہ نے تو کلاً علی اللہ اس کی اشاعت کا کام شروع کر

دیا گیا جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس مجموعہ میں ”تحفہ مؤمن“ اور حضرت قاری صاحبؒ کی منامی تقریر بھی شامل ہے جو حضرت قاری صاحبؒ نے نیند کی حالت میں بیان فرمائی جو یقیناً حضرتؒ کی کرامت ہے، ٹیپ کے ذریعہ محفوظ کر لی گئی، اور اس کو بمبئی میں شائع کیا گیا۔

اور اس مجموعہ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کے صاحبزادے حضرت قاری محمد سالم صاحب مدظلہ العالی نے اس پر نظر ثانی فرمائی جس سے اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

اللہ رب العزت محض اپنے فضل و کرم سے اس نعمت کو قبول فرمائے (آمین)

آفقر محمد اسحاق عفی عنہ

ترتیب خطبات

نمبر	خطبات
۱۹	فضائل تقویٰ
۲۳	اخلاص و اصلاح
۴۵	قرآن کا اعجاز
۱-۷	سیرت رحمۃ للعالمینؐ
۱۳۱	مجموعہ علوم و معارف
۱۸۹	امارت شریعہ کے قیام کی ضرورت
۲۲۵	مؤمنانہ زندگی کا قرآنی تجزیہ
۲۵۹	عالم انسانیت کا مکمل قانون اسلام
۲۸۷	پیغام ربانی بنام عالم انسانی
۳۱۱	مذاہب عالم میں اسلام کے تین بنیادی امتیازات
۳۶۵	تحفہ مومن
۳۷۷	منامی تقریر، روائے کیا: خطاب جو نیند میں بیان فرمایا

تأثرات : از حضرت مولانا قاری محمد سالم صاحب ، صاحبزادہ حضرت
حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ !
نحمدہ ونصلی

کلام وہ بھی ہوتا ہے جو صرف زبان سے ہوتا ہے ، وہ بسا اوقات ”ہذیانات“ کے
نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔

کلام وہ بھی ہوتا ہے کہ جو دل دردمند سے صادر ہوتا ہے ، وہ اہل نظر کی اصطلاح
میں ”جواہرات“ کا عنوان حاصل کر لیتا ہے ۔

اور کلام وہ بھی ہوتا ہے کہ جو عرفان آمیز ہدایت سے وجود پذیر ہوتا ہے اسے
اہل عرفان و ایمان ”الہامات“ کے لقب سے ملقب فرماتے ہیں ۔

”ہذیانات“ ناقابل اعتناء ہوتے ہیں ”جواہرات“ مردِ ایمان سے بے قیمت بھی ہو
جاتے ہیں ۔ لیکن ”الہامات“ انسانیت کی وہ متاعِ ثمیں ہوتے ہیں جن کی عظمت و افادت
ہمیشہ ترقی پذیر رہتی ہے ۔

حضرت اقدس حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب قدس کی زبان و قلم سے صادر
شدہ کلمات باتفاق اہل ایمان و عرفان ، وہ ”الہامات“ ہیں کہ ہر روز کا طلوع ہونے والا
سورج ، ان کی افادی اضافہ کا گواہ بن کر طلوع ہوتا ہے ، اور یہ ”الہامات“ اس امتیاز
کے حامل ہیں کہ ہر روز کے طلوع و غروب کے درمیان ، ایشیاء ، افریقہ ، یورپ اور
امریکہ کے لاتعداد انسانوں کے لئے یہ ”الہامات“ ذریعہ ہدایت بن جاتے ہیں ۔

حق تعالیٰ حضرت اقدس حکیم الاسلام قدس سرہ کے لئے ، ان الہامات کو وسیع ترقی
درجات فرمائے ، اور بصورت اشاعت ان کی خدمت کرنے والے کے لئے ذریعہ مقبولیت بنائے
اور قرآن کرام کے لئے موجب ہدایت فرمائے ۔ آمین یا رب العالمین !

احقر محمد سالم مستم دار العلوم دیوبند



دارالعلوم دیوبند

(Hq) Darul-Uloom Deoband-27200 (H.P.) India

Ref.....

Dated 11/12/1979

نمبر ۱۱۹۹/۶/۹

محکم دہلی جہاں حضور زیاں کو بار بار دعا کرتے ہیں۔

آج موسم کا موسم

محکم دہلی جہاں حضور زیاں کو بار بار دعا کرتے ہیں۔
برجواہات کے طوفان کا شکار ہیں۔

انہی کے ہر قدم پر حضور زیاں کی آغوش ہوتی ہے۔
ہر لمحہ ان کے دل میں حضور زیاں کی یاد ہے۔

ہر لمحہ ان کے دل میں حضور زیاں کی یاد ہے۔
ہر لمحہ ان کے دل میں حضور زیاں کی یاد ہے۔

حضور زیاں کی یاد میں ہر لمحہ حضور زیاں کی یاد ہے۔

انہی کے ہر قدم پر حضور زیاں کی آغوش ہوتی ہے۔
ہر لمحہ ان کے دل میں حضور زیاں کی یاد ہے۔

انہی کے ہر قدم پر حضور زیاں کی آغوش ہوتی ہے۔
ہر لمحہ ان کے دل میں حضور زیاں کی یاد ہے۔

انہی کے ہر قدم پر حضور زیاں کی آغوش ہوتی ہے۔

محکم دہلی جہاں حضور زیاں کو بار بار دعا کرتے ہیں۔

فہرست

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۳	ظاہر اور باطنی نعمت کے تقابلی پرود نصیحت آموز دل کے	۱۶	پیش لفظ
۳۴	مفسر کے لئے مبرز قرآنی درجہات کا ذریعہ ہے	۱۸	عرض حال
"	نبی اسرائیل کے ایک مابہر و زاہد کا عجیب و افاقہ	۲۰	خطبہ سنہ
۳۵	امیر کے ایک عبارت گذار فکر کا واقعہ	"	تہیہ
۳۶	نہایت صرف نفضل سے ہو گی مل سے نہیں	"	قرین صفت اور وصیت تقویٰ
"	رفیع خلیبان	"	تجربہ تقویٰ
	اخلاص و اصلاح	۲۱	تقریٰ اور اس کے اثرات
۳۷	خطبہ سنہ	"	جلی طور پر انسان میں اخلاقی زندگی
"	ہرشی کی حقیقت اس کا اندر و بیہر ہے	۲۳	اخلاق و دیگر کے پچائے اخلاق حسنہ اخلاقیہ پر کرو
"	جنت آدم کے ساتھ ایش کا سلوک	۲۴	ایمان کا مدار دنیا میں ہے
۳۵	قلب انسانی بادشاہ اور دیگر اعضاء اس کے خادم ہیں	۲۵	تقریٰ انسان و جہل کا ذریعہ ہے
"	اطباء اور دیگر لوگوں کا باہم اختلاف رائے	۲۹	ہمارا تقریٰ
۳۶	صانع کی طرف سے نقص	"	ایک دلچسپ لطیفہ
"	کارخانہ بدن میں تحلیل غذا کا طریقہ	۳۰	قدح و خور بقدر عظمت
۳۸	حیات جسم کا مدار حیات قلب پر ہے	۳۱	بادشاہ طغرل کا ایک قطبہ نصیحت
"	کیونکہ وہ اصل ہے	۳۲	ہر حال میں خوف خدا ضروری ہے
۳۹	فلاں سے متعلق ایک دلچسپ حکایت	"	دولت کا دنیا اور پسینا معطیت خدا پر
۵۰	قلب علم اہلی کامل ہے اور دماغ علم تفصیلی کا	۳۳	موقوف ہے
			فضائل مغنیین

فصل اول تقویٰ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷	حکمت کی بات	۵۰	قلب بہترین مفتی ہے
۷۱	یحییٰ بن اکثم کی اللہ تعالیٰ کے سامنے بیعتی	۵۱	اولیٰ قلب کی اصلاح ہوتی ہے اس کے بعد
۷۲	مومن کو جنت میں حضورؐ کی مسیت حاصل ہوگی۔	۵۲	تمام اعضاء کی اصلاح کے دائرے میں آجاتے ہیں
۷۳	آدم کی تمام خواہشات شریعت کے تابع ہونی چاہئیں	۵۳	قلب کا بہترین صلیع ایمان ہے
۷۴	بدلہ سے محنت کا صلہ مستبعد نہیں	۵۴	حک الموت کے نزاع روح کی کیفیت
		۵۵	ایمان کا اصل قلب اللہ اسلام کا مکمل اعضاء ہے
		۵۶	ایمان کے معنی اللہ اس کی حقیقت
		۵۷	ایمان و محبت کے آثار و علامات
		۵۸	محب رسولؐ کے حصول ایک واقعہ
		۵۹	محبت کے بدلے آدمی اپنے کو بیچ دیتا ہے
		۶۰	مومن کا دل پر محبتوں کا واقعہ
		۶۱	مومن کو حضورؐ سے عشق برحق محبوب ہوتی ہے
		۶۲	اتباع سنت محبت کا اثر ہے۔
		۶۳	سونسے جی طریق سنت
		۶۴	حضورؐ ہر امر شرعی کی ابتداء دہیں سے فرماتے تھے
		۶۵	غلبہ محبت اللہ اتباع سنت پر ایک بزرگ کا نصیحت
		۶۶	آئینہ واقعہ
		۶۷	عقل مند کون اور بے وقوف کون
		۶۸	اکبر کے اشعار میں حضرت حکیم الاسلام کی تطبیق یک
		۶۹	بندگی اللہ شریعہ
		۷۰	غلبہ محبت میں تمکیناں شیریں بن جاتی ہیں اللہ سکون قلب حاصل ہوتا ہے
		۷۱	واقعہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب
		۷۲	واقعہ حضرت مولانا محمد تاج صاحب نانوتوی
		۷۳	غزوہ اُمدیں گسانی پر پیرے دار صاحب کا واقعہ
		۷۴	تمام چیزوں کا سرچشمہ محبت ہے
		۷۵	ایمان و دعویٰ ہے اعمال اس کی دلیل ہیں
		۷۶	

قرآن کا اعجاز

۷۷	قرآن کا اعجاز
۷۸	افستاح کلام
۷۹	ہر کلام میں حکم غنی ہوتا ہے
۸۰	مقصود عبارت دیدار الہی ہے
۸۱	کسی چیز میں دل میں جننے کے بعد اس کا دیدار
۸۲	آسان ہو جاتا ہے
۸۳	قرآن کریم کو دستور العمل سمجھ کر پڑھنا
۸۴	کلام حکم کے اندر سے نکلتا ہے
۸۵	کلام اللہ قرینہ ہے تعلق اللہ کا
۸۶	اللہ کی دلی سے پکڑی جاتی ہے اس سے میل
۸۷	مومن کا مقصد اعلیٰ دیدار الہی ہے
۸۸	اہل عمر کے مختلف گروہ
۸۹	قرآن کریم میں سعادت ایک بڑی سعادت ہے
۹۰	قرآن کریم ایک انقلابی کتاب ہے
۹۱	حضرت علیؑ کا واقعہ
۹۲	حضرت جابرؓ کا واقعہ
۹۳	دولت سے عورتوں کو زیادہ محبت ہوتی ہے
۹۴	فیصلت سورہ تبارک
۹۵	سورہ تبارک کا فرشتوں اور حق تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۶	شب معراج میں حضور اور حضرت موسیٰ کی گفتگو	۹۱	سورۃ تبارک کا میت کے ساتھ پڑنا
۱۱۸	بعد ازاں کی فضیلت	۹۲	انقلابِ عظیم
۱۱۹	لفظ ختم تمام کمالات کو حاوی ہے	۹۳	صحابہ کرام کا مقام غیر کے مقابلہ میں
۱۲۲	اخلاق اور ان کے مراتب	۹۴	مرتبہ صحابہ پر میرا ایک واقعہ
	خلقِ حسن		
۱۲۳	خلقِ کریم	۹۵	صحابہ نے دنیا بحر میں انقلاب برپا کیا
"	شریعت اسلام میں دونوں خلق جمع کر دیئے گئے ہیں	"	قرآن سے دوسری فساد کا سبب ہے
۱۲۵	خلقِ عظیم	۹۶	جنات کا اسلام
۱۲۷	بوقتِ ہجرت عثمانِ غنی کا سلوک	۹۷	قرآن کریم اخلاق حسنیہ پیدا کرتا ہے
۱۲۸	کفار مکہ کے ساتھ حضور کا سلوک	"	بشارت صحابہ کا ایک واقعہ
"	یہود کے قرض کا واقعہ اور حضور کا حکم و بددہاری	۹۸	کلامِ الہی مخلوق نہیں روح ہے
		۹۹	ہمارا حال
		۱۰۰	آدم بربرِ مطلب
		۱۰۱	علم ایک نعمت ہے اگر اس پر عمل ہو
		۱۰۱	متزحم کو تاکیہ
۱۳۲	کس علم کے لئے محسنیت کی خوبی کافی نہیں	۱۰۲	حضور کا طرزِ تعلیم اور حکمتِ علمی
۱۳۳	اہلِ یورپ	۱۰۳	حکمت تربیت پر حضرت حاجی صاحب کا واقعہ
"	محسنیت کے لئے عمل کا شروع ہونا	۱۰۵	اختتامِ کلام
	لازم ہے		
۱۳۴	اَحْسَنُ تَحْلَاکِی تَفْسِیْر		سیرِ رحمتہ للعالمین
"	عمل کا ظاہر و باطن	۱۰۸	غیبِ مسنونہ
"	عمل صالح کی کسوٹی	"	تہمید
"	ایک لفظِ فہمی	"	قلب کا رُخ
۱۳۵	عمل صالح کی دو بنیادیں	۱۱۰	حقیقی سیرت
"	شرک فی العمل	۱۱۱	حضرت ابوذر کا زہد و تقویٰ
"	پردہ کی بنیاد	۱۱۲	حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اور ان کی خانقاہ
"	ہر آدمی کا کام	۱۱۵	سیر نام ہے اسلامی قانون کا
"		۱۱۶	حضور کے اصحاب مبارک کیا تھے؟

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۵	حرام میں برکت نہیں	۱۳۶	ایمان کی جامع
"	تحفظ سرمایہ کی صورت	"	شاہ انخاستان کا ایک سبق آموز واقعہ
"	حرام کی طرف مسلم کی طبیعت نہیں جانی چاہیے	"	فلکست کی خبری
۱۳۶	حرام میں شکار نہیں	۱۳۷	حریدہ فلکست
"	میرٹھ کے ایک دیندار اور متقی تاجر کا واقعہ	"	اور اب فتح کا شادمانہ
۱۳۷	رائے	"	واقعہ کی تحقیق اور حقیقت کا انکشاف
"	مسلم اور غیر مسلم میں فرق	۱۳۸	اختلاف راز پر اصرار
۱۳۸	مشورہ	"	انشاء راز اور خیرادے کی والدہ کا کمال تقویٰ
"	ایک اور سوال اور جواب -	"	بزدلی خلق ناپاک ہے
۱۳۹	سودی معاملہ مسلم اور عربی کے درمیان	۱۳۹	اکل حلال کا لازمی نتیجہ اخلاق حسنہ کا پیدا کر ہے
"	بھی جائز نہیں	"	ہمدردی یا دشمنی
"	دارالحرب کا مطلب	"	خلق حسن موقوف ہے لقمہ حلال پر
"	دارالحرب سے ہجرت فرمادی ہے	۱۴۰	امام شافعی کا واقعہ
۱۴۰	دارالحرب اور سود لازم غلام نہیں	"	امام شافعی کا خط امام احمد بن حنبلؒ کو
"	سود پر ایک دلچسپ مباحثہ	۱۴۱	امام احمدؒ کا جوابی خط اور میر کرمانگی
۱۴۱	قوی ہمدردی صحیح طریقہ	"	امام احمدؒ کا تہجد
"	دین کا مدار، محبت پر ہے کثرت پر نہیں۔	"	امام شافعیؒ کی مہمان نوازی
		"	ایک غلبان
		"	حشا، تہجد اور فجر ایک وضو سے
		۱۴۲	امام شافعیؒ کا سوال تحیر
۱۴۳	انبیاء، اولیاء اور اطفال کی	"	امام احمدؒ کا رفع غلبان
"	محبت میں فرق ہے	۱۴۳	امام شافعیؒ پھولے دسمائے
"	صنہ کا منشاء	"	شاہ جی عبداللہ شاہ دیوبندی کا واقعہ
۱۴۴	حُب جاہ	۱۴۴	اکل حلال کی برکت اور نورانیت
"	حُب باہ (شہوت رانی)	"	لقمہ حرام کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے
"	تافانی دیکھتی	"	دنیا وسیلہ آخرت ہے نہ مقصد
۱۴۵	شہوت فرج -	۱۴۵	لقمہ حلال کی تعدد اور لقمہ حرام سے احتراز

دوسری مجلس

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	طلب نہیں کئے جاتے۔	۱۵۵	مکمل و شیطان اور لفرش آدم
۱۷۱	نعلی مشرکین کے پاسے میں طہار کے مذاہب	"	شیطان کی تلبیس
۱۷۳	اسلم ترین مذہب	۱۵۷	لفرش آدم کا منشاء کبر نہ تھا
	تیسری مجلس	۱۵۸	کبراد عرص
۱۷۳	نسبندی شرعاً ممنوع ہے	"	بچوں میں دونوں قومیں بیدار نہیں
"	استثنا کر قانون عام کی شکل میں پیش کرنا	۱۵۹	عصمت انبیاء
"	قیامت ہے	"	عصمت انبیاء اور عصمت اطفال
۱۷۵	دلچسپ واقعہ	۱۶۰	حدیث اَللّٰهُمَّ اَجِبْ اِيْمَانًا کی تشریح
۱۷۷	بعض ممالک میں کثرت اولاد پر انعام	۱۶۱	پھر کس کا ایمان زیادہ ہے۔
	چوتھی مجلس	"	موانع کا هجوم عمل کو قہتی بنا دیتا ہے
۱۸۱	تہیہ	۱۶۲	اولیاء اللہ گناہ سے بچتے ہیں
"	حسی تہیہ سلامت ہوتی ہے معنوی تہیہ کی	"	حضرت شبلیؒ کا عبت نہ ناک واقعہ
۱۸۰	علم کی دو قسمیں ہیں علم ابدان اور علم ادیان،	۱۶۳	کرشمہ قدرت۔
"	دونوں علم ضروری ہیں	"	اولیاء اللہ محبت پر دیر تک باقی نہیں رہتے
۱۸۱	ہر اثر و اثر کا پستہ دیتا ہے	"	ماحول سے متاثر ہو کر گناہ کرنے کی حقیقت
۱۸۲	مدارس اور کالجوں میں صرف ایک قسم کی تعلیم	۱۶۵	انبیاء علیہم السلام کا غیر
"	پر اکتفا کر لینا کافی نہیں	"	ظاہر پاک، باطن پاک، لہذا گناہ عادت ممکن نہیں
۱۸۳	دنیا نہ گزرے اللہ آخرت مخرج ہے	۱۶۶	اولیاء اللہ سے گناہ عقلاً بھی ممکن ہے
۱۸۵	انسان اخلاق سے بنتا ہے	"	اور عادت بھی
"	صرف الہی معرفت ہے معرفت نفس پر	۱۶۷	امیر مہتابیہ کا عجیب واقعہ
۱۸۶	انہار منتر	۱۶۸	حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان مسلمان ہو گیا
"	انہار منکر اور اقرار مجز	"	شیطان انبیاء پر اثر نہیں ڈال سکتا اور نہ
		۱۶۹	ان کی صورت اختیار کر سکتا ہے
		"	اولیاء اللہ پر شیطان اثر ڈال سکتا ہے
			خلاصہ کلام
		۱۷۰	سراسر آثار میں جو اطاعت پر مرتب ہوتے ہیں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۰۲	فصل نعومات تعلیم امت پر ضرور ہے		اہل تشیع کے قیام کی ضرورت
"	پانچوں بیتے ہندو کے نزدیک واجب التعلیم ہیں		
۲۰۳	ہر ملت نے قرآن و سنت سے نظم قائم کیا ہے		
"	تعلیم نبرام کے نہیں ہوتی		
۲۰۵	امیر دہلی کے فرائض	۱۹۰	غلبہ ہند
۲۰۶	ایک پر ملت وادق	"	تہذیب
۲۰۸	ہر مملکت کا ایک امام مقرر ہے	۱۹۱	تیسرا مسلم پانچ شعبوں پر قائم ہے
۲۰۹	ہر مملکت کا ایک امام مقرر ہے	"	پہلا شعبہ اعتقادات
"	دہر اتفاق اچھا ہے اور نہ ہر اتفاق برا	۱۹۲	دوسرا شعبہ عبادات
۲۱۰	امام شافعی کا ماقہ	۱۹۳	تیسرا شعبہ اخلاقیات
"	امام ابو حنیفہ کا ماقہ	"	چوتھا شعبہ معاملات
۲۱۱	مسلمان نسائی لڑائی کے لئے مسائل کو اڑاتے ہیں	۱۹۴	پانچواں شعبہ اجتماعات
۲۱۲	ایک جماعتی ایک ٹاکر کرتا ہے	"	حکامہ کلین
"	ایسے ہی ملاقہ روحانی میں ایک کو امام بناؤ	۱۹۵	قبائے اسلام
۲۱۳	ایک شیخ کا اتباع ضروری ہے	۱۹۶	امام ابو حنیفہ
۲۱۴	نظم کا مقصد امت کا متحد ہونا ہے	"	امام شافعی
"	صوفیاء کے مختلف طریقے	۱۹۷	امام مالک
"	سلطنت میں امیر	"	امام مالک کا خواب اور اس کی تفسیر
۲۱۵	امارت کا حق کس کو ہے	۱۹۹	امام احمد بن حنبل
"	اللہ کی اطاعت وفاق اور رسول کا میر کی	"	تمام ائمہ حق ہیں
"	الامت وفاق ہے	"	عرفائے اسلام
۲۱۷	ماہر حضرت بریرہ	"	امرائے اسلام
۲۱۸	اولی الامر منکم	"	خلفائے اسلام
"	حضرت عمرؓ کی خلافت کا ایک ماقہ	"	ایک پرنسز نصیحت
۲۲۰	امت سے انحراف قوم میں فتنہ پیدا کرتا ہے	۲۰۱	دعویٰ خدائی کا مطلب
۲۲۱	خوابش منکر امیر نہیں بنایا جائے گا	"	دعویٰ نبوت کا مطلب
"	جو ہندو سے بچے اس کو امیر بنایا جائے گا	"	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۴۳	مومن کا معاملہ خدا کے ساتھ۔	۲۴۱	امت شریفہ کا قیام تنظیم وقت کا ذریعہ ہے
۲۴۴	انبیاء نے شرک کی تعلیم نہیں دی بلکہ وحدت کی تعلیم دی ہے	۲۴۲	انحراف سے کوئی پکارا نہیں ہے۔
۲۴۵	شرک کوئی مذہب نہیں	<h2>مؤمنانہ زندگی کا قرآنی تجزیہ</h2>	
"	اہل مذہب توحید ہے اکی کی انبیاء نے تعلیم دی۔		
۲۴۶	مومن کی عقل و قدرت گہری		
۲۴۷	بندہ وہ ہے جو بندگی اختیار کرے	۲۴۶	حکمت کا اتنی عمل ہے علم سے خیر۔
۲۴۹	ٹیکیاں براہینوں کو ختم کر دیتی ہیں	۲۴۷	مخلوق خدا رحمت سے مراد ہے۔
۲۵۰	مومن کے مقدرات و مصورات	۲۴۸	مصفت رحمت غالب ہے حق تعالیٰ کی تمام صفات میں
۲۵۱	پر لطف واقعہ	۲۴۹	حق تعالیٰ قیامت میں اپنے بندوں کی جیلے
۲۵۲	بری مجلس میں دیکھو۔	<h2>بہانوں سے حضرت فریادیں گے</h2>	
"	قرآن پر جو تدبیر کے ساتھ وہ زندگی کا دستور ہے۔		
۲۵۳	صورت الظالمی پر قناعت ذکر کرو!	۲۴۲	دشمن کی شان۔
"	علیہ ربانی و کلام دین ہیں۔	۲۴۳	دشمن کے بندوں کی شان کا پہلی چاہئے!
۲۵۴	ادوار صالح کی دعا و دعا و دعا کے پناہ	۲۴۴	مومن کی رفتار
۲۵۵	خلاصہ کلام اور طریقہ عمل	۲۴۵	مستراح کا واقعہ
<h2>عالم انسانیت کا مکمل قانون اسلام</h2>		۲۴۷	حقیقت میں کمال اپنے اند کا ہے احادیث پر بھی
		<h2>فخر کی اجازت نہیں،</h2>	
۲۴۸	مومن کی گفتار	۲۴۸	مومن کی گفتار
"	غیر مل کے شر کو اچھی خبر دے کر دے	"	غیر مل کے شر کو اچھی خبر دے کر دے
۲۴۹	سہم احادیث کی تفسیر۔	۲۴۹	سہم احادیث کی تفسیر۔
۲۵۱	دعا کرنے والے کے مومن کی مثال وہ	۲۵۱	دعا کرنے والے کے مومن کی مثال وہ
"	حضرت گنگوہی کا اصول	"	حضرت گنگوہی کا اصول
۲۵۲	مومن کا مجدد قیام	۲۵۲	مومن کا مجدد قیام
"	دفعہ عزت مہم ہے جب منت ہے	"	دفعہ عزت مہم ہے جب منت ہے
۲۶۱	دست اخلاق اور عالی غزل	۲۶۲	دست اخلاق اور عالی غزل

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۸۰	قانون کی حفاظت کے لئے سب کا اتفاق	۲۶۲	شکر کا طریقہ ماوردی
	مذہب کا ہے	۲۶۳	شکر کا طریقہ تھری
۲۸۲	مردمائل کو نہ کاموں	"	ادائیگی شکر
۲۸۳	اہل قانون خود بھی کریں	۲۶۴	پرسنل وار کے معنی
۲۸۳	مکاتب فیصل کا موقوفہ	"	قانون حقیقت اسلم کا ہے
۲۸۴	یہ قانون انھیں اختیار ہے	۲۶۶	اسلامی قانون فطرت کے مطابق ہے
۲۸۵	حضرت کا فطرت سے ادائیگی شکر	۲۶۷	بچہ کی تربیت کا وقت
		۲۶۸	اسلامی قانون افعال پر بھی اور ذات پر بھی
			لاگو ہوتا ہے
		۲۶۹	خدا کا قانون سب کے لئے عام ہے
		۲۷۰	پرسنل وار کا اصل مفہوم کیا ہے؟
		"	پرسنل کوئی بت نہیں ہے۔
		"	قانون کی حفاظت اس کا استعمال کرنا ہے۔
۲۹۸	قانون روح خدا کی ہے	"	یہ قانون خداوندی نہیں ہے
۲۹۰	قوم مسلم کا حال	۲۷۱	محمود کا حال پیکر محمدؐ پر چڑاؤ گے
۲۹۱	غیر امت کو بھی	"	دیکھ قانون صرف اہل پر لاگو ہوتے ہیں
۲۹۲	قرآن پتھر سے ملے ہے	۲۷۲	قانون خداوندی ان لوگوں کی اصلاح کے
۲۹۳	خالقین ولید کی پیادہ کی	۲۷۳	لئے آیا ہے
۲۹۴	ہر جگہ قرآن ایمانی کا رنگ ہے	"	ہر شہر میں نہیں
۲۹۵	عربی زبان نقل نہیں ہے	"	بعض شہر میں ہے خیرہ لگتی ہے
۲۹۵	دوسری زبانیں نقل ہیں	"	تالیف عرب اللہ کے قبضے میں ہے
۲۹۶	قرآن کے الفاظ و معانی منزل من اللہ ہیں	۲۷۴	ترقی نام ہے حکمران کا
۲۹۷	حافظ قرآن کو تشبیہ حاصل ہے نبی کریم	۲۷۵	حکومت کی نعمت ہے اور اتحاد و جماعت ہے
	صلی اللہ علیہ وسلم سے	۲۷۷	یاد رہے کہ تعلق جویت کا ہوتا ہے
۲۹۷	دین کے ہر شعبہ کو مستقل ایک طبقہ نے بنایا	۲۷۸	اہل تحکومت و عدالت کی خدمات اور ان کا شکر ہے
۲۹۸	حفاظت قرآن پر بیان اسناد	۲۷۹	انسان دوا کی اور ایسی ہے
۳۰۰	اصل میں حفاظت قرآن کی ذات گرامی ہے	"	سوت کے معنی منتقل ہونا
۳۰۴	حق اور باطل میں جیت نہیں ہو سکتے۔	۲۸۰	

پیغام رسانی بنام عالم انسانی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۸	مکرمین حدیث کا انجام اور حدیث کا مقام	۲۲۳	حافظ قرآن کجی نہیں مرتا
۲۲۹	قسمان کالب دلہر	۲۲۴	مشرقیں حافظ قرآن کے باپ کی تابع پڑھی ہوگی
۲۳۰	دارالعلوم میں سلسلہ مسلمات باک و ریت	۲۲۵	حافظ قرآن اور جنت کے درجات
۲۳۱	اللہ نے دعایت دین اسلام ادا اس کی ہر بات مستند ہے	۲۲۶	ہمارے کام کو قصاصی ہوتی ہے ادا قرآن کا کام
۲۳۲	علم بخاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصایت ہے	۲۲۷	فنا کر جاویں گے
۲۳۳	مسلمانوں کے اندر ہی مستند دین موجود ہے	۲۲۸	حافظ قرآن کو شامت کا حق دیا جائے گا
۲۳۴	مسلم دنیا ہی لینے کے لئے نہیں بلکہ دینے کے لئے آیا ہے	<p>مذاہبِ عالم میں اسلام کے تین بنیادی امتیازات</p> <p>عقل ، نقل ، استناد</p>	
۲۳۵	ہر آدمی کو اپنے اہم کی دوسروں کو رحمت دینی دینی		
۲۳۶	رحمت الی اللہ کے مختلف طریقے		
۲۳۷	جہالت کے اندر رحمت الی اللہ اور چین		
۲۳۸	یہی اسلام کا دوسرا گود		
۲۳۹	خیر خواہ اور غریب و محتاج کی ذمہ داری رحمت الی اللہ کا	۲۲۹	غیر مستند
۲۴۰	حکمت کے ساتھ رحمت الی اللہ کی پیش کش	۲۳۰	تہنید
۲۴۱	رحمت الی اللہ کے غیر مسلم کی سختی ہیں	۲۳۱	ہدایت خداوندی
۲۴۲	خطاب کے مناسب حال طریقے سے دعوت پہنچاؤ	۲۳۲	عقل اور محاسن غریہ
۲۴۳	حضرت اکبر کا ذکر کشتی میں بچکان	۲۳۳	دین حق کی پہچان ادا اس کے دو مبارک
۲۴۴	دعا و آفت یا کہ جس سے جبرلم کی اسلام کا طرف لگیں	۲۳۴	پہلا مبارک روایت
۲۴۵	ہندوستانی میں سوا کا رو سند کے ساتھ سے	۲۳۵	حفاظت قرآن کی ظاہری سند
۲۴۶	حضرت علیؓ کی خدمت خلق کا ایک عیب ماحر	۲۳۶	حفاظت قرآن کی باطنی سند
۲۴۷	دعوت الی اللہ کے درجے	۲۳۷	ادوات مادی
۲۴۸	دین کو عقل قرار کرنے کی مہر	۲۳۸	نیکو کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد
۲۴۹	دعا و رافت غیروں کی نظر میں	۲۳۹	کلام خداوندی و کلام رسول کی حفاظت کی ذمہ داری
۲۵۰	اسلام میں تعدد ادیان اور غیر ملکی کا سلسلہ	۲۴۰	کلام رسول کلام خداوندی کا بیان ہے
۲۵۱	غیر اسلام کے متن حضرت شاہ ولی اللہ کی بیخبری	۲۴۱	حضرت علیؓ کی جانب سے ابن عباسؓ کو استدلال
۲۵۲	اسلام کے متن خارج برائو	۲۴۲	قرآن کی حفاظت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	خواتین سے حکیمانہ خطبات	۳۵۴	مذکورہ پیشگوئیوں کی تائید میں حدیث رسول
۳۷۸	عہدوں کو مدد کا حکم	۳۵۵	مسافر اور انکی کن کر شہیدوں میں شامل ہوجاؤ
۳۷۸	عہدوں کے دوسری اور علاق	۳۵۶	غلبہ اسلام کے متعلق خداوند عالم کی شہادت
۳۸۰	عہدوں کی دنیا کمزوری	۳۵۷	اللہ نے حضور کو اور صحابہ کو منتخب فرمایا اور ہر ایک
			صحابی کی یہ کسی کی نسبت پر ہے
		۳۵۸	طبیعت دین صوفیہ مساکین ہیں مگر ظہور مسالین ہیں
		۳۵۸	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک طالب علم کا دلچسپ واقعہ
		۳۶۰	مدرسہ اسلامیہ کا مقصد حقیقی دعوت الی اللہ
		۳۶۱	جشن مدرسہ پر حضرت حکیم الاسلام کی طرف سے
			اعلیٰ مدرسہ کو مبارک باد
		۳۶۵	تحفہ مومن



۱۶ پیش لفظ

از حضرت مولانا الحاج عبدالرحیم صاحب صدیقی بستوی مہتمم مدرسہ شمس العلوم
ہندو پور۔ آندھرا پردیش۔

حکیم الاسلام فخر الامثال حضرت علامہ مولانا قاری محمد طیب صاحب متنا ائمہ بطول
حیات مہتمم دارالعلوم دیوبند، عالم اسلام کی عظیم المرتبت شخصیت اور اکابر دیوبند کی قابل
فخر یادگار ہیں، آسان علم و حکمت کی نیر تاباں اور قاسمی علوم و معارف کے امین و شارح
ہیں، جادو بیان و اعظ اور دور حاضر کے لیے مثال خطیب ہیں۔ کئی درجن علمی کتابوں کے
مصنف اور فقیہ امت ہیں۔ طریقہ اصلاح اور انداز تفہیم ایسا چمکانہ ہے کہ بڑے سے بڑا
دہریہ بھی اگر چند منٹ ہی آپ کی مجلس میں شریک ہو جائے تو ایمان کی پاشنی اور
توحید کا چٹھارہ لیکر اٹھے۔ آپ کی خطابت میں اعجاز سیمائی اور بیان میں بلا کی دلکشی ہے۔
یہ کوئی عقیدت مندانہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ حکیم الاسلام دامت برکاتہم کسی بھی موقع
پر نگھنٹوں تک بے تکان بول سکتے ہیں اور پھر کمال یہ کہ حشو و زوائد سے پاک ہوگا۔ مورد
حکمت سے لبریز اور مغز ہی مغز ہوگا

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشند خدا تے بخشندہ

دینی اجتماعات اور تعلیمی جلسوں میں آپ کی مسلسل تقریریں تو ہوتی ہی ہیں خود دیوبند
کے زمانہ رقیام میں ہر روز آپ کے دولت کدہ پر بعد عصر علمی مجلسیں ہوتی ہیں دارالعلوم
کے ممتاز اساتذہ اور باذوق طلباء اس میں شریک ہو کر اپنے علمی اشکالات پیش کرتے
ہیں حکیم الاسلام ان کا تسفی بخش حل فرماتے ہیں اور ایسے نکات بیان کرتے ہیں کہ اشکال
اور سوال کی ہر گزہ خود کھلتی چلی جاتی ہے۔ جذبہ اصلاح اور فکر افادہ کا یہ عالم ہے کہ دوران
سفر بھی اپنے میزبان کے گھر حسب معمول اور حسب عادت مجالس علمیہ قائم فرماتے
ہیں۔ بنگلور کے سفر میں الحاج موسیٰ سیٹھ صاحب تاجر کرشنیل اسٹریٹ کے گھر پر مجلس

ہوتی ہے۔ اس میں شہر کے رؤساء، تجار، علماء اور آئمہ مساجد شریک ہو کر اپنی علمی پیاس بجھاتے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔

عزیز مکرم مولانا حافظ قاری نثار احمد صاحب قاسمی سہارنپوری نے جو دارالعلوم دیوبند کے ذی استعداد اور بلند پایہ فاضل ہیں حضرت حکیم الاسلام کی مجالس علیہ کے ملفوظات عالیہ کو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے قلم بند فرما کر کتابی صورت میں یکجا کر دیا ہے مولانا نثار احمد صاحب نے اس کے لئے یقیناً بڑی محنت، جانفشانی اور عرق ریزی کی ہے اور اس طرح انہوں نے ایک بڑے علمی خزانہ کو مطبوعہ صورت میں عام کر دیا ہے جزاۃ اللہ خیر الجزاء۔

قادیان خود اندازہ کریں گے کہ حکیم الاسلام کے ان گرانمایہ ملفوظات اور گوہر نشاں کلمات میں کس قدر نور، تاثیر، برجستگی، مضامین کی مسلسل آمد و فکر و تدبیر عالمانہ شان و شوکت، سلاست و روانی، علمی گرہ کشائی اور رموز و حکمت کا انبار ہی انبار ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے۔ آمین۔

عبد الرحیم صدیقی بستوی

عرضِ حال

علامۃ الدھر، خطیب العصر، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ریس الجامعہ دارالعلوم دیوبند اکابر دیوبند کے حربِ آخر ہیں۔ آپ کا تجربہ علمی، حسنِ تدبیر، خوشِ انتظامی، تقریری مہارت اور بلند پایہ خطابت علمی طبقہ میں مسلم ہیں، آپ کا تکلم ایمان کو تازگی، روح کو بالیدگی اور قلب سلیم کو تابندگی عطا کرتا ہے۔ قسائمِ ازل نے آپ کو ظاہری اور باطنی بہت سی خوبیوں اور صلاحیتوں سے بھر پور نوازا ہے باذوق علماء آپ کی علمی گفتگو سننے اور اس سے استفادہ کے لئے سراپا انتظار اور عامۃ المسلمین آپ کے اصلاحی اور روح پرور بیان کی سماعت کے لئے سراپا اشتیاق دہتے ہیں۔

حضرت مہتمم صاحب کے علمی اور معلوماتی خزانے کا ایک بڑا حصہ تو کتابی صورتوں میں سامنے آچکا ہے۔ ایک بھاری حصہ فضا میں تحلیل ہو چکا ہے اور قیمتی جواہر پاروں کو اور بابِ قلم نے حیطہ تحریر میں لا کر اپنی ذاتی لا بُریری میں محفوظ کر لیا ہے، اور چند دوسرے قسم کے قدر دانوں نے آپ کی بعض علمی اور اصلاحی تقاریر کو ٹیپ کر لیا ہے۔ میں نے آپ کے ان علمی خزانوں کو جو منتشر اور ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں بچا کر کے کتابی صورت میں شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے تاکہ علمی خواص ان بیش بہا موتیوں سے اپنے دامن بھرتے رہیں اور یہ بھی کہ یہ گوہر نایاب نوکِ قلم پر اگر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔ اس سلسلے کی یہ میری پہلی کوشش ہے جو منظرِ عام پر آرہی ہے۔ اگر اہل علم اور قدر دان حضرات نے ہر متقاضی پہلو سے میری حوصلہ افزائی فرمائی تو انشاء اللہ یہ مفید اور علمی پروگرام برابر جاری رہے گا، اور آہستہ آہستہ دیگر اکابرِ ملت اور اس طینِ علم کے بھی علمی جواہر پارے آپ کے مطالعہ کی میز پر آجائیں گے۔

نشا را محمد قاسمی مدرس مدرسہ خادم العلوم باغونوال (ضلع مظفرنگر)

فَضْلُ الْقَوَى

خطبہ نمبر ۱۰۰ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَعْمَدُكَ وَنُسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ
وَتَوَكَّلُ عَلَيَّهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسَانَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ
اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضِلِّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيْكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَهَؤُلَاءِ اَعْبَادُكَ اَوْرَسُوْلُهُ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ
اِلَى كَافَّةِ النَّاسِ بِشَيْرٍ اَوْ نَذِيْرٍ اَوْ دَاعِيَا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيْرًا اَصْلَى اللّٰهُ
تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمْ سَلَامًا كَثِيْرًا اَتَّهَابِعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ
مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهُ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا
وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ
اَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا هَـ صَدَقَ اللّٰهُ الْاَعْظَمُ ۝

تمہید | بزرگان محترم! یہاں آنے کے بعد میں نے کچھ بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر
بیماری کا سلسلہ شروع ہو گیا اور نزلہ، زکام، بخار وغیرہ کی وجہ سے کچھ کمزوری پیدا ہوئی
تو میں نے معذرت کر دی کہ بھائی آج رہنے دو پھر دیکھی جاوے گی۔ چنانچہ ہمارے
بھائی رشید نے یہ بھی فرمایا کہ واپسی میں ایک دن دیا جائے اس میں کچھ بیان ہو
جائے گا۔ میں نے اس پر کہا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے آج میں نے سوچا کہ شاید
بھوں گئے ہوں گے اور یہ دیکھ کر کوئی سامان بھی جلد و اجلاس کا نہیں بالکل مطمئن
تھا مگر اب معلوم ہوا کہ سب جمع ہیں تو چانک ایک چیز سامنے آئی اور مجمع کے احترام کا
تقاضا بھی یہی ہے کہ کچھ بیان کر دیا جائے چاہے وہ مختصر ہی ہو۔ اس میں زیادہ وقت
بھی نہ لے سکوں گا۔ مختصر طریق پر چند باتیں گزارش کروں گا۔

طریق سلف اور وصیت تقویٰ | سلف صالحین یعنی حضرات صحابہ اور حضرات
تابعین کی یہ عادت رہی ہے کہ جب ایک دوسرے سے رخصت ہوتے تھے تو کہتے تھے

کہ کچھ نصیحت کیجئے۔ چھوٹے اپنے بڑوں سے نصیحت کی فرمائش کرتے تھے اور بڑے اپنے چھوٹوں سے نصیحت طلب کرتے تھے عام طور سے سلف کی یہ نصیحت ہوتی تھی کہ اُدْجِنِکُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ ہی سلف کا عام جواب ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے میں نے یہ آیت تلاوت کی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کیے مشکلات میں ایسے راستے کھوتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا ہے مشکل میں پھنسا ہوا ہے ہر طرف سے راستے بند ہیں۔ غیب سے سامان ہوتا ہے اور راہ نکل آتی ہے اور وہ مشکلات سے نکل جاتا ہے۔

یتجبر تقویٰ | اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا تقویٰ پر مرتب شدہ پہلا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشکلات میں اس کے کام آتے ہیں اور دوسرا وعدہ یہ ہے کہ وَ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ حق تعالیٰ اس کو ایسے انداز سے رزق دیتے ہیں کہ اُسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہے کہ میرا رزق یہاں سے پہونچ جائے گا اور پتہ کیا ہے وہیں سے تیسرا وعدہ یہ فرمایا ہے وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَكْفِ عَنَّا مَتَابِعَهُمُ کہ جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے ہیں اور جو تھا خمرہ اور نتیجہ یہ بیان فرمایا ہے وَيُعْطِ لَهُ أَجْرًا اللہ اس کے اجر و ثواب کو بہت بڑھا دیتا ہے تو تقویٰ اختیار کرنے پر ان آیات میں چار و مرے دیئے گئے ہیں۔ مشکلات میں راستہ کھول دینا۔ رزق بے شان و گمان پہونچانا۔ معصیت کا کفارہ کر دینا۔ اجر و ثواب کو بڑھا دینا۔

تقویٰ اور اس کے اثرات | ایک معنی تو لغت میں ہیں تقویٰ کے ڈرنے کے اور خوف کے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سے ڈرنا اور خوف و خشیت اختیار کرو۔ کسی حالت میں بے فکر ہو کر مت بیٹھو۔ خواہ دولت مند ہو خواہ مفلس ہو ہر حالت میں اللہ کا ڈر انسان کو رہنا چاہیئے۔ اگر غور کیا جاوے تو جتنے بھی جرائم اور معصیتیں ہیں وہ اللہ کے ڈر سے ہی ختم ہوتی ہیں۔ جرائم کو نہ پولیس روک سکتی ہے نہ فوج روک سکتی ہے اور نہ ہتھیار روک سکتے ہیں۔ جب تک کہ دل میں ڈر اور خوف خداوندی نہ ہوگا آدمی جرائم سے باز نہیں رہ سکتا۔ اگر غرض پولیس اور فوج کی طاقت سے جرائم بند ہو جایا کرتے تو آج کی دنیا سب سے

کہ زیادہ متقی ہوتی۔ اس لئے کہ آج نہ فوجوں کی کمی ہے اور نہ پولیس کی کمی ہے اور ہتھیاروں کی بلکہ آج کل ایسے ایسے ہتھیار موجود ہیں کہ دنیا نے کبھی دیکھے بھی نہ ہوں گے۔ تو ہیں بھی ہیں ہم بھی ہیں غرض ایسے ایسے ہتھیار موجود ہیں جن کے اثرات دور دور تک جاتے ہیں ایک بم سے لاکھوں آدمی ختم ہو سکتے ہیں۔ اگر ان ذرائع سے دنیا میں امن قائم ہو سکتا اور جرائم مٹ سکتے تو آج دنیا میں کوئی جرم باقی نہیں رہتا۔ سب کے سب متقی اور ہرزگار ہوتے لیکن جتنی پولیس بڑھتی جاتی ہے اور جتنی فوج اور ہتھیار بڑھتے جاتے ہیں اس کے گئے جرائم بڑھتے جاتے ہیں اور عام طور سے دنیا میں فسق و فجور مار دھاڑ اور بد امنی۔ بدینتی اور فسادات عام ہوتے جا رہے ہیں۔ ارتکاب جرائم کی وجہ یہ نہیں کہ اس دور میں پولیس اور فوج کی کمی ہے۔ بلکہ دلوں میں اللہ کا ڈر اور خوف باقی نہیں ہے اگر یہ ہو تو آدمی کو ارتکاب جرائم کی ہمت ہی نہیں ہوگی۔ خواہ وہاں پولیس اور فوج ہو یا نہ ہو پھر چاہے تنہائی میں بھی ہو وہاں بھی گناہ سے بچے گا۔ مثلاً آپ کے سامنے لاکھوں روپے کا خزانہ رکھا ہو ہے اگر آپ اٹھا کر لے جانا چاہیں تو لے جا سکتے ہیں کیونکہ وہاں نہ پولیس ہے نہ فوج ہے مگر آپ اُسے نہیں اٹھاتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ کا ڈر دلوں میں گھر کئے ہوئے ہے کہ میں نے اگر ایسا کیا تو اللہ کے سامنے قیامت کے دن کیا جواب دوں گا جب پوچھا جائے گا کہ تو نے میرے مال میں بغیر اس کی اجازت کے کیوں تصرف کیا ہے۔ تو سب سے بڑی پولیس جو دلوں پر بیٹھی ہوتی ہے وہ خوف خداوندی ہے وہی تمام جرائم سے بچانے والی ہے اور معصیت سے روکنے والی ہے ورنہ دنیا میں کوئی صورت نہیں ہے جرائم سے روکنے کی اور جرائم سے بچنے کی۔ اسلام نے آخرت کا جو عقیدہ پیش کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو ہر وقت یہ تصور ہے کہ مجھے اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر جواب دہی کرنی پڑے گی اور ہر شخص سے اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ زندگی کس طرح سے گزاری۔ اس کا جواب دینا پڑے گا۔ تو یہ عقیدہ ایسا ہے کہ جس سے انسان حرکات ناشائستہ سے رک سکتا ہے۔ اسی عقیدے کی وجہ سے دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے اور ہر شخص ارتکاب جرائم سے بچ سکتا ہے اور کوئی صورت ایسی نہیں جس کے اختیار کرنے سے جرائم سے بچ سکے

جہلی طور پر انسان میں اخلاق زوئیلہ ہیں | جہلی طور پر انسان درندہ واقع ہوا

ہے۔ مار کاٹ چیر پھاڑ اس کا خاصہ ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ جب حضرت آدم کو زمین پر اتارا گیا اور حضرت حوا بھی اُنہیں توفیر مایا اِھبطوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ جَاءَتْ دُنْیَا کے اندر اور ایک دوسرے کی دشمنی تمہارے اندر ڈال دی گئی ہے اس لئے انسان ایک دوسرے کا دشمن بھی ہے اور بُرا چاہنے والا بھی ہے اس کے قلوب میں کہیں حرص رکھی گئی ہے۔ کہیں بغض رکھا گیا ہے کہیں حسد رکھا گیا ہے کہیں تکبر رکھا گیا ہے۔ ان اخلاق زوئیلہ کی بنا پر جب آدمی حریف ہوگا تو دوسرے کے مال پر نگاہ ڈالے گا اور اُسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا پھر اُسے جات و ناجات کی پروا نہ ہوگی۔ چوری ڈکیتی کچھ بھی ہو بے تحاشا کرے گا اس لئے کہ اس کے اندر حرص کا مادہ

موجود ہے اور اگر انسان میں حسد کا مادہ موجود ہے تو وہ اپنے کسی بھائی کو بڑھتا ہوا دیکھتا نہیں چاہے گا۔ دنیا میں کوئی عزت کے اعتبار سے ذرا بڑھا تو دلوں میں حسد شروع ہو جاتا ہے کہ یہ کیوں بڑھ گیا۔ لوگ اس پر تو غور نہیں کرتے کہ اس نے اپنی صلاحیتیں استعمال کیں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے بڑھا دیا ہم بھی وہ صلاحیتیں پیدا کریں۔ مگر یہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ یہ نزقیات و مراتب اس کے پاس نہ رہیں چلے مجھے ملیں یا نہ ملیں۔ یہ حسد کا خاصہ ہے کہ آدمی دوسرے کی نعمت کو زائل ہوتا دیکھ کر خوش ہو چاہے خود بالکل محتاج اور مفلس کیوں نہ ہو۔ ایسے ہی تکبر، طمع، لالچ وغیرہ ہیں ان اشیاء زوئیلہ پر اگر بڑیک لگانے والی کوئی چیز ہے تو وہ تقویٰ اور خوفِ خدا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو سوائے مار دھاڑ اور ڈکیتی ڈالنے کے اور کیا کرے گا تو اس سے دنیا میں ایک عجیب انارگی پھیل جائے گی یہ اخلاق عام ہیں اور یہ انسان کی جبلت ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اپنا قانون اُتار کر ان چیزوں سے بچ کر زندگی گزارو۔

اخلاق زوئیلہ کے بجائے اخلاق حسنہ اختیار کرو | اس لئے حکم ہے کہ حسد ختم کرو اور ایشیا اختیار کرو۔ اگر اپنے کسی بھائی کو دیکھو کہ دولت ملی ہے تو اس میں اتنے ہی خوش ہو جیسے کہ یہ دولت مجھے ہی مل گئی اور یہ سمجھو کہ وہ میری ہی دولت ہے

اگر کسی کو سخت ملی ہے تو یہ سمجھو کہ یہ میری عزت ہے اگر خدا نخواستہ یہ ذلیل بنا تو یہ میری ذلت ہے یہ جذبہ دین نے پیدا کیا ہے کہ حد کو چھوڑ کر ایثار اختیار کرو۔ لاپٹ چھوڑ کر قناعت اختیار کرو کہ جتنا تمہیں اللہ نے دیا ہے اس پر خوش رہو۔ شکر کرتے رہو اللہ تعالیٰ اُسے بڑھا دے گا اسی طرح کبر سے بچا کر دین نے تواضع کی تعلیم دی ہے کہ خاکسار برتو۔ ہر ایک کے سامنے چھوٹے بن کر پیش ہو کہ بڑے تم ہو میں چھوٹا ہوں۔ لڑائی دنگا جب بھی ہوتا ہے نیجہ کی دجر سے ہوتا ہے۔ ہر ایک کہتا ہے کہ میں بڑا ہوں اور قاعدہ ہے کہ دو بڑے ایک جگہ نہیں سما سکتے یقیناً ایک گھٹے گا اور ایک بڑھے گا۔ ایک ختم ہو گا ایک آگے چلے گا لیکن جب ہر ایک یوں سمجھے گا کہ میں بڑا نہیں۔ بڑا تو وہ ہے جو یہ کہے کہ میں بڑا نہیں یہ بڑا ہے۔ تو پھر لڑائی جھگڑا کس چیز کا ہوگا؟ اس لئے امن و امان کا ذریعہ تواضع و خاکساری ہے اور لڑائی جھگڑوں کا سبب تکبر اور سخت ہے یہ تمام چیزیں انسان میں موجود ہیں ان کا علاج اگر کیا ہے تو دین نے کیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے دنیا میں اگر اسکی تعلیم دی اس کے طریقے بتلائے ہیں کہ اگر یہ طرز اختیار کر دگے تو تکبر زائل ہو گا اور اور یہ طرز اختیار کر دگے تو تنہاری حرص زائل ہو جائے گی اور یہ طریقہ اختیار کر دگے تو تمہارا حد ختم ہو جائے گا یہ تمام طریقے دین کے بتلائے ہوئے ہیں۔

ایمان کا مدار دو بنیادیں ہیں | یہ دو بنیادی باتیں ہیں ایک دل میں اللہ کا ڈر دوسرے آخرت کے عقیدے میں مضبوطی اور سچائی کہ جو کچھ دنیا میں کر رہا ہوں وہاں جا کر مجھے جواب دینا ہے اور حق تعالیٰ کے پاس ایک ایک چیز کا حساب ہوگا۔ حتیٰ کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سردیوں میں گرم پانی نعمت ہے اس کا بھی احسان جتلا یا جائے گا کہ ہم نے سردی میں گرم پانی دیا تم نے اس کا کیا حق ادا کیا۔ گرمیوں میں ٹھنڈا پانی نعمت ہے اس کا حساب ہوگا کہ تم نے اس ٹھنڈے پانی کو استعمال کر کے کیا شکریہ ادا کیا۔ وہاں ایک ایک چیز کا حساب ہوگا۔ تمہیں اتنی عمر دی تھی تم نے کا ہے میں صرف کی تمہیں اتنی دولت دی گئی تھی تم نے اس کو کا ہے میں صرف کیا تو سب چیزوں کو الگ الگ پوچھا جائے گا۔ یہ نہیں کہ سارے بنی آدم سے مشترکہ طور پر سوال ہوگا اور وہ سب مل کر جواب دیں گے۔ نہیں۔ بلکہ اس

کی پوری زندگی سامنے کر دی جائے گی اور پھر اسی کے مطابق حساب و کتاب ہوگا۔ یہ عقیدہ جب ایک مومن کے دل میں جما ہوا ہے تو وہ جرات و ہمت نہیں کر سکتا ہے خیانت کی بددیانتی کی اور جب بھی یہ حرکت کرے گا تو معلوم ہوگا کہ عقیدے میں ڈھیلا پن آگیا ہے وہ عقیدہ دل میں چھپ گیا ہے سامنے نہیں رہا ہے لیکن اگر سامنے ہو تو پھر یقیناً جرات نہیں ہوگی اور اگر کبھی گزرے تو پھر جلدی سے توبہ کی توفیق ہوگی اور ندامت ہوگی کہ میں نے بہت بُری حرکت کی ہے اس کے نتیجے میں توبہ کرے گا استغفار کرے گا۔ یہ ندامت توبہ و استغفار اسی دہر سے ہے کہ یہ دو بنیادیں اس کے دھن میں ہیں۔

تقویٰ انسداد جرائم کا ذریعہ ہے | تقویٰ کے ایک معنی ہیں ڈرنے کے کہ آدمی اللہ سے ڈرے اور یہ ہی گویا جرائم سے انسداد کا طریقہ ہے۔ تقویٰ کے دوسرے معنی ہیں احتیاط کہ آدمی محتاط زندگی بسر کرے جس میں بڑے جرائم سے بچنے کے لئے چھوٹے جرائم کو چھوڑ دے حرام سے بچنے کے لئے مکروہ کو چھوڑ دے کہ اگر میں نے مکروہ فعل کیا تو ممکن ہے کہ کل کو فعل حرام کروں اور مکروہ سے بچنے کے لئے بعض ناجائز چیزیں بھی ترک کر دینی پڑتی ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ ناجائز میں گھر گھر اگر مکروہ میں مبتلا ہو جاؤں۔ شریعت کی اصطلاح میں اسی کا نام ستر ذرائع یعنی ذلالت اور وسائل کو ترک کر دو تاکہ ناجائز مقاصد تک پہنچنے نہ پاؤ اور پہلے ہی رک جاؤ مثلاً زنا کاری ایک فعل نجیست ہے اور حرام ہے۔ اس سے بچانے کے لئے فرمایا گیا کہ اجنبی عورت پر نگاہ بھی مت ڈالو۔ اجنبی عورت سے خلوت بھی مت اختیار کرو۔

اجنبی عورت کی آواز پر کان مت لگاؤ یہ ساری چیزیں ستر ذرائع ہیں جو ان چیزوں میں پڑا تو اندیشہ ہے کہ مبتلا ہو جائے گا۔ اصل میں گناہ سے بچانے کے لئے شریعت نے یہاں سے روکنا شروع کیا کہ نگاہ ہی مت ڈالو کان ہی مت لگاؤ۔ اور اگر عورت خوشبو لگا جوئے ہو تو اپنی ناک کو موڑ لو۔ گویا ہم خوشبو نہیں سونگھ رہے ہیں کیونکہ بعض دفعہ خوشبو ذریعہ بنتی ہے خیال کے متوجہ ہونے کا۔ یہ ہے احتیاط جسے فقہار لکھتے ہیں کہ اگر عورت دھو کرے اور اس کا بچا ہوا پانی لوٹے میں موجود ہے اس سے وضو مت

کیوں کہا گیا کہ اس نے کفر اختیار کیا؟ یہ اس لئے کہا گیا کہ جو جادوگر کے پاس آتا
 جاتا رہے گا پہلا مرحلہ تو اس کے لئے یہ ہوگا کہ جادو کی بُرائی اس کے دل سے نکل جائے
 گی ادب سمجھے گا یہ بھی ایک فن ہے جیسے دوسرے فن ہوا کرتے ہیں وہ جو پہلے اس
 کے دل میں جادو کی بُرائی کھسی ہوئی تھی کہ کفر کی بات ہے وہ کم ہو جائے گی اور جب
 اُس کی بُرائی کم ہوتی تو چاروں کے بعد جادو گر سے کہے گا کہ ایک منتر مجھے بھی سکھلا
 دو۔ وہ سکھلا دے گا دس دن کے بعد کہیں گے بھائی منتر تو بہت اچھا ہے ایک منتر
 سکھلا دو وہ ایک منتر سکھلا دے گا چند دن کے بعد یہ کہتے ہیں جادو گر بن جلتے
 گا اور کفر میں مبتلا ہو جلتے گا اس کفر سے بچانے کے لئے شریعت نے روکا ہے کہ
 جادو گر کے پاس ہی مت جادو کہ جادو اور سحر سے دل میں نفرت نہ رہے اور پھر تم یہ کھو
 اور جادو گر بنو اور کفر میں مبتلا ہو یہ ہے سید ذرائع یا جیسے حدیث شریف میں آیا ہے
 مَا شَكَّرَ كَثِيرٌ كَافِقِيْلَهُ حَوَامٌ جس چیز کے زیادہ حقے میں نشہ ہے اس چیز کا کم حقہ
 بھی حرام ہے اگر آدمی شراب کا ایک جام پئے گا تو نشہ ہوگا اس لئے اگر اس کا ایک
 قطرہ بھی چکھا تو حرام ہوگا حالانکہ ایک قطرہ میں نشہ نہیں ہوتا ہے مگر حرام اس درجے
 میں ہے جس درجہ میں پورا گلاس پینا۔ اس لئے جس نے آج ایک قطرہ چکھا ہے وہ کل
 ایک گھونٹ بھی پئے گا اور جو کل ایک گھونٹ پئے گا وہ پورے سوں کو ایک جام بھی پئے
 گا اور جس جام پی لیا وہ تر سوں کو شرابی بھی بن جلتے گا اس کی خباثت میں مبتلا ہو جلتے
 گا چو کہ شراب کو اُمّ الجنات کہا گیا ہے کہ سارے گناہوں کی جڑ یہ نشہ اور شراب ہی ہے
 اس سے بچنے کے لئے یہاں روک تھام شروع کی ہے کہ اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے یہ ہی
 ہے وہ سید ذرائع کہ ابتداء میں جو ہلکی صورت ہے اُسے بھی اختیار مت کرو تاکہ بُری صورت
 تک نہ پہنچ سکے۔ تو شریعت اسلام نے ایک سلسلہ کبانہ کار رکھا ہے کہ یہ حرام ہے۔ مثلاً
 زنا کاری، چوری، بے ایمانی اور کچھ اس کے دواعی و اسباب ہیں ان تک کو روکا ہے تاکہ
 اصل مقصد تک پہنچنے نہ پاتے۔ اب اگر تقویٰ کے لغوی معنی بھی مراد لئے جاویں یعنی ڈرنے
 کے تو بھی اپنی جگہ درست ہیں اس لئے کہ ڈر سے معاصی چھوٹ جاتی ہیں اور اگر تقویٰ سے

احتیاط کے معنی لئے جاویں تو بد بختہ ادنیٰ معصیت سے حفاظت ہو جاتے گی کہ بعضے جائز
 چیزیں بھی چھوٹ جاتی ہیں پھر اس کے بعد آدمی کی زندگی پاک بن جاتی ہے۔ یہ ہی وہ زندگی
 ہے جو دنیا کی تمام الانشوں اور گندگیوں سے پاک ہو جاتی ہے اور آدمی کو جہنم سے بشار
 جنت میں ابد الابد والی نعمتوں میں داخل کر دیتی ہے اور آدمی کو اللہ کا مقرب بنا دیتی ہے
 مگر تقویٰ کے اس درجہ کا حصول موقوف ہے بادشاہ حقیقی کے مرتبہ کے معلوم ہونے پر
ہمارا تقویٰ | یہ محتاط زندگی والا تقویٰ تو بڑوں کا نصیب ہے ہم اور آپ جیسے بہت مشکل
 سے اس کی طرف جاسکیں گے کہ ناجائز سے پھٹنے کے لئے جائز چیزوں کو بھی ترک کر دیں یہ تو
 بہت اونچا مقام ہے مگر ابتدائی درجہ ہر ایک کے بس کا ہے کہ اللہ سے ڈرے اور ڈرنے
 کی صورت یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اقتدار اور اس کے قبضے کو تصور میں
 لا تا رہے کہ وہ مالک ہے جس طرح چاہے کرے جب چاہے موت دیدے جب چاہے
 حیات دیدے۔ جب چاہے صحت دیدے جب چاہے بیماری مسئلہ کر دے جب چاہے
 امن دیدے جب چاہے ہدامنی مسئلہ کر دے۔ اسی کی یہ قدرت ہے اور اس کی اس قدر
 کا جب دھیان ہوتا ہے تو ڈر پیدا ہوتا ہے کہ میں بڑے قادر کے قبضے میں ہوں معلوم
 نہیں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ تو آدمی حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا تصور کرتا رہے
 اس سے ڈر پیدا ہو جاتا ہے اگر کوئی بالکل انجان اور جاہل مض ہے اسے کبھی بھی ڈر نہیں
 ہوگا اس لئے کہ وہ واقف ہی نہیں ہے بادشاہ کے اقتدار سے۔ ایک دیہاتی اگر بادشاہ
 کے دربار میں آئے تو وہ زیادہ نہیں ڈرے گا اس لئے کہ وہ واقف ہی نہیں ہے کہ بادشاہ
 کے اختیارات کیا ہیں اس کا اقتدار کیا ہے؟ بادشاہ کو یوں ہی سمجھے گا کہ مجھ جیسا ایک آدمی ہے
 مگر وزیر اعظم تھرایگا۔ لکپکپائے گا اس لئے کہ وہ بادشاہ کے اختیار و اقتدار کو جانتا ہے۔ وہ آنکھ
 نیچی رکھے گا۔ ادھر ادھر بھی نہیں دیکھے گا کہ کہیں بے ادبی نہ ہو جائے۔ میری گردن نہ مار دی
 جلتے تو جس کو علم اور پیمان ہوگی باری تعالیٰ کی بڑائی اور اقتدار کی اور اس کے جلال کی اسی
 کے دل کے اندر خوف پیدا ہوگا اور جو جاہل ہے اس کے دل میں اندر کچھ بھی پیدا نہ ہوگا۔
ایک دلچسپ لطیفہ | بیان کیا جاتا ہے کہ اکبر بادشاہ نے مشاعرہ کی مجلس کی کہ شعراء

آئیں اور اپنا اپنا کلام سنائیں اور اعلان کیا کہ جس کی نظم عمدہ ہوگی اسے انعام دیا جائے گا۔ سیکڑوں شعراء نے نظمیں اور غزلیں لکھیں اور بہت بڑا اور بارسنقد ہوا گاؤں کے ایک دیہاتی نے بھی ارادہ کیا کہ میں بھی کچھ تک بندی کر کے لے جاؤں تو مجھے بھی بادشاہ اعظم دے گا تو چودھری صاحب بھی دربار میں کچھ لکھ کر لاتے وزیر اعظم نے دیہاتی آدمی سمجھ کر اُسے بلایا اور پوچھا کہ تو کیا لایا ہے اُسے شبہ ہوا کہ پتہ نہیں کیا انا پستانپ لکھ کر لایا ہوگا کہیں اُلٹا بادشاہ ناراض ہو کر اس کی گردن نہ مار دے اس بنا پر وزیر اعظم نے دیہاتی سے کہا کہ چودھری صاحب تم نے جو لکھا ہے وہ مجھے بھی سن دو اس نے کہا کہ ا جی سن لو۔

چودھری صاحب نے وہ قطعہ سنایا۔ قطعہ یہ تھا کہ سب درکھت ماں بجرگ بڑ۔ ہرے ہرے پتو میں لال لال پھل۔ یعنی سارے درختوں میں جو بڑا درخت وہ بڑا درخت ہے جکی ڈاڑھی اور چھالیں لٹکی رہتی ہیں اور اس کے بنز بنز پتے ہوتے ہیں اور سرخ سرخ پھل ہوتے ہیں گویا یہ قطعہ کہا اور اس قطعہ کے اخیر میں تھا کہ۔ اکبر بادشاہ گیدی خریدی یعنی اکبر بادشاہ حرام زادہ ہے۔ یہ سن کر وزیر اعظم تو کانپ گیا کہ اس کجخت نے خود بھی جان کھینی اور مجھے بھی پٹوائے گا۔ تو خیر وزیر اعظم نے کہا کہ چودھری صاحب! شعر بڑے عمدہ ہیں مگر یہ جو اخیر کا شعر ہے اکبر بادشاہ گیدی خریدی یہ نہ لکھو، اس نے کہا کہ اور کیا لکھوں وزیر اعظم نے کہا یہ لکھو کہ اکبر شاہ بخروبر۔ یعنی اکبر بخروبر کا بادشاہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بڑا ادبنا بادشاہ ہے۔ اس نے کہا جی اچھا کہ دوں گا۔ مشاعرہ شروع ہوا شعراء نے اپنی اپنی نظمیں اور غزلیں سنائیں۔ اعلان ہوا کہ چودھری صاحب بھی ایک قطعہ پڑھیں گے چودھری صاحب نے کھڑے ہو کر ایک قطعہ پڑھا کہ۔ سب درکھت ماں بجرگ بڑ۔ ہرے ہرے پتو لال لال پھل اکبر شاہ بخروبر۔ اکبر نے کہا چودھری صاحب مصرع تو بہت عمدہ ہے مگر یہ جو اخیر کا مصرع ہے۔ اکبر شاہ بخروبر۔ یہ بہت بُرا مصرع ہے اکبر سمجھ گیا کہ یہ مصرع اس کا نہیں ہے یہ اس کو کسی نے بتایا ہے تو چودھری صاحب نے وہیں کھڑے کھڑے وزیر اعظم کو مان کی گالی دے کر کہا کہ اس حرام زادے نے کہا تھا کہ اس طرح کہنا در نہ میں قریوں لکھ کر لایا تھا کہ اکبر بادشاہ گیدی خریدی اکبر بادشاہ نے کہا یہ بہت عمدہ ہے وہ ٹھیک نہیں تھا چودھری نے کہا کہ جی ہاں میرا تو یہ ہی مصرع ہے پھر اس کو بادشاہ کی طرف سے بہت انعام و اکرام ملا۔ اس نے یہ مصرع

اکبر بادشاہ گیدی خراکیوں کہا تھا، اس لئے کہ وہ دیہاتی ہے نہ اکبر کے جاہ و جلال سے واقف اور نہ اسکی عظمت و اقتدار سے واقف۔ فقط ایک دیہات کا رہنے والا ہے تو دیہاتی لوگ بیچارے بالکل سادہ ہوتے ہیں۔ ان میں پھل فریب، مکرو فریب، دغا بازی، دھوکہ دہی کچھ نہیں ہوتی ہے۔ سادہ زندگی ہوتی ہے جو دل میں آیا بے تکلف کہہ دیا۔ اسی واسطے احادیث میں آیا ہے کہ حضرات صحابہ انتظار میں رہا کرتے تھے کہ کوئی دیہاتی آئے اور آکر سوال کرے تاکہ علوم کھلیں اور ہم سب کو ان کی بدولت تازہ علم حاصل ہوں۔ صحابہ پر حضورؐ کے جاہ و جلال کی عظمت غالب تھی اس لئے ہر ایک کو سوال کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ چونکہ شان نبوت سے واقف تھے اس لئے ان کے دل پر ہیبت تھی اور خوف تھا۔ اور دیہات والے بیچارے سادے لوگ ہوتے ہیں انھیں کچھ خبر نہیں ہوتی جو چاہے اگر پوچھ لیا۔ جو چاہے کہہ دیا۔ جیسے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حضورؐ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے ایک دیہاتی بھی آگیا اس کو دینے میں دیر لگی آپؐ اور وہ کو دے رہے تھے۔ اس نے کھڑے ہو کر فوراً کہا کہ اے محمدؐ یہ مال نہ تیرا ہے نہ میرے باپ کا ہے اس میں ہمارا بھی تو حق ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ چودھری صاحب تمہیں بھی ملے گا گھبراؤ مت۔ یہ کہہ دینا کہ یہ مال تیرا نہیں اور نہ میرے باپ کا ہے۔ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جسے شان نبوت کا پتہ نہ ہو اس لئے صحابہ منتظر رہا کرتے تھے کہ کوئی دیہاتی آجائے اور آکر سوال کرے حضورؐ جواب دیں گے اور ہم راہ علم بڑھے گا۔

قدرِ خوف بقدرِ عظمت جتنا جلال و عظمت دل میں پیدا ہوگی اتنا ہی خوف اور ڈر بڑھتا چلا جائے گا۔ اور عظمت خداوندی سے جتنا جاہل ہوگا اتنا ہی آزاد ہوگا جو چاہے کر گذرے تو اس کے لئے اعلیٰ ترین ذریعہ یہ ہے کہ ہم اپنے دل میں خوف خداوندی پیدا تاکہ جرائم سے بچیں اور خوف پیدا کرنے کی یہی صورت ہے کہ ہم تصور کریں کہ اللہ مالک الملک ہے۔ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ موت و حیات اسی کے قبضے میں ہے۔ صحت و بیماری اسی کے ہاتھ میں ہے تو نگرانی و مصلیٰ اسی کے ہاتھ میں ہے لَا یَسْتَلِ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یَسْأَلُونَ کہ جو کچھ وہ کر دے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ کیوں کیا؟

وہ بری ہے ان سب چیزوں سے تو جب یہ یقین و تصور ہوگا بندہ کو کہ وہ غنی مطلق ہے جو چاہے کرے تو دل میں بیبیت پیدا ہوگی کہ میں ایک بندہ ذرۃ بے مقدار ہوں اور مالک الملک کے سامنے ہوں ایسا نہ ہو کہ کوئی بے ادبی ہو جائے تو دل میں ڈر بیٹھ جائے گا تو پہلا درجہ یہ ہے تقویٰ کا جس کے معنی خوف کے ہیں کہ دل میں اللہ کا ڈر اختیار کرے تاکہ معصیت سے بچ جائے۔

بادشاہ ظفر کا ایک قطعہ نصیحت | بادشاہ ظفر مغل دور کا آخری بادشاہ گذرا ہے جس سے انگریزوں نے ملک چھینا تھا۔ وہ کچھ اپنے مزاج سے بھی صوفی منش تھا اور دیندار بادشاہ تھا اور کچھ حالات نے بے بس بنا دیا تھا تو بالکل کھوئی منش بن گیا تھا اس نے ایک قطعہ شعر کہا ہے وہ قطعہ واقعی بڑا عجیب و غریب ہے۔ بادشاہ ظفر شاعر بھی تھا اور اس کا کلام بھی چمپا ہے اس کا کلام بڑا اونچا ہوتا تھا۔ اس شعر کے اندر بھی ایک اونچی حقیقت بیان کی ہے وہ کہتا ہے

ظفر آدمی اس کو نہ جانے گا گو ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا

جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی اسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

یعنی کتنا ہی عقلمند ہو۔ ہوشیار ہو۔ دانشمند ہو اس کو آدمی نہیں سمجھنا چاہیے جو تو بڑی اور عیش میں اگر اللہ کو بھول جائے یا طیش اور غصہ آیا تو خدا کے ڈر کو بھول گیا اور اپنا ظلم و زیادتی کمزور انسان پر کرنا شروع کر دیا وہ آدمی نہیں ہے۔ آدمی کی صورت میں ایک انسان ہے جس میں اوصاف چیتے اور بھڑیے کے ہیں اس کے اندر انسانی اخلاق نہیں۔ نہایت ہی عمدہ بات ہے اور بہت ہی قیمتی بات ہے اگے دوسرا شعر کہتا ہے

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر

پڑی اپنی خرابیوں پر جب نظر، تو نگاہ میں کوئی سے بُرا نہ رہا !

آدمی دوسروں کو بُرا جب ہی سمجھتا ہے جب اپنی برائیاں سامنے نہ ہو اور جب اپنی برائیاں سامنے آئیں گی تو ہر ایک بھلا نظر آئے گا اس لئے آدمی کا کام یہ ہے کہ اپنی برائیوں پر نظر رکھے کہ میرے اندر کچھ ٹھ ہے۔ یہ خرابی ہے میری غامضوں میں فتور ہے میرے روزوں

میں فتور ہے میری زکوٰۃ میں فتور ہے میں گنہگار ہوں۔ جب آدمی کا یہ تصور ہوگا تو دوسرا آدمی لگا ہوں میں اپنا معلوم ہوگا اور اگر وہ متکبر ہے اور اپنے کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے تو وہ دوسروں کو حقیر جانے لگا جب دوسروں کو حقیر جان لیا تو اس کے اوپر ظلم اور زیادتی سب روا رکھے گا۔ پھر دنیا میں پورا کارخانہ ظلم کا کھل جائے گا اس لئے بادشاہ ظفر نے یہ نصیحت سے بھرپور شعر کہا ہے۔

ہر حال میں خوف خدا ضروری ہے | بہر حال خوف خدا جب دل میں ہوگا تو آدمی مالدار میں بھی گناہ سے بچے گا اور افلاس میں بھی گناہ سے بچے گا۔ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور کیسی پاک نصیحت ارشاد فرمائی ہے حدیث قدسی ہے آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اپنے بندوں سے کہ تو نگری اور دولت مندی کے زمانے میں مجھے یاد رکھ تاکہ تیری مفلسی کے زمانے میں تجھے یاد رکھوں اور اے بندے تو اپنی صحت کے زمانے میں یاد رکھ تاکہ میں تیری بیماری کے زمانے میں تجھے یاد رکھوں اس معلوم ہوا کہ تو نگری کی حالت میں ہو تو جب بھی خوف خدا ضروری ہے اور مفلسی کی حالت میں ہو تو جب بھی خوف خدا ضروری ہے اگر تو نگری میں خوف خدا نہیں ترڑ رہے کہ تو نگری چھن جائے اور اگر مفلسی میں خوف ہے کہ ممکن ہے کہ وہ تو نگری بن جائے یہ اللہ کے فیض ہیں جسے چاہے دیتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں لے لیتے ہیں۔

دولت کا دینا اور لینا مصلحت خدا پر موقوف ہے | جس کو دینا بہتر سمجھتے

پھر اس کو دیدیتے ہیں مگر دیتے ہیں اسی حد تک جس حد تک باری تعالیٰ کی حکمت و مصلحت اجازت دیتی ہے معاذ اللہ یہ کوئی الٹ بات نہیں کہ جسے چاہیں لکھتی بنادیں اور جسے چاہیں مفلس۔ اس نے جیسی خلقت بنائی ہے وہ جانتے ہیں کہ اس کو یہ دینا مصلحت ہے اور اس کو نہ دینا مصلحت ہے۔ اے تو نگری بنانا مصلحت ہے اور اے مفلس رکھنا مصلحت ہے قلوب کے حالات کو وہی بہتر جانتا ہے جس نے خلقت بنائی ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ چار پیسے اُن کے ہاتھ میں آئے تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ تکبر اور غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور

دوسروں کو حقیر جاننے لگتے ہیں ایسوں کو اگر دنیا کی دولت دیدی جائے تو ظلم کا کار خانہ کھل جائے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ لاکھوں روپے آجائیں پھر بھی انسان بنے ہوئے ہیں پھر بھی ان میں وہی دینداری ہے۔ پھر بھی ان میں وہی جذبہ ہے پھر حق تعالیٰ ان کو دولت دنیا میں ترقی دیتے ہیں تو باری تعالیٰ جسے دولت دیتے ہیں اے جانتے ہیں کہ کس مصلحت کے تحت اسے دولت دی گئی ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ **كَادَ الْفَقْرُ اَنَّ يَكُوْنَ كُفْرًا** بعض دفعہ فقر و فاقہ کفر کا ذریعہ بن جاتا ہے اور آدمی اللہ کی شکایتیں کرنے لگتا اور ایمان کھو بیٹھتا ہے۔ اس کو پیسے دے دیئے جائیں تاکہ ایمان محفوظ رہے اور بعض ایسے ہیں کہ چار پیسے ہاتھ میں آئے وہ آپسے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ انہیں مفلس رکھا جاتا ہے تاکہ وہ آپسے میں رہیں تو مفلسی اور تونگری من جانب اللہ ہے جیسی جیسی خلقت جس کی بنائی ہے اسی کی مناسبت سے اسے دیتے ہیں **نَحْنُ قَسَمًا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ دَرَجَةً** بعض درجہ اٹھانے ہی رزق تقسیم کیا ہے ہم نے ہی معاش تقسیم کی ہے اور ہم نے ہی درجے قائم کئے ہیں بعضوں کو اونچا بنایا بعضوں کو نیچا بنایا۔ اب اونچے کا کام یہ ہے کہ وہ جھکے اور شکر کرے اور نیچے کا کام یہ ہے کہ وہ صبر کے ساتھ دعا کرے اور مانگے اس سے دونوں کا فائدہ ہوگا اللہ نے دونوں کے لئے راستہ رکھ دیا ہے کہ تونگر بھی نجات پائے اور مفلس بھی نجات پائے

فضائل مفلسین حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ہر ایک کے کچھ درجات ہیں کچھ نعمتیں دولت مندوں کو بھی ملیں گی اور کچھ مفلسوں کو بھی ملیں گی یعنی مفلس مایوس نہ ہوں کہ ہمیں کچھ ملا ہی نہیں بلکہ ان کے بڑھنے کی دوسری چیزیں ان کو دے دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے صدقات و خیرات کے فضائل بیان فرما کر دولت مندوں کے فضائل بیان فرمائے کہ صدقات دیں گے زکوٰۃ دیں گے دین کا کام ان سے چلے گا وہ بہت دین کا کام کریں گے ان کا مال آخرت کا ذریعہ بنے گا درجات کمائیں گے ان فضائل سے مفلسوں کا دل ٹوٹنے لگا کہ بھائی یہ تونگر بڑے اچھے رہے کہ دنیا میں

بھی انہوں نے مزے کی زندگی گزاری اور آخرت میں بھی ان کے درجات بلند ہیں اور ہم نے دنیا میں بھی مصیبت جھیلی اور آخرت میں بھی ہمارے لئے کچھ نہیں یہ مالدار لوگ بڑھ گئے اور ہم رہ گئے۔ تو یہ گروہ مفلسین حضور کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ مَسْبُوقَ الْمُفْتَرِ ضَوْفَ یہ مالدار توجیت گئے ہم سے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ مالدار اپنی دولت کا حساب دیتے رہ جائیں اور تم پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہو، انہوں نے کہا کہ بس یا رسول اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔ ہمیں دولت نہیں چاہیے تو بہت سی دوستی مفلسوں کو بھی دی گئی ہیں یہ بات نہیں سچ کہ تو نگرہوں کو ہی نعمتیں دی گئی ہیں۔ نہیں بلکہ سب کو دی گئی ہیں کسی کو یہاں دی گئی ہے کسی کو وہاں۔ کیا گیا سب کو برابر یہ مالک کی حکمت ہے کہ کسی کو یہاں بڑھاد یا مگر فیضان سب کے اوپر عام ہے اگر کسی کی ظاہری دولت بڑھادی تو کسی کی باطنی بڑھادی۔ وہ اپنے انگ میں خوش ہے یہ اپنے انگ میں غم ہے اور بسا اوقات باطنی نعمت مال سے بھی بڑھ جاتی ہے اگر ایمان کی دولت مضبوط ہے اور توکل کی دولت مضبوط ہے تو ہزاروں مال اس کے نیچے دب جاتے ہیں اور یہ دولت سب سے اونچی ہوتی ہے۔

ظاہری اور باطنی نعمت کے تقابل پر دو نصیحت آموز واقعے (۱) ایک بزرگ کسی شہر میں پہنچے۔ بڑا شہر تھا اور قلعہ بند تھا۔ دیکھا کہ سارے دروازے بند ہیں اور ہزاروں مال گاڑیاں ادھر رکی ہوئی کھڑی ہیں اور ہزاروں مال گاڑیاں اندر رکی ہوئی کھڑی ہیں۔ دن کا وقت ہے اور شہر میں بالکل آمدورفت نہیں ہے انہیں بڑی حیرت ہوئی کہ اتنا بڑا تجارتی شہر ہے کہ روڑوں کا یہو پار ہے اس میں اور دروازے بند ہیں انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ بھائی یہ شہر کے دروازے کیوں بند ہیں لوگوں نے جواب دیا کہ صاحب! بادشاہ کا بازگم ہو گیا ہے بازار ایک شکاری پرندہ ہوتا ہے، اس لئے بادشاہ نے کہا ہے کہ شہر کے دروازے بند کر دو کہ کہیں باہر نہ جاسکے اور پھر ڈھونڈتے پھرے بزرگ بڑی حیرت میں رہ گئے کہ بادشاہ بے وقوف ہے کہ ایک پرندے کے لئے

دروازے بند کئے ہیں بھلا وہ اڑ کر نہیں جاسکتا ہے چھتوں کے اوپر سے؛ دل ہی دل میں کہا کہ بادشاہ بڑا بے وقوف ہے اور اللہ میاں سے عرض کیا کہ خدایا تیری قدرت کہ کندہ نائراش کو نونے بنا دیا بادشاہ جسے اتنی بھی عقل نہیں کہ جانور کو بکنے کے لئے جال ڈالنے کی ضرورت ہے یا شہر پناہ کے دروازے بند کر بنکی۔ اُسے تو ملک دے دیا وہم جیسا فاضل جوتیاں چٹھاتا پھر رہا ہے جس کے اندر علم بھی ہے۔ معرفت بھی اور کمالات بھی بھرے ہوئے ہیں ہمیں کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ایک وقت کھالیا اور ایک وقت فاقہ ہے۔ تو جس میں یہ دولت موجود ہے وہ جوتیاں چٹھاتا پھرے اور جو ایسے احمق اور کندہ نائراش ہیں وہ تخت سلطنت پر بیٹھ جاویں آپ کی عجیب قدرت ہے یہ گویا ایک سوال اور ایک خطبان اللہ کے سامنے پیش کیا وہاں سے جواب آیا کہ اچھا کیا؟ تم اس پر راضی ہو کہ تمہارا علم۔ تمہاری معرفت۔ تمہارا ایمان چھین کر اس بادشاہ کو دے دیں اور اس کی ساری سلطنت تمہیں دیدیں تیار ہو؟ انہوں نے کہا نہیں اس پر تیار نہیں ہوں معلوم ہوا کہ ایمان کی قوت زیادہ تھی اور توکل کی قوت زیادہ تھی دولت سے ورنہ راضی ہو جاتے کہ میں نے علم بھی دیا ایمان بھی دیا لایئے مجھے تخت سلطنت دیجئے نہیں بلکہ تخت سلطنت پر لات ماردی اور ایمان و علم اور معرفت نہیں چھوڑی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑی دولت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کو دونوں دولتیں دے دے کہ مال کی دولت بھی ہو اور ایمان کی قوت بھی ہو اور اللہ پر بھروسہ بھی ہو تو اس کے پاس اللہ نے دین و دنیا دونوں کو جمع کر دیا ہے یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے دے دے تو بہر حال دولت دنیا بھی ایک نعمت ہے اور دولت دین اس سے بڑھ کر نعمت ہے اور اگر جمع ہو جاویں تو سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے۔ دونوں کے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ مالدار کے اندر آدمی غرور میں نہ پڑے اور ہر وقت شکر گزار رہے اپنے پروردگار کا اس لئے کہ جو کچھ اُسے ملا ہے وہ اس کا حق نہیں تھا بلکہ محض عطا خداوندی ہے۔ اللہ کے اوپر کسی کا حق نہیں جب

فضل سے ملے تو شکر واجب ہوتا ہے لہذا ملنے پر شکر ادا کرے اور جس کو مفلسی دی ہے وہ عدل سے دی ہے گو یا حکمت و انصاف کا یہی تقاضا تھا کہ اس کو اس حالت میں رکھا جائے تاکہ وہ صبر کرے کیونکہ دونوں ہی راستے جنت کی طرف جاتے ہیں صبر اپنے راستے سے جنت میں پہنچائے گا اور شکر اپنے راستے سے جنت کے طرف لے جائے گا۔ پس دونوں کامیاب اور ناجی اور محبوب خداوندی شاکر بھی ہے اور صابر بھی

(۲) علماء میں ایک عالم گذرے ہیں فنِ نحو کے بہت بڑے امام جن کا نام ہے اکثم اور انتہائی درجہ بد صورت تھے۔ جتنی بد صورتی کی علامتیں ہو سکتی ہیں وہ سب ان میں جمع تھیں رنگ بے حد کالا۔ دانت بہت چوڑے چوڑے۔ آنکھیں نہایت چھوٹی اور کرنچی اور آنکھوں میں چیٹر، لگے ہوتے۔ دانتوں میں زردی لگی ہوئی غرض جتنی بد صورتی کی علامتیں ہو سکتی ہیں ساری ان میں جمع تھیں اور علم و ہنر کا یہ عالم کہ بہت اونچا اور بہت بلند۔ ان کی شادی ایک ایسی عورت سے ہوئی کہ دور دور اس کی نظر نہیں تھی جب خاوند اور بیوی آمنے سامنے بیٹھے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے دھوپ چھاؤں کہ ایک طرف دھوپ نکل رہی ہے اور ایک طرف سایہ ہے۔ ایک طرف نور اور ایک طرف ظلمت تو آمنے سامنے بیٹھ کر بیوی سے کہتے کہ میں بھی قطعی جنتی ہوں اور تو بھی قطعی جنتی۔ بیوی کہتی کہ کیا بات ہے فرماتے کہ میں تو اس لئے جنتی کہ تجھ جیسی بیوی مجھے ملی میں رات دن شکر ادا کرتا ہوں اس شکر کے راستے سے جنت میں پہنچوں گا اور تو اس لئے جنتی کہ مجھ جیسا بد صوت خاوند تجھے ملا تو رات دن صبر کرتی ہے کہ کس بلا میں گرفتار ہو گئی اس لئے تو صبر کے راستے سے جنت میں پہنچے گی۔ تو میں بھی جنتی اور تو بھی جنتی اس بنا پر دولت مند کے لئے اللہ نے شکر گزارا رکھا ہے اور وعدہ دیا ہے لَنْ شُكْرُكُمْ لَا يَنْفِي عَنِّي ذِكْرُكُمْ جتنا تم شکر کرو گے اتنا ہی میں اس نعمت کو بڑھاتا چلا جاؤں گا یہ صاحب دولت کے لئے ترقی درجات کا ذریعہ ہے۔

مفلس کے لئے صبر ترقی درجات کا ذریعہ ہے۔ | غریب اور مفلس کو حکم ہے کہ تو کسی دولت مند کی دولت پر نگاہ مت کر صرف میرے اوپر نگاہ رکھ اور صبر اختیار کر۔ میں نے کتنی دولت تیرے لئے جمع کر رکھی ہے تجھے معلوم نہیں ہے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے وہ دولت عنقریب ملنے والی ہے۔ حدیث صحیح میں موجود ہے کہ اگر کوئی شخص دعا مانگتا ہے کہ اللہ مجھے رزق دے دے مجھے دولت دے دے۔ فاقے اتر رہے ہیں اور حال یہ ہے کہ دعا پوری نہیں ہوتی ہے مہینے گزر گئے۔ برس گزر گئے حتیٰ کہ عمر گزر گئی۔ اب اس نے کہا کہ کچھ بھی میری قسمت میں نہیں ہے۔ مانگتے مانگتے تھک گیا۔ نہیں ملا۔ قیامت میں جب میدانِ محشر میں پہنچے گا تو دیکھے گا کہ اجر و ثواب کے ڈھیر کے ڈھیر بھرے ہوئے ہیں ہزاروں، لاکھوں کو وہ نعمتیں نہیں جو اس کے لئے جمع ہیں۔ عرض کرے گا کہ اے اللہ یہ نعمتیں کہاں سے آئی ہیں میں نے تو کوئی عمل نہیں کیا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تو دعائیں نہیں مانگا کرتا تھا؟ اس دعا کو ہم نے پالا پرورش کیا بڑھایا۔ یہ تیری ان دعاؤں کے ثمرات ہیں۔ وہاں دنیا میں اگر دیدیتے تو آپسے سے باہر ہو جاتا۔ اس لئے ہم نے دعا کو ذبحہ کیا۔ اب تو ابدی طور پر عیش و آرام کر تیرے لئے انتہائی درجات ہیں تو غریب کے لئے موقعہ مالوس کا نہیں اور امیر کے لئے موقعہ کفرانِ نعمت اس پر شکر واجب ہے اس پر صبر واجب ہے اور دونوں کے اوپر اعتماد علی اللہ واجب ہے کہ اگر اللہ نے مجھے دیا ہے تو میرا کوئی حق نہیں تھا غرض اپنے فضل و کرم سے دیا ہے اور اسے اگر نہیں دیا ہے تو کوئی ظلم نہیں ہے وہ عدل ہے جس کی وجہ سے نہیں دیا ہے دونوں انشاء اللہ کامیاب ہیں باقی جسے بھی جو ملتا ہے وہ ملتا ہے فضل خداوندی سے کسی کا کوئی حق اللہ کے اوپر نہیں کہ وہ مجبور کرے بھلا اللہ پر کس کا جبر چل سکتا ہے

بنی اسرائیل کے ایک عابد و زاہد کا عجیب واقعہ | حدیث میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے بنی اسرائیل کے ایک عابد و زاہد شخص کا اور یہ حدیث علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے نقل کی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا عابد و زاہد شخص تھا رات دن اللہ کی

عبادت کرتا تھا چونکہ صاحب عیال تھا اس لئے کمانے کا بھی کچھ دھندا تھا وکان کی صورت میں تھوڑی سی تجارت تھی مگر اس کا دل اس سے الجھا تھا اور چاہتا تھا کہ یہ سب کچھ نہ ہو۔ بس ہر وقت عبادت ہی میں لگا رہوں مگر سوچتا کہ بیوی بچوں کا کیا کرے بہر حال ایکٹ اُسے جذبہ آیا اور ساری تجارت و دولت کو اس نے بیوی اور بچوں کے نام کیا اور خود فارغ ہو گیا اور سب سے رخصت ہو کر سمندر کے بیچ میں پہنچ گیا وہاں ایک ٹیلہ تھا اس پر ایک چھوٹی سی جھونپڑی باندھی کہ اب ہر وقت اس میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت میں مصروف رہوں گا۔ ان مذاہب میں رہبانیت جائز تھی یعنی ساری دنیا کو آدمی چھوڑ کر ایک کونے میں جا بیٹھے اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔ یہ شخص اپنے مذہب کے مطابق جا کر بیٹھ گیا۔ گویا اس نے بڑی بھاری عبادت کی۔ چونکہ مخلص تھا اور صاحب دل تھا اس لئے اس سمندر کے بیچ والے ٹیلے پر جہاں نہ کوئی جہاز آ سکے اور نہ کوئی کشتی وغیرہ جاسکے حق تعالیٰ نے وہاں اپنے فضل سے وہاں ایک میٹھا چشمہ جاری کر دیا اور اسی پہاڑی پر ایک انار کا درخت لگا دیا اس عابد کا کام یہ تھا کہ روزانہ ایک انار کھالیا اور ایک کٹورہ پانی پی لیا اور جو بیتل گھسنے عبادت میں مصروف رات اور دن اسی طرح سے اس کی عمر پانچ سو برس کی عمر ہوئی اور یہ پانچ سو برس اسی شان سے گزرے اب اس کے انتقال کا وقت آیا اس نے حق تعالیٰ سے درخواست کہ اے اللہ یہ تیرا فضل تھا کہ تو نے مجھے عبادت میں لگایا اب میری خواہش کہ مجھے سجدے کی حالت میں موت دیجے تاکہ خاتمہ میرا عبادت کے اوپر ہو اور دوسری درخواست یہ ہے کہ سجدے کی حالت میں میرے بدن کو قیامت تک محفوظ رکھے نذین کھائے اور نہ کپڑے مکھڑے کھائیں تاکہ قیامت تک میں تیرا عبادت گزار بندہ ہی رہا جاؤں حق تعالیٰ نے اس کی دونوں دعائیں قبول فرمائیں۔ عین نماز کے اندر سجدے کی حالت میں انتقال ہوا اور اس کا بدن محفوظ ہے حضور فرماتے ہیں کہ آج تک محفوظ ہے لیکن حق تعالیٰ نے اس ٹیلے کے اوپر بڑے بڑے گنجان درخت ایسے لگا دیئے ہیں کہ وہاں تک جاتے ہوئے ہیبت

کھلتے ہیں اس لئے وہاں کوئی نہیں جاتا ہے مگر بدن آج تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ ہے گا وہاں نہ کوئی جانور جاتا ہے اور نہ کوئی انسان جاتا ہے اسی حالت میں حق تعالیٰ کے سامنے اس پیشی ہوگی۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے بندے میں نے اپنے فضل و کرم سے تجھے بخشا اور تجھے بڑے مقامات دیئے جنت میں جا کر آرام کر وہ بندہ عرض کرے گا کہ اے اللہ میں نے تو ساری عمر تیری عبادت میں گزاری پھر بھی تیرے فضل سے جنت میں جاؤں گا۔ میں تو اپنی عبادت کے بدلے جنت میں جا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ نہیں ہم اپنے فضل سے جنت میں بھیج رہے ہیں وہ پھر کہے گا کہ نہیں اے اللہ پھر میری عبادت کس کام آئے گی۔ میں تو اپنی عبادت کے بدلے جنت میں جا رہا ہوں۔ تو حکم ہو گا کہ اسے جہنم کے قریب لے جا کر کھڑا کر دو۔ جہنم میں داخل نہ کرنا اسے اتنی دور رکھو کہ جہنم کا راستہ وہاں سے پانچ سو برس کا ہو ملائکہ اسے لے جائیں گے اور لے جا کر کھڑا کر دیں گے جہنم کی طرف سے ایک گرم ہوا اور آگ کی پٹ آئے گی اس کی وجہ سے وہ سر سے پاؤں تک خشک ہو جائے گا اور اس کی زبان پر کانٹے کھڑے ہو جائیں گے اور پیاس پیاس چلانا شروع کرے گا اس وقت غیبی ہاتھ ظاہر ہو گا جس میں ٹھنڈے پانی کا ایک کٹورہ ہو گا یہ عابد دوڑے گا کہ اے خدا کے بندے یہ پانی مجھے دیدے میں بالکل مرنے کے حال میں ہوں۔ آواز آئے گی کہ کٹورہ تو ملے گا پانی کا مگر اس کی قیمت ہے مفت نہیں ملے گا وہ پوچھے گا کہ اس کی کیا قیمت ہے۔ کہا جائے گا کہ جس نے خالص پانچ سو برس کی عبادت کی ہو وہ اگر کوئی پیش کرے تو یہ کٹورہ پانی کا اسے مل سکتا ہے۔ عابد کہے گا کہ میرے پاس ہے پانچ سو برس کی عبادت۔ وہ اس عبادت کو پیش کر دے گا اور وہ کٹورہ لے کر پانی پنی لے گا تو کچھ جان میں جان آجائے گی حق تعالیٰ کہیں گے کہ اسے واپس لاؤ پھر اس کی پیشی ہوگی حق تعالیٰ دریافت فرمائیں گے کہ اے بندہ تیری پانچ سو برس کی عبادت کے صلے سے تو ہم آزاد ہو گئے پانچ سو برس کی عبادت کے بدلے ایک کٹورہ پانی لے لیا اور یہ قیمت تو نے خود تجویز کی لہذا اب تو برابر برابر ہو گیا اب ہمارے دے

کچھ نہیں تجھے تیری عبادت کا صلہ مل گیا۔ اب وہ جو تم نے لاکھوں دانے انار کے کھائے ہیں ایک ایک دانے کا حساب دیدے اس کے بدلے میں کتنی نمازیں پڑھی ہیں۔ کتنے سجدے کئے ہیں اور وہ جو ہزاروں کٹورے پانی کے پئے ہیں ایک ایک قطرے کا حساب دیدے اس پانی کے بدلے کتنی عبادتیں کی ہیں اور وہ جو ٹھنڈا سانس لیتا تھا جس سے زندگی قائم تھی ایک ایک سانس کا حساب دے دے کہ اسکے بدلے میں کیا عبادتیں لے کر آیا ہے۔ اور وہ جو تیری آنکھوں میں ہم نے روشنی دی تھی اور تاری نگاہ سے ایک ایک چیز کو دیکھتا تھا ایک ایک تاری نگاہ کا حساب دے دے کہ اسکے بدلے میں کتنی عبادتیں لے کر آیا ہے پانچ سو برس کی عبادت کا بدلہ تو ایک کٹورہ پانی ہو گیا اب جو دوسری نعمتیں استعمال کی ہیں ان کا حساب دیدے یہ عابد تھرا بجا دے گا اور کہے گا کہ بے شک اے اللہ نجات آپ کے ہی فضل سے ہوگی کسی کا عمل کسی کو نجات نہیں دلائے گا حقیقت یہ ہے کہ اگر لاکھوں برس عبادت کرے گا تو وہ بھی ذریعہ نجات نہیں بن سکے گا جب تک کہ فضل خداوندی نہ ہو اس لئے کہ وہ جو عبادت کرے گا اس کی طاقت کون دے گا۔ ظاہر بات ہے وہ طاقت بھی وہی دے گا اور طاقت آنے کے بعد جو ارادہ دل میں ہوگا وہ ارادہ کون پیدا کرے گا وہ بھی وہی پیدا کرے گا پھر توفیق کون دے گا؟ وہ بھی وہی دے گا۔ پھر آپ نے کیا کیا؟ سب کچھ تو انہوں نے کرایا۔ ارادہ انہوں نے دیا طاقت انہوں نے دی۔ توفیق انہوں نے دی آپ نے صرف چار سجدے کر لئے تو کیا کمال کیا اور ان سجدوں میں بھی آپ نے جو حرکت کی بدنی طاقت سے وہ طاقت بھی آپ کی ذاتی نہیں تھی وہ بھی ان ہی کی دی ہوئی تھی تو اوّل سے لے کر آخر تک کام تو سارا ان کا ہے اور کہنے لگیں آپ کہ میں نے کیا اور پھر آدمی اس پر فخر کرے فضول ہے۔ بلکہ موقعہ شکر کا ہے کہ تمام نعمتیں اس نے اپنے فضل سے دے دی ہیں۔

امیر کے ایک عبادت گزار نوکر کا واقعہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ کسی امیر کے یہاں ایک آدمی ملازم تھا۔ بوڑھا تھا مگر بڑا نمازی اور پکا دین دار جب نماز کا وقت

ہوتا تو سب کام چھوڑ کر مسجد میں پہنچ جاتا اور بڑے اطمینان سے نماز ادا کرتا وہ
 میرا ایک دن اس لوگ کو اپنے ساتھ بازار لے گئے کچھ سامان خریدا اور اس کو
 پکڑا دیا کہ تو چل لے کر۔ راستے میں مغرب کی اذان ہو گئی اس نے کہا کہ صاحب!
 مجھے نماز پڑھنی ہے اور ان امیر صاحب کی یہ حالت تھی کہ کبھی بھول کر بھی انہوں نے
 سجدہ نہیں کیا تھا یعنی وہ نماز نہیں تھے اور ہمیشہ اس لوگ پر جملے کتے تھے کہ کجنت
 جب دیکھو نماز جب دیکھو نماز یہ ہی اس کا کام رہ گیا ہے تو نماز کے وقت اس کا لازم
 نے کہا صاحب! اب میں نماز پڑھنے جاتا ہوں اس نے پھر عادت کے مطابق وہی
 الفاظ دہرائے کہ جب دیکھو نماز جب دیکھو نماز یہ بڑھا سٹھیا گیا ہے۔ اپنی حرکت
 سے باز نہیں آتا جا جلدی سے نماز پڑھ کر آ۔ وہ گیا فرض نماز پڑھی وہ امیر صاحب
 باہر مسجد کے دروازے پر بیٹھ بیٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ انتظار میں کہ نماز پڑھ کر
 آئے گا اس نے فرض سے فارغ ہو کر سنتیں وغیرہ شروع کر دیں اس نے سوچا کہ اب
 آئے گا اس نے سنتوں کے بعد صلوٰۃ الاذان شروع کر دیں جب دو رکعت پڑھ
 لی تو اس نے پکار کر کہا آتا کیوں نہیں؟ جواب دیا کہ آئے نہیں دیتے اور یہ کہہ کر پھر
 نیت باندھ لی اب یہ غصے میں بھن رہا ہے جب اس نے سلام پھیرا تو پھر کہا کہ کجنت آتا
 کیوں نہیں اس نے پھر کہا کہ جی! آئے نہیں دیتے اور یہ کہہ کر پھر نیت باندھ لی اب
 وہ امیر غصے میں کھڑے ہوئے ہیں اور لال پیلے ہو رہے ہیں جب چھ رکعتیں پڑھ چکا
 اور انہوں نے پکارا کہ ابے جلدی آ اس نے پھر کہا کہ جی! آئے نہیں دیتے۔ انہوں نے
 کہا کہ ابے کون نہیں گھنٹا ہے جواب دیا کہ جی! جو آپ کو اندر نہیں گھنٹا ہے وہ مجھے
 مسجد سے باہر نہیں آئے دیتا ہے آپ پر پابندی عائد کر دی اور مجھے بلایا ہے
 تو حقیقت یہ ہے کہ عبادت ہم نہیں کرتے بلکہ وہ کرتے ہیں ہم سے یہ ہمارا خیال غلط
 ہے کہ ہم عبادت کر رہے ہیں وہ اگر قبول نہ کرے تو آدمی ایک سجدہ بھی نہیں کر سکتا
 ہے تو یہ صرف فضل خداوندی ہے تو اس لئے نجات جو ہوگی وہ ہمارے عمل سے
 نہیں ہوگی وہ ہوگی فضل خداوندی سے عمل معین ہوگا۔

نجات صرف فضل سے ہوگی عمل سے نہیں | حدیث میں ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا حضرت عائشہ صدیقہؓ کو خطاب کرتے ہوئے کہ میں نبی احد کو عملہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا اللہ کا فضل نجات دلائے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا وَلَا اَنْتَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ کہ اے اللہ کے رسول کیا آپ کو بھی آپ کا عمل نجات نہیں دلائے گا۔ نبی کا عمل اتنا کہ ساری امت کی ہزاروں عبادتوں سے بڑھ کر نبی کا ایک سجدہ ہے اسی لئے حضرت صدیقہؓ نے عرض کیا مگر آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ الا اَنْ تَتَعَدَّ فِي اللَّهِ بِرَحْمَتِهِ مجھے بھی میرا عمل نجات نہیں دلائے گا جب تک کہ فضلِ خداوندی شامل نہ ہو۔

دفعِ خلیجان | مگر بھائیو! اس غلط فہمی میں مبتلا مت ہو جاؤ کہ جب عمل سے کچھ نہیں ہوگا صرف فضل سے ہوگا تو یہ محنت کی کیا ضرورت ہے کہ پانچ وقت چلو مسجد میں جہاں اذان ہوئی کہ بس چلو نماز پڑھنے۔ یہ تمام کام چھوڑ دینا چاہیئے فضل ہوگا تو نجات ہو جائے گی فضل نہیں ہوگا تو نجات نہیں ہوگی۔ یہ بیشک صحیح ہے کہ فضل ہوگا تو نجات ہو جائے گی ورنہ نہیں مگر اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ عمل کو چھوڑ دینا چاہیئے اور وہ بالکل بیکار ہے۔ نہیں۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کا عمل کرنا علامت ہے فضل کی۔ فضل ہے جب ہی تو آپ عمل کر رہے ہیں اگر فضل نہ ہوتا تو آپ کہاں سے عمل کرتے تو وہ فضل شروع ہو جاتا ہے دنیا سے اور وہی فضل چلتا ہے آخر تک۔ دنیا میں وہ فضل عمل کرنا ہے اور آخرت میں وہی فضل نجات دلائے گا تو یہ کہنا کہ نجات کا مدار فضل پر ہے تو کیا ضرورت ہے عمل کرنے کی یہ درست نہیں بلکہ ضرورت ہے۔ اس لئے کہ وہی علامت ہے فضل کی فضل ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو توفیق دے رہے ہیں وہ طاقت میں ہے عبادت میں ہے تو یہ سب فضل ہی فضل ہے اس وقت عمل کی صورت میں ہے اور آخرت میں نجات کی صورت میں آجائے گا اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ عمل چھوڑ کر بیٹھ جانا چاہیئے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔ خاتمہ بالخیر فرماتے اور اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائے آمین یا رب العالمین۔

اخلاص و اصلاح ،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُخْطَبِہٖ سَنُوْنَهٗ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا الْبَعْدُ۔ فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُکُوْنُ هَوَاۗءُ نَبْعًا لِّاِحْسَنِّہٖ بِہٖ وَقَالَ اللّٰہُ جَلَّ ذِکْرُہٗ
فَلَا وَدَیْکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحِکْمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ
اَنْفُسِہِمُ حَرَجًا تَمًا قَضِیْتَ وَتُبَلِّغُوْا تَسْلِیْمًا صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہٗ
النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ۔

ہر شے کی حقیقت اس کا اندرونی جو ہر ہے | ہر رگان محترم! دنیا کی ہر چیز
مربک ہیں ایک ہمارا ظاہری حصہ ہے جس کو ہم بدن کہتے ہیں یہ سبب و شکل ہے مثلاً آنکھ
ہے جسک ہم ایک دوسرے کی شکل و صورت دیکھ کر پہچانتے ہیں یہ ظاہری حصہ اور ظاہری پیکر
ہے اور ایک اس کے اندر پوشیدہ حقیقت ہے وہی درحقیقت انسان ہے۔ اس صورت
ظاہری کا نام انسان نہیں۔ انسان اس حقیقت کا نام ہے جو اندر چھپی ہوئی ہے اس کے دکھانے
کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ صورت بنادی ہیں جو کہ دراصل ذریعہ تعارف ہے اصل مقصود نہیں ہے۔
پھر مقصود کہاں ہے؟ شریعت اسلام پتہ دیتی ہے کہ اندرون باطن ایک قلب ہے اسی میں
ساری حقیقتیں چھپی ہوئی ہیں اور اسی کا نام انسان ہے۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے جب
بھیلا یا اور صورت و شکل دی تو قلب نمودار ہو گیا۔ شکل بن گئی۔ اب اسے دیکھ کر پہچان گئے کہ یہ
فلاں ہے یہ فلاں ہے ورنہ حقیقت میں انسان قلب ہی ہے اور اسی کے اندر سب کچھ
پوشیدہ ہے۔

پتیلہ آدم کے ساتھ ابلیس کا سلوک | حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب حق تعالیٰ
نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا اور بدن بنایا۔
ابھی اس میں روح نہیں ڈالی گئی تھی تو ملائکہ علیہم السلام اسکی زیارت کرتے تھے اور کہتے تھے

کہ اللہ تعالیٰ نے عجیب شکل و صورت بنائی ہے اور بہت ہی عمدہ ہے اور سب کے دل میں ایک عظمت و محبت اس صورت کی بیٹھ گئی اور اہل بلیس کو بھی مکم ہوا کہ تو بھی اس صورت کو جا کر دیکھ اس کے دل میں عداوت چھپی ہوئی تھی انکس جا کر دیکھا اور حضرت آدم کے پتلے کے اندر گھسا اور ریزے ریزے میں سرایت کی بعد میں انکس کہا کہ کوئی عجیب چیز نہیں ہے اور کہا کہ نَفْسُ لَا تَتَوَعَّلُ، یہ تو اندر سے کھوکھلا ہے خود کو بھی نہیں سنبھال سکتا ہے جب تک کہ باہر سے اسکی مدد نہ ہو اور غدار، ہوا گرمی باہر سے نہ پہنچے اسکے اندر کوئی طاقت نہیں اس اہلیس نے اپنی شیطنت اور عداوت کے مطابق رپورٹ دی۔ سارے ملاکھ نے تو تائید کی اور مدحت کی اور اس کجنت نے اگر نکتہ چینی کی مگر یہ کہا کہ میں نے سارے بدن میں گھس کر دیکھا ہے یہ اندر سے بالکل کھوکھرا ہے البتہ اس کے بیچ میں ایک چھوٹی سی پوٹلی ہے اس میں سب کچھ ہو گا اگر ہوا وہاں میں گھس نہ سکا اشارہ تھا قلب کی طرف کہ جو کچھ حقیقت ہے وہ اس قلب میں رکھی گئی ہے اس کی حقیقت اس یحیٰ کے سامنے نہ کھل سکی وہاں جا کر مجبور ہو گیا۔

قلب انسانی بادشاہ اور دیگر اعضاء اسکے خادم ہیں | چنانچہ سب بڑی چیز انسان میں قلب ہے

اور باقی جتنے اعضاء ہیں یہ سب اسکے خدام ہیں۔ قلب میں جو جذبہ پیدا ہوتا ہے یہ سب خدام اس کے مطابق عمل شروع کر دیتے ہیں۔ اگر دل میں یہ آیا کہ کسی چیز کو دیکھوں تو دل آنکھ کو زبان سے آواز نہیں دیتا ہے کہ تو دیکھ بلکہ دل میں خیال آتے ہی آنکھ اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔ دل میں خیال آیا کہ میں چلوں تو دل کو اسکی ضرورت نہیں کہ وہ پاؤں کو زبان سے حکم دے کہ چلو بلکہ دل کا منشاء ہوا اور یہ دونوں حرکت شروع کر دی۔ دل نے کسی چیز کو پکڑنا چاہا تو دل ہاتھوں کو لفظوں میں حکم نہیں دے گا کہ اے ہاتھ تم پکڑو بلکہ دل میں جذبہ آیا اور ہاتھوں نے اپنا کام شروع کر دیا تو ان کے تمام اعضاء خدام ہیں۔ اصل حاکم اعلیٰ اور اس اعلیٰ بدن کا سلطان وہ دل ہے اور دل میں ہی سب کچھ ہے۔

اطباء اور ڈاکٹروں کا باہم اختلاف رائے | اس میں اطباء اور موجودہ زمانے کے ڈاکٹروں کا اختلاف ہوا ہے کہ آیا اصل انسان میں دماغ ہے یا قلب ہے وہ کہتے ہیں کہ اصل انسان میں دماغ ہے کیونکہ اسی سے

تمام چیزیں جلتی ہیں اسی میں شعور ہے اسی میں ادراک ہے اسی میں علم ہے اسی میں احساس ہے اور قلب صرف ایک آلہ ہے جو خون کے ذریعہ سے دماغ کو بنادیتا ہے اور دماغ کے اندر کچھ چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بہر حال وہ کہتے ہیں کہ قلب آلہ کار ہے اصل نہیں ہے۔ یہ بعض اطباء کا خیال ہے اور اس زمانے کے ڈاکٹروں کا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ یہ بالکل غلط ہے اور یہ بھی نہیں کہتے کہ بالکل صحیح ہے بہت سی اس میں صحت بھی ہے اور بہت سی اس میں غلطیاں بھی ہیں۔

صانع کی طرف سے فیصلہ | چنانچہ ہم بنانے والے کی طرف رجوع کریں گے کہ اس نے کس چیز کو اصل کہا ہے حق تعالیٰ خالق ہے وہ جانتا ہے

کہ میں نے کیا چیز بنائی ہے اور کس لئے بنائی ہے۔ اور نبی کریم ان چیزوں کی اصلاح کے لئے آئے ہیں آپ کو علم دیا گیا ہے اس بات کا کہ دل کیا ہے اور دماغ کیا ہے اور ہاتھ پیر کیا ہیں اس لئے ہم نے رجوع کیا کہ بنانے والے سے پوچھو کہ اصل کیا چیز ہے قلب اصل ہے یا دماغ اصل ہے تو شریعت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلب ہی اصل ہے وہی حاکم مطلق ہے اس اقلیم بدن کا بدن کی ساری حکومت اسکی چل رہی ہے۔ حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان فی الجسد مضغاً اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ، الادھی القلب انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹوٹھڑا ہے وہ اگر صحیح ہو تو سارا انسان صحیح ہے وہ اگر غلط ہے تو سارا انسان غلط ہے اور فرمایا کہ وہ قلب ہے۔ تو انسان کی خوبی و خرابی کا دار و مدار قلب پر ہوتا ہے۔ دل ہی کے اندر نیت پیدا ہوتی ہے اور نیت سے سارے اعمال بنتے ہیں اور فرمایا گیا کہ، انما الاعمال بالنیات کہ سارے اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ نیت اچھی ہے تو عمل بھی اچھا ہے اور نیت اگر بُری ہے تو عمل بھی بُرا ہوگا اور نیت کا دار و مدار قلب کے اوپر ہے تو معلوم ہوا کہ سارے اعمال و افعال کا دار و مدار انسان کے قلب پر طعہر گیا اور فی الحقیقت زندگی بھی قلب ہی سے جلتی ہے۔

حیے اعمال کا مدار قلب پر ہے | ایسے ہی حیات کا مدار بھی قلب پر ہے کیونکہ قلب پہلے زندہ ہوتا ہے پھر کارخانہ بدن میں تحلیل غذا کا طریقہ

حیات دماغ میں پہنچتی ہے۔ پھر ہاتھ پیر میں زندگی پہنچتی ہے تو اس بنا پر مدار حیات زندگی کا دلک اپر رکھا گیا ہے اور اطباء بھی اسی کا اقرار کرتے ہیں۔ اطباء کہتے ہیں کہ آدمی جو غذا کھاتا ہے وہ اولاً معدے کے اندر پہنچتی ہے۔ معدے کے اندر غار ہوتے ہیں جو اُسے پیستے ہیں اور پلے کر حریرہ بنا دیتے ہیں۔ اس میں جو حصہ فضلات کا ہے وہ زائد ہے وہ انٹریوں میں چلا جاتا ہے اور بول و براز ہو کر نکل جاتا ہے اور جو رقیق جو ہر ہے اس کو قلب معدے کی طرف سے جگر کی طرف بھیجتا ہے۔ معدے کی طرف سے جگر کی طرف کو جانے والی نالیوں کی شکل کی چھوٹی چھوٹی رگیں ہیں ان کے ذریعہ سے وہ غذا جگر میں پہنچتی ہے جگر کو کہتے ہیں کہ وہ بٹاخ اور بدن کا باورچی خانہ ہے جگر میں گرمی اور حرارت ہے وہ اس گرمی سے اس حریرے کو پکاتا ہے اور خوب گرمی پہنچاتا ہے جب وہ ہنڈیا پکتی ہے تو اس میں ایک حصہ اُبال کا آتا ہے جھاگ کی شکل میں ایک حصہ نیچے بیٹھ جاتا ہے جسے تھمٹے کہتے ہیں ایک حصہ بیچ میں پانی رہتا ہے وہ کھوتا رہتا ہے۔ اطباء کہتے ہیں کہ جو اوپر کا حصہ ہے جھاگ کا وہ بلغم کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور نیچے کا حصہ جو تھمٹ ہے سیاہ ہوتا ہے اُسے سودا کہتے ہیں وہ تلی میں چلا جاتا ہے اور بیچ میں جو رقیق اور تیزا حصہ ہے اسے اطباء کہتے ہیں کہ وہ صفرار ہے۔ تو سودا صفرار بلغم، یتین حصے ہیں جن کو جگر تیار کرتا ہے اور پکاتا ہے ان تینوں چیزوں کے ٹھہرے سے خون بنتا ہے تو جگر کا کام ہے خون بنانا معدہ کا کام تھا غذا کو پینا۔ پھر جگر اسی خون کو بھیجتا ہے قلب کی طرف۔ جگر سے قلب کی طرف جانے والی بہت باریک رگیں ہیں جن کو طب کی اصطلاح میں شرایین کہتے ہیں دشرائین، جمع ہے شریان کی، ان ہی باریک رگوں سے خون قلب کی طرف پہنچتا ہے اور قلب کی شکل تو مڑی کی سی ہے کہ اوپر سے پتلا بیچ میں سے موٹا پھر نیچے سے تیزا اوپر کے حصے کو کہتے ہیں بطن عالی اور نیچے کے حصے کو بطن سافل۔ ان میں باریک اور رقیق خون پہنچتا ہے اور قلب میں گرمی جگر سے بھی زیادہ ہے اور دل پھر اس لطیف جوہر کو پکاتا ہے اور اس پکانے سے ایک لطیف بھاپ اٹھتی ہے کہ جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی وہ بھاپ رگ و پلے میں سرایت کرتی ہے اسے اطباء کہتے ہیں کہ یہ روح حیوانی ہے اسی روح سے آدمی میں حس ہے۔ احساس ہے عقل ہے زندگی ہے اطباء کی اصطلاح میں اس کو روح حیوانی کہتے ہیں اور شریعت کی

اصطلاح میں اس کا نام روح سمجھا جاتا ہے اور اسی کو نفس بھی کہتے ہیں نفس کے معنی پھونکنے اور پھیلنے کے ہیں چونکہ یہ پورے بدن میں پھیل جاتا ہے۔ اس بنا پر اس کو نفس بھی کہتے ہیں اس کو معلوم ہوتا ہے کہ دل پر مدار ہے انسان کی زندگی کا یہی روح حیوانی پیدا کرتا ہے جس سے انسان کے بدن میں حس حرارت اور احساس وغیرہ طاقتیں پیدا ہوتی ہیں لہذا معلوم ہوا کہ بدن میں قلب اصل ہے دماغ اصل نہیں ہے۔

حیات جسم کا مدار حیات قلب پر ہے کیونکہ وہ اصل ہے | تمام اعضاء کا تعلق قلب سے ہے دماغ

سے نہیں اور زندگی کا مدار بھی دل ہی ہے عمل کا جذبہ بھی دل ہی سے ابھرتا ہے محبت اور عدالت بھی دل ہی سے متعلق ہے جس ہزاروں معاملے والہ ہے تو شریعت کا منشاء یہ ہے کہ اصل چیز انسان میں قلب ہے دماغ نہیں بلکہ دماغ قلب کے تابع ہے البتہ ضرور ہے کہ قلب میں جو علم اور شعور ہے وہ اجمالی ہے مختصر ہے مجمل ہے دماغ میں جا کر اسکی تفصیل ہوتی ہے اور پھیل کر جزئیات نکلتی ہیں پھر آدمی اُن سے نظریات قائم کرتا ہے نظریات سے پھر پروگرام بنتے ہیں تو علم اجمالی قلب میں ہے دماغ میں اگر اسکی تفصیل ہوتی ہے اور چونکہ تفصیل تابع ہوتی ہے جمال کے اسلئے دماغ تابع ہے قلب کے۔ برعکس نہیں یہ شریعت کا منشاء ہے اسلئے شریعت اسلام کا موضوع اور مقصد یہ ہے کہ دل کی اصلاح کی جاوے اگر دل درست ہو گیا تو دماغ بھی درست ہے ہاتھ پیر بھی درست ہیں۔ اعمال بھی درست ہیں۔ اخلاق بھی درست ہیں اگر انسان کا دل بگڑ جائے تو نہ زندگی ہے اور نہ عمل ہے۔ نہ ہنر ہے نہ کمال ہے کسی شاعر نے کہا ہے

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے

کہ زندگی کافی عبارت ہے تیرے جینے سے

دل زندہ ہے تو سارا انسان زندہ ہے۔ دل مردہ ہے تو سارا انسان مردہ ہے تو دار و مدار حقیقت میں دل ہی کے اوپر ہے کیونکہ ہر چیز دل سے چلتی ہے اسلئے شریعت نے دل کو اپنا موضوع بنایا ہے اگر دل درست ہو گا تو اعمال شریعہ بھی درست ہوں گے اور سارا بدن درست ہو جائے گا اور دماغ بھی صحیح ہو جائے گا اور اگر قلب بگڑ گیا تو دماغ بھی خراب رہے گا اور تمام اعضاء بھی

خراب رہیں گے یہی وجہ ہے کہ آنکھیں دیکھتی ہیں اور کان سنتے ہیں تو اظہار کہتے ہیں کہ یہ سارا دماغ سے ہوتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہ بھی دل سے ہوتا ہے مثلاً آپ بھرے بازار میں جائیں اور اچھی اچھی بلڈنگس دیکھیں بڑے اچھے اچھے مناظر سامنے ہیں جب آپ واپس آئیں گے تو آپ کا دوست کہے گا کہ بھائی! آج تو بڑی عمدہ عمدہ بلڈنگیں دیکھی ہیں یہاں تو بڑے اعلیٰ اعلیٰ مناظر ہیں۔ بڑی بہترین سڑکیں ہیں۔ صاف ستھرا شہر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے تو کچھ نظر آیا نہیں۔ دوست کہے گا کہ خدا کے بندے آنکھیں جیری کھلی ہوئی تھیں۔ چیزیں سامنے تھیں اور تو کہتا ہے کہ نہیں دیکھی، تو جواب میں کہتا ہے کہ ادوہ میرا دھیان دوسری طرف تھا۔ مجھے خبر نہیں ہوتی کہ میرے سامنے کیا چیز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنکھ نہیں دیکھتی بلکہ دل دیکھتا ہے اگر دل ہی دھیان نہ کرے تو آنکھوں کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ گھنٹے بج رہے ہیں، آوازیں آرہی ہیں لوگ سارے سن رہے ہیں مگر آپ کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے لوگ کہتے ہیں کہ بہت گھنٹے بجے آدھیں آئیں۔ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے کچھ سنا ہی نہیں دوسرے کہتے ہیں کہ ہم نے تو سب کچھ سنا ہے وہ کہتا ہے ادوہ اصل میں میرا خیال دوسری طرف متوجہ تھا مجھے سننے کا خیال ہی نہیں آیا معلوم ہوا کہ کان نہیں سنتا بلکہ دل سنتا ہے دل اگر متوجہ ہو جائے تو ساری آوازیں کان میں آئیں گی اگر دل ہی متوجہ نہیں تو کوئی چیز بھی کان میں نہیں آئے گی۔ ذائقہ ہے وہ بھی دل ہی کا کام ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ غذائیں کھائیں اور دل متوجہ ہو دوسری طرف۔ نہ کھٹے کا پتہ چلے گا نہ میٹھے کا پتہ چلے گا۔ اگر کوئی کھٹے میٹھے کا پتہ پوچھے گا تو کہے گا کہ بھائی میرا دل تو دوسری طرف تھا مجھے کچھ خبر نہیں

ذائقہ سے متعلق ایک دلچسپ حکایت | تجھے ذائقہ پر ایک حکایت یاد آگئی کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے ایک ساتھی

تھے حاجی مقبول صاحب بہت نیک صالح تھے اور حضرت ہی کے یہاں رہتے تھے۔ حضرت ہی کے یہاں انکی پردیش ہوئی تھی۔ اتفاق سے چار پانچ روز تک مسلسل چنے کی دال ہی پکچتی رہی اور روزانہ تو آدمی سے پلاؤ کھانی بھی مشکل ہو جاتی ہے جب تک کہ غذا نہ بدلے۔ انہوں نے اپنی بہن سے کہا کہ کیا تمام دالیں مٹھا کر ایک چنے کی ہی دال رہ گئی ہے ہفتہ بھر ہو گیا ہے اس ایک دال کو ہی کھاتے ہوئے اور جی بھی بھر گیا کبھی دوسری دال بھی پکال کر دو۔ انہوں نے اگلے

دن ماش کی دال پکائی کھانے کے بعد کہنے لگے کہ آج پھر وہی چنے کی دال پکائی انہوں نے کمر باندھا تاکہ مار کہا کہ آنکھیں ہیں کہ نہیں یہ چنے کی دال ہے یا ماش کی؟ تو کہنے لگے کہ مجھے کچھ دھیان نہیں رہا میں سمجھا کہ وہی چنے کی دال کھا رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ چکھتا دل سے جوتا ہے زبان نہیں چکھتی ہے کھٹے میٹھے کا ذائقہ اس کا احساس اور اس کا اور یہ سب دل سے متعلق ہے۔ اسکے اصل چیز انسان کے بدن میں دل ہے اور باقی سب اعضاء اس کے تابع ہیں۔

دماغ بہت اعلیٰ چیز ہے مگر دماغ
قلب علم اجمالی کا محل ہے اور دماغ علم تفصیلی کا
تفصیل کرتا ہے اس علم کی جو

قلب کے اندر پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ قلب اپنے اس علم اجمالی کو دماغ کے سامنے پیش کرتا ہے وہ دماغ کی نالیوں میں چکر کھاتا ہے پھر نظریہ بن جاتا ہے اور نظریہ سے پروگرام بن جاتا ہے پروگرام سے اس کی اشاعت ہو کر پارٹی بن جاتی ہے۔ قلب اگر دماغ کے اندر علم نہ بھیجتا تو نظریہ بنتا نہ پروگرام بنتا نہ پارٹی وجود میں آتی۔ اسی لئے شریعت اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ دل اصل ہے دماغ اسکے تابع ہے ہاتھ پیر بھی اس کے تابع ہیں پیٹ اور پیٹھ بھی اس کے تابع ہیں اسی بنا پر انبیاء علیہم السلام نے اصلاح کا مرکز دل کو بنایا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو جاتے تو پورا انسان ٹھیک ہو جاتا ہے نگاہ بھی ٹھیک ہو جاتی ہے۔ کان بھی درست ناک بھی درست یہ غلط ہے تو ساری چیزیں غلط ہیں اگر دل میں خرابی ہے اور نیت بُری ہے تو نگاہ بھی لامحالہ غلط جگر پر پڑے گی اور دل میں تقدس تقویٰ اور طہارت ہے تو نگاہ بھی غلط جگہ نہیں جلتے گی۔ اگر دل میں صلاح و تقویٰ ہے تو غلط قسم کی آوازیں باجے گا جے کمی نہ سننے کا بلکہ اس طرف توجہ بھی نہ کرے گا اور اگر دل میں دیانت و تقویٰ نہیں ہے تو اس کے لئے جائز و ناجائز سب برابر ہے باجے گا جے بھی سنے گا۔ حرام آوازیں بھی سنے گا۔ حلال آوازیں بھی سنے گا اگر دل میں دین ہے تو راستہ درست رہے گا۔ اچھی چیزوں کی طرف طبیعت جلتے گی بُری چیزوں سے ہٹ جلتے گی۔

چنانچہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اِسْتَقْبَلَتْ قَلْبَكَ
قَلْبَ بَہترین مفتی ہے۔
فَاتَّ الْقَلْبُ خَيْرُ الْمُفْتَىٰ کہ جب تمہیں کوئی معاملہ درپیش

ہو تو تم اپنے دل سے فتویٰ لے لیا کرو۔ دل آدمی کا مخلص ہوتا ہے وہ بتاتا ہے کہ بات
 میسج ہے کہ غلط ہے اپنے دوست کے اوپر دعویٰ کر دیا کہ یہ جامد آدمی ہے فلاں کی نہیں
 حالانکہ دل سے جانتا ہے کہ یہ اسی کی ہے میری نہیں ہے۔ آپ نے قانونی طور پر مقدمہ بنایا
 تاکہ جامد آدمی سے نام پر آجائے اسپر وکلاء بحث کریں گے ممکن ہے آپ کا میاب بھی ہو جائیں۔
 جامد آدمی کی ہو جائے گی مگر دل آپ کا ملامت کرے گا کہ کجنت تو غیر کا حق مار رہا ہے دل
 فتویٰ دے رہا ہے کہ زمین تیری نہیں ہے۔ اگر آدمی دل کی طرف متوجہ ہو جائے تو سارے
 قصے ختم ہو جائیں لیکن بات تو رہے کہ لوگ مطلب کے پیچھے رہتے ہیں۔ ایک عالم نے فتویٰ
 دیا جو کہ مرضی کے خلاف تھا اب اس سوال کا دوسرا رخ بدل کر فتویٰ بھیج دیا اب اس فتوے
 کا دوسرا جواب اگیا وہ بھی مرضی کے مطابق نہ تھا۔ اب پھر تیسرے مفتی کے پاس بھیج دیا تو جو
 فتویٰ مرضی کے مطابق ہوا اسپر عمل کر لیا اور جو مرضی کے مطابق نہ ہوا اسپر عمل نہ کیا یہ کوئی شریعت
 کا حکم ہے؟ یہ کیا شریعت کا پیرو ہے؟ یہ تو اپنے نفس کا تابع ہے۔ نفس میں جو چیز آگئی چاہتا
 اسکے مطابق فتویٰ مل جاتے اس لئے شریعت نے کہا کہ مفتیوں سے فتویٰ بعد میں لینا پہلے اپنے
 دل سے فتویٰ لے لو۔ دل انسان کا مخلص ہے وہ سچا مشورہ دے گا اور فتویٰ میسج دے گا۔

اولاً قلب کی اصلاح ہوتی ہے اس کے بعد تمام اعضاء اس کے معلوم ہوتا ہے کہ
 اسی اصلاح کے دائرے میں آجاتے ہیں ۱۱۱ شریعت اسلام نے

دل کو پکڑا ہے اور اسی کا اعتبار کیا ہے کہ انسان کے ضمیر میں جو کچھ ہوتا وہ حق ہوتا ہے اور بکھنے سے
 اور نفسانی خواہشات سے جو بھی راستے قائم کرے دل اس کو جانتا ہے کہ وہ غلط ہے ہاتھ چوری
 کرتا ہے مگر دل ملامت کرتا ہے کہ تجھے حق نہیں دوسرے کا مال چرانے کا اگر دل کی بات مانے
 تو کبھی چوری نہ کرے بہر حال دل انسان کا اصل ہے اس لئے شریعت نے دل کو تکانا ہے کہ اس کی اصلاح
 کر دو بنیاد درست ہو جائے تو سارا ہی انسان درست ہو جاتا ہے اور بغیر اس کے انسان درست
 نہیں ہو سکتا ہے۔

شریعت نے دل کی اصلاح کے لئے ایمان رکھا ہے
 قلب کا بہترین مصلح ایمان ہے اس لحاظ سے ایمان کا محل بھی قلب انسان ہے

اللہ و رسول کی محبت بھی دل کے اندر آتی ہے۔ یہ ہی محبت آدمی سے عمل کراتی ہے۔ دل کے اندر جذبے پیدا ہوتے ہیں اسی جذبے کے مطابق انسان چلتا ہے تو اولاً ایمان قلب انسانی پر وارد ہوتا ہے وہاں سے وہ ترقی کر کے دوسرے مقامات پر پہنچتا ہے اسکی تاثیر سارے

بدن پر پہنچتی ہے تو پھر ہاتھ بھی مومن بن جاتا ہے اور کان بھی مومن بن جاتا ہے اور سب اعضاء میں ایمان نداری پیدا ہو جاتی ہے اگر دل میں بے ایمانی گھسی ہوئی ہو تو ہاتھ پر بھی بے ایمان ہوں گے اور ایمانی کی حرکتیں کریں گے اور دماغ بھی بے ایمان ہو جائے گا۔ سوچے گا تو بے ایمانی کی باتیں سوچے گا اسلئے کہ دل کی نیت خراب ہے پناہ بخود کو اصل قرار دے کر انبیاء

اسکی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ اسکی اندر نور و چمک پیدا کریں تاکہ اس کے اندر عالم غیب کی چیزیں روشن ہو جائیں اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ قلب پر ایمان وارد ہو اور قلب متحرک

پاک طرف ہے اس لئے اس میں پاک چیز یعنی ایمان داخل ہوتا ہے اور پھر عمل بھی ویسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اگر دل میں خوشی ہے تو چہرے پر بھی خوشی کے آثار ظاہر ہوں گے چونکہ خوشی درحقیقت قلب کی صفت ہے تو چہرے سے نظر آتی ہے۔ دل میں اگر غم بھرا ہوا ہے تو چہرے سے معلوم ہو جاتا ہے دیکھنے والے کہتے ہیں کہ آج تم بڑے غمگین نظر آتے ہو حالانکہ غم چھپی ہوئی چیز ہے وہ آنکھوں سے دیکھنے کی چیز نہیں ہے چونکہ دل کا اثر چہرے پر پڑتا ہے تو ہر جاننے والا جان لیتا ہے کہ غم زدہ ہے اور واقعی وہ غم زدہ ہوتا ہے۔ تو غمی خوشی و عداوت۔ اور کرنا نہ کرنا یہ چیزیں انسان کے قلب سے متعلق ہیں اگر دل درست ہے تو سب چیزیں درست ہیں اگر دل خراب ہے تو اسکی

وجہ سے سب چیزیں خراب ہیں اور اسی وجہ سے ہاتھ پر۔ پیر پر اثر پڑتا ہے اور وہ اثر جو قلب پر وارد ہوتا ہے وہ متحرک ہو کر اعضاء و جوارح پر طاری ہوتا ہے اچھا ہو یا بُرا۔

ملک الموت کے نزع روح کی کیفیت | حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی آدمی کے انتقال کا وقت قریب آتا ہے اور ملائکہ نزع روح کرتے ہیں تو ہاتھوں کو اور پیروں کو سونگھتے ہیں اور دماغ کو اور دیگر بدن کو بھی سونگھتے ہیں اور ایمان کی خوشبو سونگھنا چاہتے ہیں۔ دل میں اگر ایمان ہے تو ہاتھ پر نہیں بھی اس کے اثرات رچے ہوئے ہوتے ہیں ہاتھوں کو بھی سونگھتے ہیں کہ ان میں بھی ایمان کی خوشبو ہے یا نہیں اصل خوشبو کا مرکز تو دل ہے

مکواعضاء پر اس کے اثرات پہنچ جاتے ہیں جیسے خوشبو کا مخزن تو باغ ہے اور پھول ہے مگر گہڑوں سے بھی خوشبو آنے لگتی ہے اور باغ والی خوشبو کے اثرات سے جہاں جہاں ہوا پہنچے گی وہ شے معطر ہوتی چلی جلتے گی بہر حال میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر دل اصل ہے اس کو درست کیا جائے اور اس کی درستگی کی پہلی بنیاد ایمان ہے۔ ایمان رہتا ہے قلب کے اندر اور اس کے اثرات ہاتھ پیر پیر کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

ایمان کا محل قلب اور اسلام کا محل اعضاء ہیں

ایمان چھپا ہوا تھا ہے جو دل میں رہتا ہے اور اسلام کھلی ہوئی شے ہے جو ہاتھ اور پیر پر آتا ہے۔ آپ نے نماز پڑھی ہاتھ پاؤں سے پڑھی، دیکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ نے نماز پڑھی مگر اس فعل کا سرخبر قلب کے اندر ہے اگر اس میں جذبہ عقیدت کا محبت کا اور اللہ کی جاہت کا پیرانا نہ ہوتا تو کبھی غائب نہ پڑتے معلوم ہوا کہ اصل میں نماز پڑھنے والوں ہے لیکن عمل کی صورت ہاتھ پیر پیر ظاہر ہوتی ہے۔ ایمان کا محل دل ہے اس کے اثرات جب ہاتھ پاؤں پر آتے ہیں تو وہ اسلام بن جاتے ہیں جو کہ ایمان پوشیدہ شے ہے اور اسلام ظاہر شے ہے اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے اَلْاِيْمَانُ سِرٌّ وَالْاِسْلَامُ عَلَانٌ فَيَسْتُرُ الْاِيْمَانُ الْاِسْلَامَ ہوتی چیز ہے جس کو دل لے جاتے ہیں اور اسلام کھلی ہوئی شے ہے جو ہاتھ پاؤں پر ظاہر ہوتی ہے تو وہی اندرونی شے جب تک چھپی رہتی ہے اسے ہی ایمان کہتے ہیں اور وہی شے جب ہاتھ پاؤں پر آتی ہے اُسے اسلام کہتے ہیں

ایمان کے معنی اور اس کی حقیقت

جائے؛ تو سنیے ایمان کی حقیقت ہے محبت اگر اللہ کی محبت کامل ہے تو کہیں گے کہ اس کا ایمان کامل ہے اور نبی کریم کی محبت دل میں رچ گئی ہے تو کہیں گے کہ ایمان آگیا اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا آمَنُوا بِاللهِ جُؤْلُکَ اِيْمَانٍ لَاتے ہیں ان میں اللہ کی محبت اور عشق سرایت کئے ہوئے ہے۔ اگر عشق و محبت نہ ہوتا تو ایمان کبھی نہ آتا۔ اگر نبی کریم پر ایمان لاتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل کے رگ و پے میں حضور کی محبت بس گئی ہے اور اللہ کی محبت

جم گئی ہے۔ تو محبت درحقیقت ایمان کا دوسرا نام ہے ایمان نہیں محبت نہیں محبت نہیں
تو ایمان نہیں۔ اصل چیز اللہ و رسول کی محبت ہے یہ ہی چیز ایمان بناتی ہے۔ یہ ہی اعتقاد قائم
کرتی ہے اسی کو فرمایا نبی کریم نے کہ لَا يَكُونُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ
وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالْأَسَىٰ أَجْعَلِينَ کوئی بھی تم میں مومن نہیں بنے گا جب تک کہ قلب
میں میری اتنی محبت نہ ہو کہ اس کو اتنی نہ اپنے ماں باپ کی اور نہ اولاد سے محبت ہو اور نہ کسی
اور سے اتنی محبت ہو۔ بغیر محبت نبی کے ایمان کامل نہیں ہوتا ہے۔

ایمان و محبت کے آثار و علامات | علامت اسکی یہ ہے کہ ایک طرف تو ہے اولاد
کی محبت ایک طرف اللہ و رسول کی محبت ہے جب ملکر جائیں تو اللہ و رسول کی محبت کو اختیار کرے اولاد کی محبت کو چھوڑ دے یہ علامت ہوگی
کہ واقعی محبت رسول موجود ہے اگر آدمی نے اولاد کی محبت کو اختیار کیا اور رسول کی محبت کو چھوڑ
دیا تو کہا جائے گا کہ رسول سے محبت نہیں بلکہ اولاد سے محبت ہے تو ٹکراؤ کے وقت پتہ چلتا ہے
کہ کون سی محبت غالب ہے مثلاً آپ لحاف میں آرام سے پڑے ہوئے ہیں بڑی خوش گوار نیند آرہی ہے
اچانک مؤذن نے آواز دی حَتَّىٰ عَلَى الصَّلَاةِ حَتَّىٰ عَلَى الْفَلَاحِ و دوڑو نماز کی طرف دوڑو کامیابی
کی طرف، آپ نے اس پر لبیک نہیں کہا تو کہیں گے کہ نفس کی محبت غالب ہے اور اگر آرام
چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور وضو کیا اور مسجد میں گئے نماز پڑھی تو کہیں گے کہ محبت خدا اور رسول غالب
ہے تو ٹکراؤ کے وقت آدمی جدھر مائل ہوتا ہے اسی طرف کی محبت کا حکم لگا دیا جاتا ہے تو حضور
فرماتے ہیں کہ تم مومن نہیں بن سکتے جب تک میری محبت اولاد ماں باپ وغیرہ سب کی محبت
سے غالب نہ ہو جائے کہ جب ماں باپ کی محبت میری محبت سے ٹکراتے تو مجھے اختیار کرو،
ماں باپ کو چھوڑ دو اور جب میری محبت اولاد کی محبت سے ٹکرا جائے تو مجھے اختیار کرو اولاد کی
محبت کو چھوڑ دو یہ ہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام میں محبت نبوی اتنی غالب تھی کہ آپ نے
جب ہجرت فرمائی تو صحابہ نے بھی اس محبت کی وجہ سے وطن چھوڑا، گھر بار چھوڑا، عزیز و اقارب
چھوڑے۔ چاند ایں چھوڑیں اور اللہ کے رسول کے ساتھ ہو لئے مکہ میں ساری تجارتیں ترک
کیں اور مدینہ میں غربت کی زندگی اختیار کی ان کو کس چیز نے مجبور کیا؟ یہ اللہ و رسول کی محبت

بی تو تھی اس محبت کی وجہ سے عیش و آرام کا سب ساز و سامان ترک کیا مفسس و قلاش ہو کر رہنا گوارہ کیا مگر خدا و رسول کو چھوڑنا گوارہ نہیں کیا۔

حُب رسولؐ کے متعلق ایک واقعہ | حدیث میں ایک واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے کہ غزوہ بدر میں تین سو تیرہ صحابی شریک تھے ان میں

صدیق اکبرؓ بھی موجود تھے حضرت صدیقؓ کے چھوٹے بیٹے جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے بعد میں ایمان لائے وہ اس غزوہ میں کفار کی طرف سے لڑنے کے لئے آئے تھے ایمان لانے کے بعد ایک روز صدیق اکبرؓ سے عرض کیا کہ ابا جان غزوہ بدر کے موقع پر کسی موقعے ایسے آئے کہ آپ بالکل میری زد پر تھے اگر میں وار کرتا تو آپ بچ نہیں سکتے تھے مگر میں نے سوچا میرے باپ ہیں کس طرح ان پر حملہ کروں تو میں ایک طرف کو ہو گیا یہ بات بیٹے نے باپ سے کہی حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اچھا یہ موقع ہے یہ کہیں اور تو اُٹھنے سے آگے تھے بیٹے نے کہا کہ ہاں فرمایا کہ مجھے خبر نہ ہوئی اگر تو میری زد پر آتا تو سب سے پہلے تجھے قتل کرتا اس واسطے کہ تو دشمن تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور رسول کی محبت کے مقابلے میں اولاد کی محبت کوئی چیز نہیں ہے اس لئے اگر تو میری زد پر آتا تو میں پہلے تجھے قتل کرتا۔ وہ کفر کی بات تھی یہ ایمان کی بات ہے

محبت کے بدلے آدمی اپنے کو بیچ دیتا ہے | معلوم ہوا کہ ایمان جب کسی کے دل میں گھر جاتا ہے اور محبت غالب آجاتی

ہے تو اپنے کو اس محبت کے بدلے فروخت کر دیتا ہے۔ پھر اس محبوب کی ہر ادا سے نسبت ہو جاتی ہے اس کے مقابلے میں نہ اولاد سے محبت رہتی ہے اور نہ ماں باپ کی محبت کوئی حیثیت رکھتی ہے سب کی محبتیں ختم ہو جاتی ہیں اور ایک ہی محبت غالب آتی ہے صحابہ کرامؓ نے ہجرتیں کیں، جان و دین چھوڑ دیں، تجارتیں ترک کیں۔ یہ سب رسولؐ کی محبت کا نتیجہ تھا ان چیزوں کی کوئی پرواہ نہ کی اس لئے کہ رسولؐ کی محبت غالب تھی تو پہلا حق نبی کریم کا یہ ہے کہ محبت ہو محبت نہیں تو ایمان نہیں، ایمان نہیں تو پھر اسلام بھی نہیں تو بنیادی چیز محبت ہے اسی واسطے محبت پر زور دیا گیا ہے۔ یہ ہی صحابہ کا طریق تھا اور یہی بعد میں اہل اللہ کا طریق رہا ہے یہ قاعدے کی بات ہے کہ جس شخص کی محبت غالب ہوتی ہے اس کی ساری ادائیں محبوب بن جاتی ہیں اس کا چلنا پھرنا بھی

محبوب بن جاتا ہے اور اس کی لباس بھی محبوب بن جاتا ہے اس کا ذکر اور چہرہ بھی محبوب بن جاتا ہے فقط محبوب ہی محبت نہیں ہوتی بلکہ اس کے نام سے جو چیز منسوب ہو جاتی ہے اس سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔

کسی مجنوں کو دیکھا کر لیلیٰ کے مکان کی اینٹ اینٹ کو چومتا پھر
عشق کامل پر مجنوں کا واقعہ رہا ہے کسی نے کہا احمق تو یہ کیا کر رہا ہے اینٹوں میں کیا رکھا ہوا
 ہے اور اینٹوں کو چومنے سے کیا فائدہ ہے اس کے دو شعر میں جواب دیا ہے

أَمْسُرْ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلَى

أُقْبِلْ ذَا لَيْلَى إِذَا الْجِدَارِ

کہ میں لیلیٰ کے مکان پر جب گذرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس اینٹ کو چومتا ہوں
 کبھی اس دروازے کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کیوں چومتا ہوں۔

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَقَقْتُ قَلْبِي

وَلَكِنْ حُبُّ مَنْ نَزَلَ الدِّيَارَ

مجھے ان اینٹوں سے محبت نہیں ہے وہ جو ان اینٹوں میں بیٹھی ہوئی ہے اس سے محبت ہے
 اکی وجہ سے ان اینٹوں سے محبت ہو گئی ہے۔ اس کے کتے سے بھی محبت ہو گئی ہے۔ اس کی ہلاکت
 لینے کو بھی تیار ہوں تو جب محبت ہوئی ہے تو ایک محبوب ہی سے محبت نہیں ہوتی بلکہ جو
 چیز اس نام سے لگ جاتی ہے وہ بھی محبوب بن جاتی ہے۔

چونکہ آپ کو محبت ہے نبی کریم
 مومن کو حضور سے متعلق ہر شے محبوب ہوتی ہے | تو گنبد خضرا بھی محبوب ہو گا اس کی

زیارت کو آپ عبادت سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر ایک آنکھ گنبد پر پڑ جائے تو دنیا و آخرت کی سزا
 مل جائے وہ کیوں؟ اس لئے کہ گنبد خضرا خود محبوب نہیں بلکہ اس میں جو آرام فرما رہے ہیں اصل میں وہ
 محبوب ہیں چونکہ اس گنبد پر ناگ لگا گیا ہے ان کا اس لئے وہ بھی محبوب ہو گیا گنبد تو پھر قریب
 ہے مدینہ سے محبت ہے، شعرا کو دیکھو تو مدینہ کی تعریف کرتے ہیں۔ اور نقیبہ کلام میں مدینہ کے
 فضائل بیان کرتے ہیں۔ مدینہ تو صرف ایک شہر ہے جیسے ہمارے یہاں شہر ہے۔ یہ شہر زیادہ

خوب صورت ہے وہ شہر اتنا بھی خوبصورت نہیں مگر پھر بھی محبت ہے اصل میں محبت ہے
 اللہ و رسول سے اسوجہ سے گنبد خضرا بھی محبوب ہو اس محبت کی وجہ سے مسجد نبوی بھی محبوب
 ہوئی اسی محبت کی وجہ سے مدینہ بھی محبوب ہو آؤ سلسلہ بسلسلہ ہر چیز تک محبت پہنچ جاتی ہے۔
 آپ بیت اللہ شریف کی اینٹ اینٹ کو جوتے ہیں۔ کیوں؟ اسلئے کہ بیت اللہ کے مقام
 پر کھلی ربانی اتری ہوئی ہے اصل محبت اللہ سے ہے چونکہ بیت اللہ اللہ کی تجلی گاہ ہے
 اس لئے اس سے بھی محبت ہو گئی ہے اور وہ اینٹیں اسکی بنسلاک ہیں اس لئے اسکی اینٹ
 اینٹ سے محبت ہو گئی ہے اور جب خانہ کعبہ محبوب ہو آؤ پوری مسجد حرام بھی محبوب ہو گئی اور
 اسکی محبت ظاہر ہوئی اسطرح پر کہ آپ اسکی عظمت کرتے ہیں اسکی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے
 ہیں جب مسجد حرام محبوب ہوئی تو مکہ محبوب بن گیا کہ وہ شہر بنا ہوا ہے اس مسجد حرام کی لہذا وہ شہر
 بھی محبوب بن گیا اور چونکہ حجاز میں واقع ہے تو ہم حجاز مقدس کہتے ہیں کیونکہ سارے حجاز سے
 محبت ہو گئی ہے اور جب حجاز سے محبت ہو گئی ہے تو حجاز کے جتنے باشندے ہیں
 ان سب سے محبت ہو گئی یہ پڑوسی ہے اس کا لہذا یہ بھی محبوب ہے توجہ آدمی کے دل میں محبت
 آتی ہے تو فقط ایک محبوب ہی محبوب نہیں رہتا ہے بلکہ محبوب کی ساری ادائیں محبوب
 بن جاتی ہیں، چال ڈھال بھی محبوب، لباس بھی محبوب، کھانے کا طرز بھی محبوب رہن
 سہن کا طرز بھی محبوب۔ وہ تمام چیزیں محبوب بن جاتی ہیں جو محبوب کی پسندیدہ اور
 محبوب ہیں۔

اتباع سنت محبت کا اثر ہے | بہر حال یہیں سے اتباع سنت کا مسئلہ پیدا ہو
 جاتا ہے کیونکہ یہ محبت کا اثر ہے۔ اگر محبت ہے
 تو اتباع سنت اختیار کرے گا۔ ورنہ نہیں۔ محبت ہی آمادہ کرتی ہے نبی کریم کی سنتوں کی
 پیروی کرنے پر کس طرح آپ بیٹھ کر کھاتے تھے اسی طرح بیٹھ کر کھانا کھاتے جس طرح
 آپ آرام فرماتے تھے اسی ڈھنگ سے آرام ہو جس ڈھنگ سے آپ دوستوں سے
 معاملہ فرماتے تھے اسی ڈھنگ سے معاملہ کرو جس ڈھنگ سے دشمنوں سے برتاؤ کرتے
 تھے وہی ڈھنگ تم بھی اختیار کرو ان چیزوں سے اتباع سنت کا جذبہ غالب ہو جاوے

گا۔ اگر محبت نبوی کا جذبہ غالب ہو تو بدعات سے نفرت ہو جائے گی۔ سنت کی پیروی سے محبت ہوگی۔ کیونکہ محبوب کی ذات محبوب ہے اور جب ذات محبوب ہے تو ذات کی ادائیں بھی محبوب ہوں گی۔ آپ کا طرز اسلام کلام بھی محبوب ہوگا۔ ہر چیز محبت کے نیچے آتی چلی جائے گی اس کا نام اتباع سنت ہے کہ ہر شعبہ میں پیروی ہو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے افعال کی اس میں خیر و برکت ہے حتیٰ کہ محاطات و معاشرت میں بھی جب پیروی کریں گے تو صدیق بن جائیں گے۔

سونے میں طریق سنت | میں کہتا ہوں۔ مثال کے طور پر ہم سو تے ہیں اس میں بھی ہم آزاد نہیں ہیں پابند ہیں سنت کے کہ اس طرح سے سوئیں جس طرح حضور سوتے تھے۔ سونا تو ہے ہی لیکن حضور کے طریقے پر سوئیں گے تو عبادت بن جاتے گا اور آدمی چار طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر سونے کا چت لیٹ کر سوتے گا یا اونڈھا لیٹ کر یا دائیں کر دھ پر یا بائیں کر دھ پر سوتے گا بس یہی چار طریقے سونے کے ہیں۔ کوئی الٹا لٹک کر تو سونے سے رہا ان چار طریقوں میں ہم آزاد نہیں بنائے گئے بلکہ پابند ہیں سنت کے اونڈھا لیٹنے کو شریعت میں مکروہ سمجھا گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ مسجد میں اونڈھے لیٹے ہوئے سو رہے تھے آپ نے پیروں سے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ابو ہریرہؓ اونڈھے لیٹ کر مت سوؤ اس لئے کہ یہ دوزخیوں کی ہیئت ہے کہ ان کو اونڈھے گھسیٹ کر جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ اس لئے عیسٰی کا کام نہیں کہ وہ جہنمیوں کی ہیئت اختیار کرے اور جہنمیوں سے مشابہت اختیار کرے اور پھر اونڈھا لیٹنا صحت کے لئے مضر ہوتا ہے اس سے انٹریاں الٹ پلٹ ہو جاتی ہیں ممکن ہے کہ کسی انٹری میں گرہ لگ جاتے اور پیش میں درد شروع ہو جائے یا کوئی اور تکلیف ہو جائے اس لئے شریعت نے مکروہ سمجھا ہے اگر سوتے سوتے اونڈھا ہو جائے وہ دوسری بات ہے وہ اس کے اختیار ہے باہر ہے اپنے ارادے سے آدمی اونڈھا نہ لیٹے۔ اب رہ گیا چت لیٹنا تو چت لیٹ کر سونا جائز تو ہے۔ شرعاً ممنوع نہیں ہے۔ حرام نہیں بلکہ شریعت کے نزدیک پسندیدہ نہیں اس واسطے کہ چت لیٹنا بے قابو ہو جانے کی علامت ہے۔ جب آدمی بے حس ہو جاتا ہے تو چت لیٹ جاتا ہے اسی واسطے اگر کوئی پہلوان کسی کو پچھاڑ دے تو کہتے ہیں کہ چاموں خانے چت گرا کوئی نہیں

کہتا ہے کہ چاروں خانے پٹ کر کیونکہ جو پٹ ہوتا ہے وہ اونڈھا ہوتا ہے اسے کچھ قابو ہوتا ہے کہ وہ ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہو جائے مگر چیت لیٹنے والا بالکل بے قابو ہوتا ہے اور مسلمانوں کے لئے ضعیفوں کیسی ہیئت پسند نہیں کی گئی مومن کا کام ہے مضبوط ہونا مومن کا کام بیماروں کی طرح سے پڑنا نہیں ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے المومن القوی خیر من المومن الضعیف قوی مسلمان ضعیف مسلمان سے بہتر ہے قوت ہوگی تو جہاد کرے گا قوت ہوگی تو مجاہدہ کرے گا اور ضعیف پیارہ چار پائی پر بس پڑا ہوا ہے نہ جہاد کے کام کا نہ جنگ و جدل کے کام کا نہ مجاہدے کے کام کسی کام کا نہیں یہ شریعت نے پسند نہیں کیا ہے بلکہ پسند کیا ہے کہ ہر معاملہ میں بہادرانہ افعال صادر ہونے چاہئیں حدیث میں فرمایا گیا ہے آدمی مریضوں اور ضعیفوں کی چال نہ چلے بلکہ اس طرح چلے کہ دیکھنے والا دیکھے کہ اس کے بدن میں کچھ جان ہے کچھ قوت ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آپ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو رکاب میں ہر رکھ کر سوار نہیں ہوتے تھے کہ یہ بھی ایک قسم کی محتاجی ہے کہ آدمی بغیر رکاب کے سوار نہ ہو سکے بلکہ کود کر اور اچھل کر سوار ہوتے تھے تاکہ شجاعت اور بہادری ظاہر ہو۔ بہر حال اسلام نے مومن کے لئے کوئی ایسی حرکت پسند نہیں کی جس سے ضعف ٹپکتا ہو مجبوری ظاہر ہوتی ہو اور چونکہ چیت لیٹنا بے قابو ہونے کی علامت ہے۔ ضعیفوں اور بیماروں کی علامت ہے اس لئے جائز تو ہے شریعت نے اسکی مخالفت نہیں کی مگر اس کو شریعت نے پسند نہیں کیا۔ اب رہ گیا باتیں کر دھڑ سونا تو مخالفت تو اسکی بھی نہیں ہے جائز ہے مگر پسندیدہ یہ بھی نہیں اسکی وجہ یہ بیان فرمائی گئی کہ باتیں جانب قلب ہے جب باتیں کر دھڑ پر سوتے گا تو آدمی کے قلب کو راحت زیادہ ملے گی اور جب راحت زیادہ ملے گی تو نیند گہری آئے گی اور جب نیند گہری آئے گی تو اندیشہ ہے کہ تہجد قضا ہو جائے اور صبح کی نماز بھی قضا ہو جائے۔ دوسرے معمولات قضا ہو جائیں۔ اس لئے شریعت نے پسند نہیں کیا کہ آدمی اتنی زیادہ راحت کرے کہ گھوڑے بیچ کر سو جائے۔ اور مردوں سے شرط باندھ کر سو جائے آدمی کو چوکتا ہو کر سونا چاہیے تاکہ جس وقت چاہے آنکھ کھلے آدمی کا قلب مضبوط ہو۔ راحت میں غرق ہو کر بے قابو نہ بنے اسی واسطے عزم پیدا کیا کہ اگر آدمی سوتے وقت یہ ارادہ کر کے سوتے کہ ہماری آنکھ صبح کو چھ بجے کھلنی چاہیے تاکہ جماعت قضا نہ ہو تو ٹھیک چھ بجے آنکھ کھلے گی۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ نہ کھلے۔ اٹھنا نہ اٹھنا تو آدمی کے نفس کی بات ہے سستی سے نہ اٹھے مگر آنکھ ضرور کھل جائے گی تو مضبوط عزم و ارادہ ضرور کام کرتا ہے اس کے لئے شریعت نے طریقہ بھی رکھا ہے

کہ سورہ کہف کی جو آخری آیتیں ہیں وہ پڑھ کر سویا کریں اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالٰتِ
 کَانَتْ لَھُمْ حَیٰۃٌ اَبَدٌ تِلْکَ الْاٰیۃُ ان آیتوں کا اثر یہ ہے کہ اگر ان آیتوں کو پڑھ کر سوتے اور ارادہ
 کرے کہ فلاں وقت اٹھنا ہے تو ضرور اٹھ کھلے گی مگر پہلی چیز عزم اور عزیمت ہے کہ ارادہ
 کر کے سوتے کہ مجھے اٹھنا ہے اور اگر ارادہ کر کے سوتے کہ مجھے تو سونا ہے چاہے اٹھ نہ اٹھے تو اٹھ نہ سکے پہلے
 بالکل آنکھ نہ کھلے گی۔ انسان کے ارادے کو اللہ تعالیٰ نے بڑی قوت دی ہے۔ انسان کی عزیمت کو بڑی طاقت
 بخشی ہے ارادہ سے ہر ان آیتوں کو بھی پڑھ لے تو اور زیادہ مدد ہوگی۔ بہر حال شریعت کا منشا
 یہ ہے کہ گہری نیند مت سوؤ کہ سارے اذکار۔ سارے اعمال۔ ساری نمازیں نیند کی نذر ہو
 جائیں اسلئے شریعت نے پسند نہیں کیا کہ انسان بائیں کروٹ پر سوتے اور گہری نیند سوتے۔
 اب دائیں کروٹ رہ جاتی ہے آپ نے فرمایا کہ یہ میرا طریقہ ہے اور یہی سارے انبیاء کا
 طریقہ رہا ہے۔ آپ دایاں ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر سوتے تھے۔ جب آدمی دائیں کروٹ سوتے
 گا تو قلب معلق رہے گا اور جب دل لٹک گیا تو زیادہ راحت نہیں ملے گی قلب چونکا رہے
 گا ایسی نیند نہیں آئے گی کہ جس میں آدمی غرق ہو جائے اسلئے دائیں کروٹ پر لیٹنے کو آپ نے
 سنت قرار دیا ہے۔ اور دوسری ہمتوں کو ممنوع تو قرار نہیں دیا مگر پسندیدہ نہیں فرمایا کیونکہ
 دوسری ہمتوں میں مومن کا مقصد اصلی قوت ہو جاتا ہے میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ نماز
 روزہ تو بجاتے خود عبادت ہے مگر عام زندگی میں بھی آپ آزاد نہیں پیدا کئے گئے بلکہ قانون
 خداوندی کے پابند بنائے گئے ہیں کہ سوؤ تو اسی ہیئت سے سوؤ جس ہیئت کے ساتھ
 اللہ تعالیٰ کے رسول سوتے تھے کھاتے بیٹھو تو اسی ہیئت سے کھاؤ۔ جس ہیئت سے اللہ
 تعالیٰ کے رسول بیٹھ کر کھاتے تھے جب آپ کوئی کام کریں تو اسی ہیئت سے کریں جس ہیئت
 سے اللہ تعالیٰ کے رسول اس کام کو کرتے تھے۔

حضور ہر امر خیر کی ابتداء دائیں سے فرماتے تھے | چنانچہ آپ کی عادت کہ میرہ تھی
 جیسے کہ روایت میں ہے کَانَ
 مَا سَوَّلَ اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِبْتُ النَّبِیِّیْنَ اُپ اچھے کاموں میں ہمیشہ دائیں
 جانب کو پسند فرماتے تھے اگر لنگھا کرتے تو پہلے دائیں جانب پھر بائیں جانب، اگر جو تا پہنٹے

تو پہلے دائیں پیر میں پھر بائیں پیر میں جوتا ڈالتے۔ اگر کرتہ پہنتے تو پہلے آستین میں دایاں ہاتھ ڈالتے پھر بایاں۔ دانتوں میں اگر مسواک کرتے تو پہلے دائیں جانب لیجا تے پھر بائیں جانب ہر اچھی چیز میں آپ دائیں جانب کو پہلے اختیار فرماتے تھے یہی کام مومن کا ہونا چاہیے کہ ہر اچھے کام میں دائیں جانب کو پہلے اختیار کرے اگر آپ کی مجلس مبارک میں کوئی چیز آتی اور آپ اس کو تقسیم فرماتے تو دائیں جانب سے شروع فرماتے۔ دائیں جانب تقسیم فرما کر پھر بائیں جانب متوجہ ہوتے۔ اور ہر بڑی اور خسیں ترین شے کی ابتداء بائیں جانب سے فرماتے تھے۔ جیسے مالک صاف کرے تو بایاں ہاتھ استعمال کرے۔ استنجا کرے تو بایاں ہاتھ استعمال کرے یہ ہے سنت اگر آپ اس سنت پر عمل کریں تو آپ کی ساری دنیا دین بن جائے گی یہ کھانا پینا، رہنا سہنا اتباع سنت کی وجہ سے دین بنتا چلا جائے گا۔ اور اتباع سنت کب ہوتا ہے؟ یہ ہوتا ہے محبت کے غلبے کی وجہ سے اگر محبت غالب نہ ہو تو آدمی کبھی بھی اتباع سنت نہ کرے بس یہ سوچیں گے کہ مطلب نکل جانا چاہیے کہاں کی محبت اور کہاں کا اتباع محبت غالب رہے گی تو قدم قدم پر خیال رہے گا۔

غلبہ محبت اور اتباع سنت پر ایک بزرگ کا نصیحت آموز واقعہ | حضرت تھانوی کے ایک غلیف

تھے وہ سہارنپور سے سوار ہوتے جانا تھا ان کو کانپور پہلے سہارنپور کے گئے بہت مشہور تھے اب وہ گنا نہیں ہوتا۔ وہ گئے بہت ملائم۔ بہت میٹھے اور بڑے ہی عمدہ ہوتے تھے تحفے کے طور پر لوگ بہت دور دور تک لے جاتے تھے تو انہوں نے بھی گئے خریدے کہ کانپور پچھرا اجاب میں تحفے کے طور پر تقسیم کر دوں گا۔ مگر گتوں کا وزن چالیس سیر سے بھی زیادہ تھا اور ایک ٹکٹ سے اتنا وزن نہیں لیجا سکتے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ زائد محصول دے دوں گا۔ بابو سے انہوں نے ذکر کیا تو بابو نے ایک نیک صورت دیکھ کر بھولا بھالا ہے بڑا مقدس آدمی ہے کہا کہ آپ لیجا میں کوئی محصول وغیرہ نہیں ہے گویا انس اپنے نزدیک بڑی عقیدت سے کام لیا کہ ایک نیک صالح آدمی ہے کیا اس سے پیسے لئے جا دیں اس نے کہا کہ معاف ہے آپ لیجا میں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں صاحب! آپ محصول لے لیں اگر ریل میں چکر آگیا تو محصول بھی لے گا اور جرمہ مالک

وصول کرے گا۔ وہاں ڈبل دنیا پڑے گا اس نے کہا کہ ہم چیکر سے کہیں گے وہ بھی آپ کو کچھ نہیں کہے گا انہوں نے کہا کہ صاحب! جب میں غازی آباد اسٹیشن پر دوسری گاڑی بدلوں گا تو دوسرا چیکر آئے گا وہ جرمانہ وصول کرے گا۔ مال زیادہ ہے ٹکٹ میں اتنی گنجائش نہیں سفر جتنا زیادہ لمبا ہوگا اتنا ہی زیادہ جرمانہ بھی ہوگا تو وہاں مجھے چوگانا دینا پڑے گا آپ مجھ سے یہیں لے لیں اس نے کہا کہ ہم اس چیکر سے کہیں گے وہ اس چیکر سے کہیں گے گا وہ آپ کو کچھ نہ کہے گا انہوں نے کہا کہ اچھا جب میں کانپور اتروں گا اور گیٹ سے پاس ہوں گا تو وہ گیٹ بالو کہے گا۔ کہ بلیٹ۔۔۔ وہ میرے پاس ہوگی نہیں وہ مجھ سے چوگنے وصول کرے گا اتنے میری جیب میں ہوں گے بھی نہیں اس بابو نے کہا کہ اس چیکر سے کہلوادیں گے وہ اس گیٹ بابو سے کہیں گے وہ آپ کو کچھ نہیں کہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ پھر کیا ہوگا۔ بابو نے کہا پھر جہانگر آجائے گا، انہوں نے کہا کہ گھر تو آجائے گا مگر خداوندِ عالم نے اگر یوں پوچھ لیا کہ زبیر کی چوری کیوں کی تھی تو میں کیا جواب دوں گا تو اب وہ بیچارہ خاموش ہوا اس بابو نے کہا کہ یہ بیچارہ مجھوں معلوم ہوتا ہے اس زمانے میں جو اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے اس کو مجھوں ہی کہتے ہیں۔

اہل دنیا عقلمند اس کو کہتے ہیں جو بے ایمانی
عقلمند کون؟ اور بے وقوف کون؟
 دے اُسے کہتے ہیں کہ بڑا بھاری دانشمند ہے۔ اور اگر کوئی بیچارہ بھولا بھالا سیدھا سادہ ایمان داری اور امانت داری سے پیش آئے اُسے کہتے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے پہلے زمانہ کی روح اس میں آگئی ہے مگر حقیقت میں عقلمند وہی ہے جو اپنی آخرت کو پیش نظر رکھے وہ عقل مند نہیں جو انجام کو بھلا دے اور بعد میں مصیبتیں اٹھائے جس کو مولانا ردی نے کہا ہے کہ

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد

اوست فرزانه کہ فرزانه نشد !!

دیوانہ وہی ہے جو کہ دیوانہ نہ بنا، عقلمند وہ ہے جو عقلمند بننا نہیں چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیوانگی ہی چاہتا ہے حقیقت میں دانش مند وہی ہے اور جو شخص اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کا نام زیادہ لے گا وہی لقب پائے گا مجنوںوں کا خطیوں کا۔ اور جو شخص چالاکیاں زیادہ

کرے گا وہ لقب پائے گا اہل دنیا کے نزدیک دانش مند اور عقلمند کا ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ وَیَمَّا لَمْ (الزجل) مَا أَعْقَلُ مَا أَدْرَكَ وَكَيْسٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْإِيمَانِ ایک آدمی کو کہا جاتے گا کہ کتنا بڑا دانش مند ہے اور کتنا بڑا عقلمند ہے اور کیسا وسیع الخوف ہے اور کیسا دانا ہے اور کیسا مدبر ہے حالانکہ اس کے قلب میں ذرہ برابر بھی ایمان نہ ہوگا اور دنیا کہے گی کہ بڑا عقلمند ہے بڑا دانش مند ہے مگر چونکہ اس میں ایمان کا نشان بھی نہ ہوگا جو کچھ ہوگی وہ خود غرضی ہوگی۔ دنیا داری اور دنیا سازی ہوگی اس لئے وہ عقلمند نہیں ہے شریعت اُسے عقلمند کہتی ہے جو اپنے انجام کو سوچے اور دنیا کے بارے میں خیال کرے کہ بھلی بُری سیسی بھی ہوگی گذر جائے گی۔ وہاں جو مصیبت ہے وہ ابدی ہے ہمیشہ جھیلنی پڑے گی جو کہ قابل برداشت نہیں ہے۔ یہاں کی مصیبت ایک دن ختم ہو جائے گی چونکہ نہ یہاں کی مصیبت باقی رہنے والی ہے اور نہ یہاں کی نعمت باقی رہنے والی ہے اس لئے جو آدمی آخرت کے مصائب کی رعایت کر کے دنیا کے مصائب کا تحمل کرے وہ عقلمند ہے فرمایا گیا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ آخرت کا عذاب ہمیشہ ہمیش باقی رہنے والا ہے اور شدید ہے اور یہاں کی مصیبت نہ شدید ہے اور نہ دیر تک باقی رہنے والی ہے۔

اکبر کے اشعار میں حضرت حکیم الاسلام کی تطبیق تک بندی اور تشریح اکبر نے کیا خوب بات کہی ہے

اور بڑی عمدہ بات کہی ہے لقب ہی اس کا لسان العصر ہے اس بنا پر ان کی بات بڑی ہی حکمت کی بات ہے انہوں نے کہا ہے کہ

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے

یعنی جینا ہے اور مرنا ہے

یہ کام تمہیں بھی کرنا ہے اور مجھے بھی کرنا ہے اور سب کو کرنا ہے کیونکہ سب کو ہی جینا اور مرنا ہے آگے کہتا ہے۔

رہ گئی بحث رنج و راحت کی

وہ فقط وقت کا گزرنا ہے

رنج بھی گزر جائے گا اور راحت بھی گزر جائے گی بڑی ہی جیکمانہ بات کہی ہے کہ راستہ کے رنج و راحت پر نظر مت رکھو انجام پر نظر رکھو، منزل مقصود تک پہنچنے کی کوشش کرو اگر منزل پر پہنچکر مصیبت میں مبتلا رہے تو وہ ناقابلِ برداشت ہے تو اکبر نے کہا ہے کہ راستے کی رنج و راحت فقط وقت کے گزر جانے کا نام ہے۔ یہاں میرے دُئل ایک خلیجاً یہ پیدا ہوتا ہے کہ بات تو بڑی جیکمانہ کہی ہے راستے کے رنج و راحت کا خیال مت کرو مگر منزل مقصود تو بینِ تلالیٰ کہ جانا کہاں ہے۔ اسی بنا پر دو تین شعر میں نے اسیں جوڑ دیئے ہیں اپنی طرف سے کہ اکبر نے راستہ کا پتہ دیا ہے میں منزل کا پتہ بتا دوں۔ میں کوئی شاعر نہیں ہوں اور نہ شعر کہتا میرا مشغہ ہے پھر اگر جیسا شاعر اور اس کے شعر میں اپنے شعر طنائیسا ہے جیسے غل میں ٹاٹ کا پوند لگا دیں بس ایک تک بندی ہے جو میں نے کر دی ہے اور میں نے اکبر کا شمار پر اضافہ کر دیا ہے تو دو دن میں سے راستے ہی کے بارے میں ہیں ان میں ایک آخری منزل کے بارے میں ہے اکبر نے تو کہا ہے کہ

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے ! یعنی جینا ہے اور مرنے ہے
 رہ گئی بحث رنج و راحت کی وہ فقط وقت کا گذرنا ہے
 آگے میں کہتا ہوں ے

رہ گیا عز و جاہ کا جھگڑا یہ تخیل کا پیٹ بھرنے ہے

یعنی عزت جسے ہم کہتے ہیں یہ فقط خیالی شے ہے اور خیال بھی دوسرے کا اگر ہمارے خیال سے ہماری عزت ہو تو جو بیس گھنٹے ہم خیال کئے بیٹھے رہیں کہ ہم سے بڑا کوئی نہیں مگر مشکل یہ ہے کہ دوسرے بڑا نہیں تو عزت ہوتی ہے ہمارے خیال باندھنے سے عزت نہیں ہوتی ہے اور دوسری کا خیال آپ کے قبضے میں نہیں۔ اگر خیال بدل گیا بس جب ہی ذلیل ہو گئے آج خیال یہ ہے کہ فلاں آدمی بہت بڑا ہے اس گلے میں پھولوں کے ہار ڈال دیتے ہیں۔ لیڈ بن جاتے ہیں اور کل کو خیال بدل گیا تو دوسرے کے گلے میں ڈال دیا پہلے کی ساری عزت ختم ہو گئی بس ذلیل ہو گیا یہ صرف خیالی عزت ہے۔ اصل عزت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو حق تعالیٰ نے فرمایا
 وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ كُلُّهَا وَ لِرَسُولِهِ وَ لِلْمُؤْمِنِينَ تَوَاصَلْ عِزَّتْ يَہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مہر

ثبت کر دی ہے اس لئے میں نے کہا کہ رہ گیا عروجاہ کا جھگڑا
یہ تخیل کا ہیٹ بھرنا ہے
اور میں آگے کہتا ہوں

قابل ذکر ہی نہیں خورد و نوش یہ بڑی کی خوشے لڑنا ہے
کھانا پینا یہ کوئی قابل ذکر نہیں اس لئے کہ یہ کوئی کمال کی چیز نہیں ہے کیونکہ چوپا تے بھی
کھاتے پیتے ہیں اگر آدمی نے کھایا تو کونسا کمال کیا ہے جانور کی حد سے نہیں نکلے گا وہ
بھی وہ بھی کھاتے ہیں تو کھانا کوئی کمال کی بات نہیں ہے بہر حال تین چیزیں ہو گئیں اگر
لے کہا تھا کہ راستے کے رنج و راحت کی پرواہ مت کرو یہ گذر جانے والی چیز ہے۔ میں
کہتا ہوں کہ کھانے پینے کا خیال مت کرو یہ تو جانوروں کی علامت ہے۔ نہ عزت و ذلت
کا خیال کرو کیونکہ وہ خیالی شے ہے بلکہ منزل مقصود تک پہنچنے کا ارادہ کرو اور کوشش کرو
آخری شعر میں اسی کا پتہ دیا ہے

مقصد زندگی ہے طاعت حق نہ کہ فکر جہاں میں پڑنا ہے

اصل مقصد طاعت خداوندی ہے یہ مل گیا تو سب کچھ مل گیا۔ اگر نعت کر کے دنیا کا جغرافیہ
یاد کر لیا اور ابراہیمؑ بھی ہو گیا کہ بنگلور میں اتنے درخت ہیں فلاں شہر ایسا ہے، فلاں ایسا ہے
آخرت میں ایک بھی نہ پوچھا جائے گا اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ حضورؐ کی کونسی سنت پر عمل کیا۔ علم
دین کیا سیکھا تو آپؐ کہیں کہ حضور اعمادت تو نہیں کی البتہ دنیا کا جغرافیہ لے کر آیا ہوں یہ
کام نہیں دے گا کیونکہ اس نجات نہ ہو سکے گی۔ آپؐ کہیں کہ معلوم کر کے آیا ہوں کہ دنیا میں
پہاؤ اتنے ہیں جن تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم نے تمہیں دنیا میں پہاڑ گنے کے لئے نہیں بھیجا
تھا بلکہ تم کو طاعت و عبادت کے لئے بھیجا تھا۔ تاؤں خداوندی کی پابندی کیے بھیجا گیا تھا وہ بتاؤ
کتنی کی ہے نجات کا مدار اسی پر ہے نہ جغرافیہ پر نہ سائنس پر نہ جدید تعلیم پر اس آخری شعر
میں مقصد زندگی اور منزل کا پتہ دیا گیا ہے۔

علیہ محبت میں تلخیاں شیریں بن جاتی ہیں اور سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے | میں یہ عرض کر رہا تھا

کہ اصل چیز محبت ہے پھر محبت سے ایمان ملتا ہے پھر اس ایمان کی ہی وجہ سے اعمال ہاتھ پیر پر آتے ہیں اور انسان کی زندگی نبتی ہے۔ محبت سے ہی سارا کام چلتا ہے۔ آدمی اس محبت میں مصائب بھی جھیلتا ہے۔ تکلیفیں بھی اٹھاتا ہے۔ مگر اللہ در رسول کی محبت غالب سم تو پر واہ بھی نہیں ہوتی کسی چیز کی۔ اہل اللہ جیل خانے میں بھی گئے مگر انہیں پر واہ نہیں ہوتی کیونکہ تعلق مع اللہ قوی ہے۔ فقر و فاقہ آیا مگر انہیں پر واہ نہ تھی نہیں اس لئے کہ دل میں تعلق موجود ہے۔ قلب مطمئن ہے اور اگر دل کا تعلق اللہ سے نہ ہو تو انسان ہمیشہ ڈانواں ڈول رہے گا۔ ہمیشہ پریشان رہے گا۔ چاہے لاکھوں کا مالک ہو مگر دل خالی ہے تعلق سے ہمیشہ اس پریشانی اور پرانگندگی، تشدد ہی رہے گا۔ اس کے معلوم ہوا کہ زندگی کا سکون صرف اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہے۔ کسی اور چیز میں نہیں کروڑوں کا مالک ہو اس کو بھی سکون نہیں ملے گا بلکہ قلب بے سکون غیر مطمئن۔ پریشان۔ پرانگندہ ہی رہے گا کہ اسکی حفاظت کیسے کروں اُسے ڈاکو نہ لپیائیں۔ کہیں پہرہ بڑھائیں۔ کہیں چڑاسی ہیں کہ چوروں سے حفاظت کرتے ہیں مگر قانونی چوری بھی تو ہوتی ہے اس سے کیسے حفاظت کرے گا۔ بہت سے لوگ قانون کے دائرے میں رہ کر چوری کرتے ہیں۔ ڈاکہ ڈالتے ہیں مثلاً کہیں فیس کی شکل میں رقم وکلا سے پاس جا رہی ہے۔ کہیں پیرسٹروں کے پاس جا رہی ہے۔ کہیں ڈاکوؤں کے پاس جا رہی ہے۔ غرض روپیہ کیا ایک دہل جان بنا ہوا ہے ہر وقت پریشانی ہی پریشانی ہے۔ نہ اس سے سکون ملتا ہے نہ بلڈنگ سے سکون ملتا ہے اگر سکون ملتا ہے تو صرف اللہ کے نام میں ملتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ اللہ کی ذکر سے دل چین پاتے ہیں دنیا کے ذکر سے چین نہیں ملتی وہ تو استعمال کی چیز ہے اُسے کھاؤ پیو استعمال کرو مگر مقصود موت بناؤ۔ اس سے محبت مت کرو۔ اس میں دل مت لگاؤ۔ اس کو جائز طریق پر استعمال کرو۔ اچھا کھانا بھی کھاؤ۔ اچھے مکان میں بھی رہو۔ مگر مکان کو خدا مت سمجھو۔ لباس کو کعبہ مت بناؤ۔ خادم سمجھو۔ محبت کے لئے اللہ و رسول کی ذات کو اختیار کرو۔ ہماری زندگی یہ ہے کہ دل بیار و دست بکار۔ ہاتھ ادا پاؤں گار و پاؤں نہیں لگے ہوتے ہیں اور دل لگا ہوا ہے خالق و مالک کے اندر کہ دنیا میں رہو تجارت بھی کرو۔ زراعت بھی کرو۔ جب تک انسان دنیا میں رہے گا سب ہی کام کرے گا اور کرنے بھی چاہتیں مگر دل کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف رہنی چاہیے اس سے تجارت بھی بابرکت بنے گی سب چیزیں عبادت

نتیجی پہلی حادیں گئی۔ تو اصل چیز ہے قانون کی پیروی اور وہ یوں نہیں سکتی جب تک محبت نہ ہو
تو محبت اصل ایمان اور اصل اسلام ہے اور در محبت تمہارا شریعتیں اور دینی محبت میں تمہاری بھی
شریعتیں بن جاتی ہیں کیونکہ آدمی کا دھیان محبوب کی طرف رہتا ہے تمہیں کی طرف نہیں رہتا۔ اس
لئے وہ شریعتیں ہوجاتی ہیں۔ اور محبوب کی ہر ادا محبوب بن جاتی ہے۔

واقعہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ | ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قس
تو جو ہماری ساری جماعت دیوبند کے شیخ
طریقیت ہیں اکابر اولیاء میں سے ہیں یہ سید عظیم انہوں نے جہاد کیا ہے پھر حضرت نے مکہ معظمہ کی
طرف ہجرت فرمائی۔ وہیں انکی وفات ہوئی مکہ معظمہ میں پہنچ کر پوری عمر کبھی سیاہ جوتا نہیں پہنا۔
لوگوں نے شروع شروع میں تو اتفاقاً بات بجا کر جب لوگ کالے رنگ کا جوتا لاتے تو ان
سے فرماتے کہ وہ سرے رنگ کا لادیا سفید لادو۔ یہ جوتا نہیں پہنوں گا۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ
یہ حضرت کا طریقہ ہے تو پوچھا کہ حضرت سیاہ جوتے میں کیا ترح ہے فرمایا کہ بیت اللہ شریف
کا خلاف سیاہ ہے ادب مانع ہوتا ہے کہ وہ رنگ میں اپنے پیروں میں استعمال کروں۔ حالانکہ
سیاہ جوتا پہننا شرعاً جائز ہے کوئی قباح و نقصان نہیں ہے مگر چونکہ جب ادب کا غلبہ ہوتا
ہے تو آدمی بعض جائز چیزوں کو بھی ترک کر دیتا ہے کیونکہ اس جائز چیز کے استعمال کرنے میں
ادب مانع ہوتا ہے جیسے حضرت نے فرمایا کہ مجھے حیاتی ہے کہ وہ رنگ جو بیت اللہ کے خلاف کا
ہے اس کو پاؤں میں ڈالوں تو ظاہر بات ہے کہ یہاں جائز و ناجائز کی بحث نہیں یہ تو محبت کا
غلبہ ہے جو کہ محبت خداوندی اتنی غالب تھی اسی کے مطابق محبت کعبہ بھی اسی قدر غالب تھی کہ
اس رنگ کو پاؤں میں لانا گوارہ نہ کیا۔ کیا ادب کی انتہا تھی۔

واقعہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ | حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی
رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند مگر شریفین
جاتے تھے حضرت صابر گیزیؒ کے مزار کی زیارت کرنے کے واسطے پھر رٹڈ کی سے پانچ میل
دور ہے نہر کی چڑی پڑی چلے جاتے تھے اب تو سواری کا بھی انتظام ہے اس زمانے میں لوگ
عموماً پیدل ہی جاتے تھے تو حضرت جب نہر کی چڑی پر جاتے اور سامنے پھر ہوتا تو بوجھ لے تار

میں دہالتے اور ننگے پیروں جاتے۔ تو کیا جوتے پہن کر جانا ناجائز تھا؟ نہیں بلکہ محبت کا غلبہ تھا۔ حضرت صابر گیری کی محبت قلب میں جاگزیں تھی ادب غالب تھا جب روضہ نظر آتا تھا تو جوتے پہن کر جانا پسند نہیں کرتے تھے ننگے پیروں جاتے تھے چونکہ ادب غالب تھا، اور ادب غالب ہے محبت کے غلبہ سے جب حضرت نانوتویؒ نے حج کیا تو بڑے بڑے اکابر ساتھ تھے مثلاً حضرت گنگوہیؒ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ اور دوسرے بڑے اکابرین اور بزرگوں کا ایک مجمع تھا آخری منزل جس کے بعد مدینہ طیبہ بالکل سامنے آجاتا ہے اور حرم شریف کے مینار نظر آنے لگتے ہیں اس آخری منزل کا نام ہے "بیر علی" یہاں ایک پہاڑی ہے جہاں اپر پڑھے اور حرم شریف کے مینار سے سامنے آجاتے ہیں تو یہ قافلہ جب "بیر علی" پر پہنچا اور حرم شریف کے مینار سے سامنے نظر پڑے تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ ایک دم اونٹ سے اُچھل کر زمین پر گر پڑے جوتے اتار کر رکھے اونٹ کے کجاوے میں اور ننگے پیر چلتا شروع کیا۔ حضورؐ کی محبت غالب تھی اسلئے عاشقانہ اشعار پڑھتے ہوتے اور اپنے حال میں مست اور ننگے سر چلے جا رہے تھے مدینہ کی ننگریاں جو ہیں وہ لوگلی ہیں پیروں میں ایسی جیتی ہیں جیسے کانٹے چبھتے ہیں۔ انکی وجہ سے پاؤں ابو لہان ہو گئے مگر حضرت محبت اور عشق کی وجہ سے اپنے حال میں مست ہیں۔ دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی اونٹوں سے اتر کر پیدل چلنا شروع کر دیا تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ یہ اعمیٰ کیوں نیچے اتر کر چلنے لگے ان پر توجہت اور عشق کی وجہ سے حال طاری ہے یہ نقالی کہاں تک کریں گے۔ اسلئے کوئی بیس قدم چل کر ٹنگ گیا کوئی سو قدم چل کر ٹنگ گیا کیونکہ ان ننگریوں پر چلنا ہی مشکل ہے مگر جو اپنے حال میں مست ہے وہ تو معذور ہے اُسے تو کچھ خبر نہیں رہتی چاہے اپر تیر بٹریں چاہے عکراں پرٹریں لیکن جن کے ہوش و حواس باقی ہیں وہ اس طریقے سے چلیں وہ ہمارے نہیں اتر سکتے ہیں اسی لئے کوئی پچاس قدم چل کر بیٹھ گیا اور کوئی سو قدم چل کر بیٹھ گیا اور حضرت حرم تک پیدل چلے اور پیروں میں ننگریاں چبھ چبھ کر ابو لہان اور خون خرابہ بھی ہو گئے تو در محبت تلخا شیریں بود یعنی محبت کی وجہ سے تلخیاں بھی شیریں ہو جاتی ہیں اور آدمی ان کو بخوشی جمیل لیتا ہے۔

غزوہ احد میں گھاسی پر پیر کے دار صحابہ کا واقعہ غزوہ احد میں جنگ شروع ہوئی

احد پہاڑ کی ایک گھاٹی تھی حضورؐ نے اس پر چالیس تیر اندازوں کو مقرر کیا اور حکم دیا کہ وہ یہاں بیٹھے رہیں فتح ہو خواہ شکست ہو ہر صورت میں وہاں سے بغیر اجازت نہ ہٹیں چنانچہ صحابہ وہاں بیٹھے رہے جنگ شروع ہوئی ان حضرات نے سوچا کہ ہم خالی بیٹھے ہوئے ہیں کچھ کام ہی کر لیں۔ دوسرے حضرات نے کہا کہ حضورؐ کا حکم یہ ہے کہ حرف بیٹھے رہیں بعض نے کہا ایسے بیٹھنے سے توحیدات میں لگنا اچھا ہوگا۔ یہ سوچ کر غفلت کی نیت باندھ ل اور غفلتیں پڑھنی شروع کر دیں ترکیب یہ کی چار آدمی غفلتیں پڑھیں اور باقی آدمی حفاظت کریں کسی طریقے سے رات گزاری اور لوافل پڑھتے رہے مشرکین نہ کہنے تاک لیا کہ یہ صحابہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ کفاروں نے ان پر تیروں کی بارش کی جو لوگ نماز میں مصروف تھے وہ سامنے تھے اسی لئے کسی کی گردن میں لگا۔ کسی کے سینے میں لگا اور کسی کی پیٹھ میں لگا۔ بدن بولہ بان ہو گئے اور کپڑے خون میں رنگ گئے مگوں کو کچھ خبر نہیں وہ اپنی نماز میں مستغرق ہیں۔ نہ تیروں کی خبر اور نہ تیروں کی خبر۔ جب اخیر شب میں سلام بھیرا تو معلوم ہوا کہ کپڑے رنگے ہوئے ہیں غور کیا تو معلوم ہوا کہ کوئی تیر یہاں گھسا ہوا ہے۔ کوئی تیر سینے میں۔ کوئی تیر پشت میں۔ پورا بدن پھلتی ہو رہا ہے معلوم ہوا کہ مشرکین مکتہ تیر مارے ہیں اتنا استغراق اور غلبہ تھا محبت کا کہ نہ انہیں تیروں کا پتہ چلا اور نہ انہیں تیروں کا پتہ چلا۔ نہ ان کے اندر غرق ہیں اور حق تعالیٰ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں تو آدمی ساری نیکیاں جھیل جاتا ہے جب محبت کا غلبہ ہوتا ہے پھر نہ زخم کی پرواہ نہ تلواروں کی نہ تیروں کی پرواہ ہوتی ہے یہ ہی شان اہل اللہ کی بھی ہوتی ہے کہ جب محبت خداوندی اور محبت نبوی غالب آجاتی ہے تو نہ عیش کی پرواہ نہ آرام و راحت کی پرواہ ساری چیزوں کو سوچ دیتے ہیں۔

چنانچہ میں نے عرض کیا تھا کہ فیادری چیز محبت ہے تمام چیزوں کا سرچشمہ محبت ہے اور محبت کا ظرف دل ہے جب دل میں اللہ و

رسول کی محبت آجائے گی تو ہاتھ پاؤں پر بھی اس کے اثرات ظاہر ہوں گے اور اعمال صالحہ بھی صادر ہوں گے اور اگر دلوں میں محبت نہیں تو نہ ایمان بنے گا اور نہ اسلام بنے گا اور نہ اعمال بنیں گے مسلم نام تو ہوں گے کام مگر اسلام کے نہیں ہوں گے جب دل میں ایمان ہوگا جب ہی کام کا اسلام ہوگا اسلئے ہمیں نام کے مسلمان نہیں ہونا چاہیئے بلکہ کام کے مسلمان ہونا چاہیئے۔ دل میں

جنت بھی ہوا اور پھر یہ عمل پھر یہی عمل شہادت دے گا کہ ایمان ایک چیز ہے جو اللہ
چاہی ہوئی ہے۔

ایمان دعویٰ ہے اعمال اُنکی دلیل ہیں | عجب بات دن آدمی اپنے مومن ہونے

کی جاوے گی کیونکہ کوئی دعویٰ بلا دلیل کے قابل سماعت نہیں ہوتا ہے اس بنا پر اس سے
پوچھا جائے گا کہ ترے ایمان کا ثبوت کیا ہے وہ کہے گا کہ میں نے نمازیں پڑھی ہیں روزے
رکھے ہیں زکوٰۃ دی ہے حج کئے ہیں یہ ثبوت ہو گا کہ ایمان کا پھر اسکی نجات ہوگی۔ اگر آپ اپنے مومن
ہونے کا دعویٰ کیا اور دلیل طلب کی گئی تو وہاں نماز ہے روزہ ہے زکوٰۃ ہے حج تو یہ دعویٰ بلا
دلیل کے رہ جائے گا وہاں اسکی کوئی دقت نہیں ہوگی۔ اسکی گردن پانی جاوے گی اور اس کے دعویٰ
کی تکذیب کی جاوے گی کہ تم محبوث بول رہے ہو تمہارے اندر ایمان کہاں ہے اگر ایمان ہوتا تو
اس کے آثار و افعال میں ظاہر ہوتے۔ حالانکہ کوئی اثر ظاہر نہیں اس لئے کہ اللہ کچھ نہیں ہنڈا تھا نہائی دلیل
ہو گا اور کہا جائے گا کہ اپنے لئے کوئی ثبوت پھر وہاں کی سزائیں دی جائیں گی۔ محبتوں میں مبتلا کیا جاوے
گا۔ اس لئے جب دعویٰ ہو تو اسکی دلیل بھی ہونا چاہیے۔ طاعت۔ عبادت۔ اتباع سنت
حضور کی پیروی ہونی چاہیے۔ اگے قہر کی ناک دیکھنا مالک کا کام ہے مگر میں ثبوت ہونا چاہیے
اور اس ثبوت پر نماز پڑھ کر میں نے اتنی عبادت کی بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ میں نے کچھ نہیں کیا یہ
سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

حکمت کی بات | حضرت شاہ عبد القیوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ والد
ماجر لویا کہا کہ میں سے ہیں وہ رات دن طاعت و عبادت ہی میں لگے

رہتے تھے لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں کہ راتوں کو
ذکر اللہ۔ دن بھر ذکر اللہ کیوں اتنی محنت کر رہے ہیں؟ جب ہم نے یہ سوال پڑھا تو ہم نے سمجھے کہ حضرت
نے یہ جواب دیا ہو گا کہ اللہ کو دعویٰ کرنے کے لئے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جاوے اس لئے میں یہ عمل
کر رہا ہوں مگر یہ جواب نہیں دیا بلکہ جواب اور ہے۔ یہ تو ہمارے فہم کی رسائی تھی حضرت نے وہ جواب
دیا جو ہمارے فہم سے بالاتر ہے اور اپنے مرتبے کے مطابق جواب دیا کہوں کہ بڑوں کی بات بڑی ہی

ہوتی ہے حضرت نے ان پوچھنے والوں کو جواب دیا کہ میں رات دن اس لئے عمل کرتا ہوں کہ میں پیدا ہی کیا گیا ہوں عمل کرنے کی خاطر یعنی مقصد زندگی ہی میرا یہ ہے راضی ہونا۔ نہ ہونا کام ہے۔ راضی ہونا یا ناراض ہونا یہ فعل خداوندی ہے ہم کون ہیں اُن کے فعل میں دخل دینے والے۔ ہمارا کام تو وہ ہونا چاہیے جس کے لئے ہم پیدا کئے گئے ہیں طاعت عبادت کے لئے بس ہم ان کام کئے جاویں اگر وہ راضی ہوں تو ان کا فضل ہے اگر وہ ناراض ہوں تو ہمارا عمل اس قابل نہیں کہ اس سے فریادی ہوں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے کاموں میں دخل مت دو۔ صرف اپنا کام کرتے رہو۔ کاخود کو بیکار مکن۔ اپنے کاموں میں گے رہو قبول کرنا نہ کرنا اس کا کام ہے۔

یہی بن اکثم کی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی | یہی بن اکثم بہت بڑے عالم نذرے ہیں امام کے درجے کے عالم ہیں جب

انکی وفات ہوئی تو بعض اہل اللہ نے انہیں خواب میں دیکھا اور خواب بھی کشف جیسا تھا۔ یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے کچھ کیا چیز لے کر آئے ہو ہمارے لئے۔ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ میں نے پہن ج کئے ہیں۔ فرمایا کہ ہمیں ایک بھی قبول نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسے باری تعالیٰ میں نے ایک سوادن قرآن حتم کئے ہیں۔ فرمایا کہ ہمیں ایک بھی قبول نہیں۔ انہوں نے کہا کہ یا اللہ میں نے اتنی نمازیں پڑھی ہیں۔ فرمایا کہ ہمیں ایک بھی قبول نہیں پوری زندگی کے اعمال ذکر کئے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ایک بھی قبول نہیں کیا اور بتا دیا کہ لے کر آئے ہو آپ عاجز ہو گئے۔ آخر میں کہا کہ اسے اللہ بس تیری رحمت کا سہارا لے کر آیا ہوں اور کچھ لے کر نہیں آیا۔ فرمایا کہ اب بات تو نے ٹھیک کہی ہے۔

وَجَبَّتْ لَكَ مَا حَبَّتِي مِثْرِي رَحْمَتِ تَرَعِ لَنْتے واجب ہو گئی ہے جائزے لئے جنت اور مغفرت ہے تو عمل کے ساتھ ساتھ رضا خداوندی اور رحمت خداوندی کی توقع ادا نہیں رہی ہونی چاہئے۔ اعمال پر گھمنڈ اور ناز نہیں ہونا چاہیے جس عمل میں محبت کی آمیزش اور رحمت کی تہذیب ہو۔ وہ عمل قابل قبول نہیں ہے اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ اصل چیز محبت ہے پھر اس کے بعد عمل کا مرتبہ ہے اور اس محبت سے ہی عمل پیدا ہوتا ہے۔ عمل ہی محبت کی علامت ہے اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دل میں محبت ہے یا نہیں۔

مومن کو جنت میں حضور کی محبت حاصل ہوگی

اَطَاعَنِيْ وَ مَنْ اَطَاعَنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ جَوْجُجٌ سَعَى مَحَبَّتِ كَرَسِ گادہ میری اطاعت بھی کرے گا اور میری سنتوں کی پیروی بھی کرے گا اور جو میری سنتوں پر چلے گا وہ میرے ساتھ بھی ہوگا جنت میں وہ میرے سے الگ نہیں رہے گا۔ آپ نے بنیاد قرار دیا ہے محبت کو کعبہ سے محبت کہ علامت ہے اس بات کی کہ وہ میری اطاعت کر رہا ہے اور میری اطاعت کرنا علامت ہے اس بات کی کہ وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل تو محبت ہے مگر محبت پہچاننے کی علامت اطاعت ہے اور اتباع سنت ہے جب یہ ہوگی تو معلوم ہوگا کہ محبت میں پہنچا ہے اسلئے فرمایا آپ نے لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَ وَالِدِهِ وَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن کامل نہیں بن سکتا جب تک کہ میری اس آدمی کو اتنی محبت نہ ہو کہ اتنی اس کو نہ اپنے ماں باپ سے ہو نہ اپنی اولاد سے ہو نہ اپنے سامان سے ہو نہ اتنی محبت اس کو اپنے عزیز و اقرباء سے ہو جب دو محبتوں کا ٹکراؤ ہو تو ترجیح دے میری محبت کو تو کہا جائے گا کہ یہ مومن کامل ہے تو معلوم ہوا کہ اصل شے محبت ہی ہے۔

آدمی کی تمام خواہشات شریعت کے تابع ہونی چاہئیں

ارشاد فرماتے ہیں لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَؤُلَاءُ تَبَعًا لِأَحَدٍ مِنْكُمْ کہ تم میں سے کوئی شخص مومن کامل نہیں بن سکتا ہے اس وقت تک جب تک کہ اس کی خواہشات نفس میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جاویں۔ ایک طرف شریعت ہے اور ایک طرف خواہش نفس ہے۔ اگر خواہش نفس کو ترجیح دی تو معلوم ہوا کہ خواہش کا بندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی مرضی کو ترجیح دی اللہ تعالیٰ کی مرضی پر اس لئے کہ یہ خواہشات نفس اور ہوائے نفس کا تابع ہے اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی کا تابع ہوتا تو کسی کو ترجیح دیتا اسی لئے فرمایا کہ وہ مومن کامل نہیں۔ حضور کی لائی ہوئی شریعت کا تابع ہونا چاہیئے جو کچھ کرے اتباع میں کرے

ناز پڑھے تو اتباع میں پڑھے۔ روزہ رکھے تو اتباع سے سونے تو اتباع سے جاگے تو اتباع سے کھائے پیئے تو اتباع میں پوری زندگی پر اتباع چھا جائے جب ہی اُس کے ایمان میں کمال آئے گا اور اس کو مومن کامل کہیں گے۔

بندہ سے گناہ کا صدور مستبعد نہیں | اب رہی بات غلطی سے گناہ کا صدور ہو تا تو بندہ

بشر ہے معصوم تو مرتب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی ہے ہم تو دن رات سینکڑوں گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں اور گناہ بے شک ہوتے رہتے ہیں مگر اس کا حل یہ فرمایا کہ جب گناہ ہو جائے تو بہ کر لے پھر اتباع شریعت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اتباع کر رہے ہیں اور درمیان میں گناہ ہو گیا یا اللہ میری توبہ پھر نہیں کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ سے عہد کیا پھر اتباع میں معصوم ہو گئے۔ اتباع سنت کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ کبھی بھی غلطی نہ ہو اور گناہ نہ ہو بہر شان تو انبیاء علیہم السلام کی ہے۔ ہم سے گناہ ہوتے بھی ہیں اور ہم گناہ کرتے بھی ہیں مگر اس کا حل یہ ہے کہ فوراً توبہ کر لے اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے اَلْتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَسَنٍّ لَا ذَنْبَ لَهُ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ سنس گناہ کیا ہی نہیں تھا۔ توبہ کرتے ہی اس کا ریکارڈ مٹا ہو گیا حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جس نے گناہ کئے بعد توبہ کی وہ گناہ پر باقی نہیں رکھا جاتا ہے اسلئے جب بھی کوئی گناہ ہو جائے فوراً توبہ کر کے پاک ہو جائے یہ ہی مومن کی شان ہے اور یہ محبت اور ایمان کا کمال ہے۔ بس دعا کیجئے کہ اللہ ماتِ العالین اپنی رحمت نصیب فرمائے اور حضورؐ کی محبت اور معیت عطا فرمائے اور اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمانِ کامل پر فرمائے آمین۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

قرآن کا اعجاز

خَطْبِمْ سَنُوهُ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَمْدُ الْوَسْطَيْنِ وَتَسْتَعِينُهُ وَتَسْتَفِيذُكَ وَتَقُو مِنْ بِهِ
وَتَسُوْغُلُ عَلَيْهِ وَتَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ ذِي الْمِيْنَادِ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مِنْ
بِحَمْدِ اللّٰهِ فَلَا مُفِيْلَ لَهُ وَمَنْ يُضِلُّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَشَهِدُ اَنْ لَا اِلٰهَ
اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَشَهِدُ اَنْ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٌ عَبْدُهُ
وَرَسُوْلُهُ اَمْرًا سَلَّمَ اللّٰهُ اِلَيْكَ يَا كَاثِبُ النَّاسِ بِشَيْرًا وَنَذِيْرًا دَعَا عِيَالِي
اللّٰهُ بِاِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيْرًا وَحَمَلِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ دَعْوَى اِيْهِ وَاصْحَافُ
وَبَابُكَ وَسَلَامٌ قَبِيْلًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا -

اَمَّا بَعْدُ - فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ
مُّطَاعٍ ثَمَّ اٰمِيْنٍ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمُخَوِّجٍ وَلَقَدْ نَاٰهُ بِالْاٰتِقِ الْمُبِيْنِ - وَمَا هُوَ
عَلَى الصَّيْبِ بِضُنِيْنٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ فَاِيْنَ تَدْعُوْهُمُوْنَ اِنْ
هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ لِيُنْشَاَ مِنْكُمْ اُمَّةٌ اَنْ يَّسْتَفِيْذَكُمْ وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ
يُنْشَاَ اللّٰهُ مَرَاتِبَ الْعٰلَمِيْنَ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ -

افتتاح کلام

جزیرگان محترم آپ حضرات نے قرآن کریم کا ترجمہ شروع کر کے ایک بہت ہی بڑی
سلاست حاصل کی ہے اور بہت بڑا اقدام کیا ہے اس کے برکات و نیامیں اور آخرت
میں کھلے طور پر انشاء اللہ نمایاں ہوں گے اگر آپ نے اس کو پابندی سے اختیار کیا اور
اس کو استقامت کے ساتھ آگے بڑھایا۔

ہر کلام میں متکلم مخفی ہوتا ہے

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور ظاہرات ہے کہ ہر کلام میں اثر ہوتا ہے جیسا متکلم ہوتا ہے ویسے ہی اثرات اس کے کلام میں نمایاں ہوتے ہیں، اور قرآن کریم درحقیقت نمایاں کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ کی ذات کو اس کی صفات کو اس کے کمالات کو اس کے افعال کو۔ جو شخص خیال کرتا ہو کہ میں اللہ کو آنکھوں سے دیکھ لوں تو وہ دل کی آنکھوں سے قرآن کریم کی تہودت کرے تو حق تعالیٰ نظر آجائیں گے۔ زینب النساء عالمگیر کی بیٹی تھی اور بہت بڑی شاعرہ بھی تھی جب دربار میں مشاعرے ہوتے تو اس کا کلام بھی پڑھا جاتا تھا اور بڑے بڑے شعرا بڑی توجہ سے سنتے تھے اور کلام بھی اس کا بہت عالی ہوتا تھا عالمگیر کا ایک درباری ایک شخص عاقل خاں نامی تھا اس کی زبان سے یہ لفظ نکلا کاش میں زینب النساء کو دیکھ لیتا۔ اس لئے کہ کسی کا بھلا کلام سنکر دیکھ لینے کو بے جا دل چاہتا ہے۔ تو عاقل خاں نے یہ تمنا ظاہر کی کہ کاش کوئی ایسی صورت ہوتی کہ میں زینب النساء کو دیکھ سکوں مگر یہ تمنا بھی زینب النساء کو مگر وہ شاہی دور تھا بڑا عظیم پروردہ ہوتا تھا، اس شخص کوئی موت ممکن نہیں تھی زینب النساء کو دیکھنے کی تو زینب النساء نے ایک شعر کہہ کر بھیج دیا اس تمنا کے جواب میں اس شخص کو کھانا اور سخن و سخن منہم چوں بوسے گل در برگ گل

ہر کہ از من میل دارد وہ سخن بنید مرا

کہ میں اپنے کلام میں اس طرح چھپی ہوئی چیزیں جیسے گلاب کی پتھر دیوں میں خوشبو چھپی ہوئی ہوتی ہے تو میں کا دل مجھے دیکھنے کو چاہے وہ میرا کلام پڑھے اس کلام میں میں نظر آجاؤں گی۔ میرے جتنے قلبی جذبات ہیں اور قلبی خیالات ہیں وہ سب میرے کلام سے نمایاں ہو جائیں گے یہی صورت یہاں ہے کہ جو اللہ کو دیکھنا چاہے وہ اس کا کلام پڑھے۔ مقصد عبادت و عبادت الہی ہے۔

گو نسا بندہ ایسا ہے جس کی دل میں اللہ کو دیکھنے کی تمنا نہیں ہے ساری عبادتیں ہی اس لئے کرتے ہیں کہ اس کو دیکھ لیں اور یہ کوئی محض طبعی تمنا نہیں ہے بلکہ شرعی تمنا بھی ہے

یعنی شریعت نے بھی یہی ہدایت کی ہے، فرمایا ہے۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَمَا تَكُنْ تَرَاهُ مَا نَنْتَ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ يَا اَكْبَرُ اللّٰه کی عبادت اس طرح کر دیجیسے تم اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہے ہو اگر یہ صورت نہیں تو کم از کم یہ یقین رکھو کہ اللہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ یہ جو دیکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عبادت کی ہی جاتی ہے دیکھنے کے لئے۔ کہ معبود کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

یہ تمنا ہر شخص کے دل میں ہے۔ نماز کے ذریعہ دیکھنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو ظاہر میں اس کی نظر ہوتی ہے چٹائی کے اوپر اور حقیقت میں نظر ہوتی ہے اللہ کے چہرے کے اوپر۔ لیکن راج نمازی کو غم و غصہ نہیں ہو رہا ہے کہ میں اللہ کا چہرہ دیکھ رہا ہوں، مگر جب غلبہ میں جتے جتے آخر وقت اُٹے گا اور تھوڑی عمر اسی تصور میں گزر جائے گی تو اچانک وہ جلوہ نگاہ کے سامنے آجائے گا جس کی تمنا میں آدمی عبادت کیا کرتا تھا تو عبادت کی ہی جاتی ہے دیکھنے کے لئے مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ عابد و معبود کا آمنا سامنا ہو جائے تو اس حدیث میں اس کی تدبیر بتلائی کہ دل میں تصور یہ باندھے کہ میں اللہ کے سامنے حاضر ہوں اس کے چہرے پر میری نگاہ ہے میں اس کو دیکھ رہا ہوں پھر اس کے ساتھ کلام اللہ کی تلاوت ہوتی ہے نماز میں اس کے حق تعالیٰ شانہ کے اوصاف و کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ الْاَرْحَمِينَ الْاَرْحَمِينَ ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو ہمارے والد ہے جہانوں کا رحمان رحیم ہے۔ فَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ يَا قَدِيرُ قِيَامَت کے دن کا مالک ہے۔ جس میں سارے اولین و آخرین جمع ہوں گے آج بھی اس کی حکومت ہے مگر اس روز اس کی حکومت نمایاں ہو جائے گی سارے بنی آدم کے اوپر تو حق تعالیٰ شانہ کو دیکھنے کی مشق کرتے رہنے سے جب عمر بھر یہ تصور ہے گا تو ایک نہ ایک دن وہ چہرہ سامنے آجائے گی جسے دل میں جملہ رکھا تھا۔

کسی چیز کے دل میں جمنے کے بعد اس کا دیدار آسان ہو جاتا ہے۔ یہ ایک انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کا وہ تصور دل میں جمالیتا ہے وہ آنکھوں

کے سامنے آجاتی ہے بعض بزرگوں کے یہاں کچھ لوگ حاضر ہوئے ایک صاحب آئے انہوں نے بیعت کی ان بزرگوں نے ان کو اللہ کا نام بتلادیا کہ ذکر ستر کرو بیٹھ کر وہ کرتے رہے مگر قلب میں یکسوئی نہیں ہوئی کہ ہر طرف سے ہٹ کر قلب ایک ہی طرف متوجہ ہو جائے گا شیخ نے بہت تدبیریں کیں مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی، دل میں طمانیت اور دلجمعی پیدا نہیں ہوئی آخر میں شیخ نے کہا کہ تمہیں دنیا میں کسی چیز سے محبت بھی ہے؟ کہا مجھے بھینس سے محبت ہے تو شیخ نے ایک حجرے میں بٹھلادیا کہ اچھا بھینس کا تصور کرو مقصد یہ تھا کہ جس چیز کی رغبت ہے جب اس کا تصور جمالے گا اور یکسوئی پیدا ہوگی تو قلب کو اللہ کی طرف متوجہ کر دوں گا۔

تو حکم دیدیا کہ اچھا بھینس کا تصور کرو۔ حجرے میں بٹھلادیا چالیس دن بیٹھ کر تصور کرو بھینس کا وہ ہر وقت صبح شام حجرے میں بیٹھ کر بھینس کا تصور کرتے جب ایک چترہ گذر گیا تو شیخ اس مرید کو اٹھانے کے لئے آئے اور کہا کہ چلو باہر نکلو چلے پورا ہو گیا وہ دروازے کے باہر آئے لگا۔ تو جھکا فرمایا نکلتے کیوں نہیں کہنے لگا کہ بھینس کھڑی ہے گو وہ تصور جتنے جتنے اتنا جگا کہ بھینس کا نقشہ ہی سامنے آگیا شیخ نے جب دیکھا کہ تصور میں کمال پیدا ہو گیا تو انہوں نے اپنے تصرف سے اس کو متوجہ کر دیا حق کی طرف کہ بس دل میں اللہ ہی اللہ جم جائے۔ تو یہ ایک فطری بات ہے کہ آدمی جس چیز کا تصور دل میں باندھ لیتا، وہ ہی چیز آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اسی طرح سے جب قرآن کریم پڑھتے ہوئے حق تعالیٰ کا دھیان دل میں جمائیں گے وہ جم جائے گا ایک وقت آئے گا کہ جس چیز کو دل میں جمایا تھا تو وہ آنکھوں کے سامنے آجائے گی۔ یہ فطرت کے مطابق ہے دنیا کی چیزیں چالیس دن بعد آجائیں گی، سو دن بعد آجائیں گی لیکن چونکہ یہ اعلیٰ ترین جمال ہے اس لئے اس میں پوری عمر چاہیئے اگر پوری عمر تصور جمائے تو پھر وہ شے سامنے آجائے گی اور جمال خداوندی نمایاں ہو جائے گا۔

اس لئے میں عرض کر رہا تھا کہ جس کو یہ شوق ہو کہ میں حق تعالیٰ کی زیارت کروں اس کا طریق یہی ہے کہ قرآن کریم پڑھتے ہوئے ہر حرف پر اس کا دھیان جمائے اور

جاکر اس کو دل میں راسخ کر لے تو دنیا میں بھی جلوے نمایاں ہوں گے اور آخرت میں بھی دیدار ہو جائے گا۔ تو آپ نے بہت بڑا اقدام کیا ہے اور بڑی سعادت کا اقدام ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ شروع کیا ہے۔

قرآن کریم کو دستور العمل سمجھ کر پڑھنا اور سننا چاہیے۔

اگر ترجمہ سرسری طور پر سنا جائے تو ثواب تو ملے گا ہی لیکن اس دھیان سے ترجمہ ہو کہ میرے اللہ نے کیا کہا ہے پڑھ کر کیا دستور العمل ہے جس پر میں چلوں تو ایک تو ہے محض اتنے سمجھ لینا ایک ہے اس معنی کو اپنا دستور العمل بنانا کہ اس پر مجھے چلنا ہے چونکہ قرآن کریم قانون کی کتاب ہے اور قانون محض اس لئے نہیں پڑھایا جاتا کہ آدمی اس کو رٹ لے اس لئے پڑھایا جاتا ہے کہ گورنمنٹ کے احکام اور اس کی پالیسیاں معلوم ہوں تاکہ جرائم سے بچے اور صحیح طہر پر چلے قانون کے اوپر۔ تو اللہ نے اپنا کلام نازل فرمایا مگر محض تقویت کے لئے نہیں کہ اس کو رٹ لیا جائے یہ تو ابتدائی درجہ ہے اصل یہ ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ اس میں کہا کیا جا رہا ہے یہ کلام کیوں کیا ہے۔ اس میں خطاب کیا ہے مجھے کس طرح سے زندگی گذارنی ہے۔ یہ میرا دستور العمل ہے۔ اس نیت اور قصد سے اور اس عزم سے جب آپ پڑھیں گے تو کیفیات کچھ اور ہوں گی تو اسٹس میں نے عرض کیا کہ ایک بہت بڑی سعادت کی بات آپ نے کی ہے کہ ترجمہ شروع کیا ہے۔

کلام متکلم کے اندر سے نکلتا ہے

قرآن کریم کے بارے میں حدیث نبوی میں ارشاد فرمایا گیا ہے تَبَدَّلْتُ بِالْقُرْآنِ قَوْلَهُ كَلَامًا اللَّهُ وَخَرَجَ مِنْهُ بَرَكَةٌ حَاصِلٌ كَرَأْسِ كَلَامِ خَدَّادِنْدِی سے اس لئے کہ یہ اللہ کے اندر سے نکل کر آیا ہے کلام جو ہوتا ہے وہ متکلم کے اندر سے نکل کر سامنے آتا ہے وہ اس کے جذبات ہوتے ہیں ان کو الفاظ کا جامہ پہنا دیا جاتا ہے۔ میں کوئی بات ہنسی کی کہوں تو آپ ہنس پڑیں گے یہ لفظوں کا اثر نہیں ہے بلکہ یہ اس جذبہ کا اثر ہے جو میرے قلب میں موجود ہے کہ میں آپ کو ہنساؤں لفظوں کو توڑ بنایا ہے۔ اگر جی چاہا کہ آپ کو زلایا جائے تو ایسا کلام کیا جائے کہ آنکھوں سے آنسوؤں ٹپک پڑیں تو وہ لفظوں کا محض اثر نہیں وہ ان جذبات کا اثر ہوتا ہے جن کا بدلنے والے نے قصد کیا ہے آج لفظوں

کو اڑ بنایا اور جذبات اپنے پیوست کر دیئے قلب کے اندر کر دپڑا آدمی، پھر آپ کے دل میں جذبہ آیا کہ فلاں کو خوش کروں اور ہنسا دوں تو کچھ ایسے بول بولے کہ خواہ مخواہ ہنس پڑا اور خوش ہو گیا۔ وہ محض لفظ نہیں ہیں بلکہ وہ اندر کے جذبات ہیں جنہوں نے الفاظ کا جامہ پہن کر اس کے دل میں اتر ڈالا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم کے الفاظ نازل فرمائے ان الفاظ میں وہ کمالات چھپے ہوئے ہیں جو بولنے والے کے اندر تھے وہ کمالات ظاہر ہوتے ہیں ان الفاظ کے ذریعہ۔ دنیا میں کوئی بھی جذبہ بغیر لفظوں کے سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے لفظوں کو بیچ میں لانا لازمی ہے اور ان ہی الفاظ کے اندر اللہ تعالیٰ نے کھپایا ہے اپنے کمالات کو اور ان ہی الفاظ کے ذریعہ ان کمالات کو بندوں تک پہنچایا ہے اور ان کے دل میں اتارا ہے ان کمالات کو اپنے دل میں حاصل کرنے کی نیت سے اگر آپ تلاوت کریں گے اور دھیان اس پر دیں گے کہ کیا کہا جا رہا ہے اور میرے دل میں کمالات کس طرح اتر رہے ہیں تو پھر اور ہی شان ہوگی اسی کو حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے تَبَرُّكَ بِالْقُرْآنِ فَاتَّهَ كَلَامُ اللَّهِ وَخَرَجَ مِنْهُ بَرَكَةٌ حَاصِلٌ كَرَدَاسِ قُرْآنٍ سَعَىٰ يَهُ اللّٰہُ كَا کَلَامِ هَے اُور اَس كَے اُند ر سَے نِکلا هَے بولنے والا جو بولتا هَے وہ اُند ر سَے بولتا هَے لفظ اُتر ہوتے هَے۔

کلام اللہ ذریعہ ہے تعلق مع اللہ کا

یہ جو فرمایا ہے خروج منہ۔ اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ جس کلام اللہ سے اپنا پورا علاقہ قائم کر لیا ہے اس کلام اللہ کے باطن سے علاقہ قائم کر لیا ہے اور جب وہ باطن سے آئے گا۔ تو اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ بندہ جڑ چکا ہے حق تعالیٰ کے باطن سے اس کے کمالات سے تو قرآن کریم ایک تبرک ہے اور جتنی بھی عالم میں چیزیں ہیں وہ سب تبرکات ہیں اللہ کے۔ یہ زمین بھی اللہ کا تبرک اور عطیہ ہے۔ جس سے ہم کام چلاتے ہیں یہ آسمان اور چاند سورج بھی اللہ کے تبرکات ہیں جن سے ہم فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لیکن آسمان زمین، چاند سورج۔ یہ اللہ کے اندر سے نکل نہیں آئے ہیں اللہ نے ان کو پیدا فرمایا ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں ہی ایسی ہیں کہ اللہ کے حکم سے وہ پردہ عدم سے وجود میں آتی ہیں اللہ کے اندر

نے نکل کر نہیں آئیں مگر قرآن اندر سے نکل کر آیا ہے۔ یہ تو کلام ہے اس لئے قرآن سے تعلق اللہ کے باطن سے تعلق ہے آپ کو ادھر کھینچنے کے لئے اللہ نے ایک رسی لٹکا دی ہے جس کے ذریعہ آپ کو کھینچ لیا جائے شیخ محی الدین ابن عربی بہت بڑے صوفیاء دین ہیں اور بہت بلند درجہ اکابر اولیاء میں سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ صرف ان کا اپنا دعویٰ نہیں قرآن وحدیث سے بھی بہی نکلتا ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک جتنا علاقہ ہے جہنم کا علاقہ ہے اسی میں قیامت کے دن آگ اور تکلیف دہ چیزیں نمایاں ہوں گی۔ تو اب یوں سمجھنا چاہئے کہ اس وقت ہم سب جہنم میں موجود ہیں۔ حق تعالیٰ نے اوپر سے ایک رسی لٹکائی کہ جسے نکلنا ہو وہ اس رسی کو پکڑ لے جب ہم اس رسی کو کھینچیں گے وہ بھی کھینچ کر ہمارے پاس آجائے گا اور اس علاقہ سے نکل جائے گا وہ رسی درحقیقت قرآن کریم ہے اسی کو قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے، **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا**۔ اللہ کی رسی کو سب مضبوط تھام لو، **يُجْبِلَ اللَّهُ الْمُسْلِمَ فِي رُحْمِهِ** لٹکائی ہوئی رسی ہے جو عرش سے لٹکائی گئی ہے اور زمین پر آئی ہوئی ہے جب وہ رسی کھینچ کر اوپر جائے گی تو جنہوں نے اس رسی کو تھام رکھا ہے وہ بھی اس علاقہ جہنم سے کھینچ کر اوپر کو چلے جائیں گے۔ تو کفار کو جہنم میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی وہ تو ہیں ہی جہنم میں۔ مومن کو بھاگ نکلنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ رسی کو مضبوط تھام لے جب رسی کھینچی جائے گی یہ بھی کھینچ کر اس علاقہ جہنم سے نکل جائے گا۔

اللہ کی رسی دل سے پکڑی جاتی ہے ہاتھ سے نہیں

اب ظاہر بات ہے کہ رسی کوئی سن کی ٹہنی ہوئی تو ہے نہیں اور ریشم کی نہیں کہ اس کو ہاتھ سے تھاما جاسکے، یہ تو علوم و کمالات کی رسی ہے جس کے تھامنے کے معنی یہ ہیں کہ دل سے ایمان لا کر اسے دل میں جمائے ہاتھ سے پکڑنے کی چیز نہیں دل سے پکڑنے کی چیز ہے جس نے اس رسی کو دل کے ہاتھوں سے تھام لیا وہ بٹ گیا اللہ کی رسی میں اس لئے فرمایا گیا کہ وہ بھی کھینچ کر اللہ کے باطن تک پہنچ جائے گا یعنی اس کے ساتھ مربوط ہو جائے

مومن کا مقصد اصلی دیدار الہی ہے۔

آدمی کسی کو دور سے بھی دیکھ سکتا ہے مگر اتنا قریب ہو کہ وہ اپنے پہلو میں ہی

بٹھلا دے تو دیکھنے کے ساتھ ساتھ ملنا بھی ہو جائے گا، یہی وجہ ہے کہ آدمی اپنے کسی بڑے سے ملنا ہے تو دیکھنے پر قناعت نہیں کرتا جی چاہتا ہے کہ مل بھی لوں پھر مصافحہ بھی کرتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ملاحق ہو گیا بدن سے پھر اور بہتات چاہتا ہے کہ معافقہ بھی کر لوں تاکہ پوری طرح سے اس کے ساتھ پیوست ہو جاؤں گا، تو محض دیکھ لینے پر ہی قناعت نہیں بلکہ ملنے کو بھی آگے بڑھتا ہے اور ملنے میں بھی یہ نہیں کہ چھوڑ دے بلکہ معافقہ کر کے چھٹ بھی جاتا ہے تاکہ پوری طرح سے اس کے اثرات اس کے اندر آجائیں تو یہ آدمی کی فطری خواہش ہو قہیے کہ ان کی جس طرح کی عظمت دل میں ہوتی ہے اس انداز سے ملنے کو بھی جی چاہتا ہے محبت کا یہی تقاضا ہے۔ تو حق تعالیٰ شانہ نے یہ قرآن اس لئے اتارا کہ اس کے کلام کو پڑھ کر دیکھ لو اس واسطے کہ اس کے کمالات نظر آجائیں گے۔ اس کے بعد دل میں جم جائیں گے۔ جب دل نے ان کے کمالات کو قبول کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس رسی کو دل کے ہاتھوں سے مضبوط پکڑ لیا پھر جب حق تعالیٰ اس رسی کو کھینچیں گے یہ بھی کھینچ کر جلا جائے گا، ملاقات بھی ہو جائے گی معافقہ بھی ہو جائے گا، اور حق تعالیٰ کے پہلو میں جا بیٹھے گا۔

اہل محشر کے مختلف گروہ

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ پارٹیاں بنادی جائیں گی۔ مختلف اوجھا کے لحاظ سے ان میں کچھ وہ ہوں گے جن کے پاس اعمال سیئہ ہیں ان میں جو عمل غالب ہوگا اسی اعتبار سے گروہ بنائے جائیں گے۔ مثلاً معاوذ اللہ زانیوں کا ایک گروہ ہوگا، چوروں کا ایک گروہ ہوگا اسی لحاظ سے اور دوسری پارٹیاں ہوں گی، اور کچھ لوگ وہ ہوں گے جو اللہ کے پسندید اور محبوب بندے ہیں ان میں جو عمل سب اعمال میں غالب ہوگا اس کے اعتبار سے جماعت بندی کر دی جائے گی۔ مثلاً جس شخص کو اپنے اعمال میں نماز سے زیادہ شغف رہا ہے اس کو نمازیوں کی جماعت میں شامل کر دیا جائے گا، اور جس کو روزہ سے زیادہ شغف رہا ہے اس کو روزے داروں کی جماعت میں شامل کر دیا جائے گا، جس میں صدقات کا غلبہ تھا اسکی دیسی ہی جماعت بنادی جائے گی اور

ہر جماعت لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں ہوگی جس میں بھی جو وصف اور عمل غالب رہا ہے اسی انداز سے ان کی جماعتیں بنادی جائیں گی، انسی طرح سے دنیا میں جو اہل مصیبت گذرے ہیں ان کی جماعتیں الگ ہوں گی۔ مثلاً نابینا جتنے ہیں ان کی ایک جماعت کی جائے گی۔ آدم علیہ السلام کی اولاد میں جتنے نابینا گذرے ہیں وہ سب ایک جماعت میں ہوں گے اور ان کا امام بنایا جائے گا، حضرت شعیب کو آخری عمر میں ان کی بنیائی زائل ہوگئی تھی۔ ان کے ہاتھ میں ایک سفید جھنڈا ہوگا، وہ بجلی کی طرح چمکتا ہوگا۔ حق تعالیٰ ان اندھوں سے خطاب کر کے فرمائیں گے کہ میں نے دنیا میں تمہاری آنکھیں چھین لی تھی ایک بڑی نعمت سے تمہیں محروم کر دیا تھا مگر تم نے صبر کیا کوئی جزع فزع نہیں کیا آج تم کھلی آنکھوں ہو اور یہ حضرت شعیب نورانی جھنڈا لئے جا رہے ہیں۔ اب تم میرے چہرے اور جمال کو دیکھتے رہو ابدال آباد تک تمہاری بنیائی آج کھول دی گئی اور فرمایا جائے گا کہ ہمیں سرش (عرش کی دائیں جانب) میں اگر قیام کر دو تم ہمارے مہمان ہو۔ ان کے سامنے نعمتیں رکھی جائیں گی خدا کا کتنا بڑا احسان ہوگا کہ میدانِ محشر بپا ہے مخلوق کا حساب کتاب ہو رہا ہے اور یہ نابینا لوگ کھلی ہوئی آنکھیں اور اللہ کے یہاں مہمان ہو اور نعمتیں استعمال کر رہے ہوں گے تو جب ان نابینا حضرات کی جماعت اس شان سے آئیگا اور حق تعالیٰ ان سے کلام فرما کر مہمان بنائیں گے ٹھیک اسی وقت میں علماء کی جماعت آگے بڑھے گی اور علماء کہیں گے کہ ہماری ہی تلقین سے اور ہمارے ہی بتلانے سے انہوں نے صبر کیا نہیں کوئی پوچھتا نہیں اور ان اندھوں کو ہمیں عرش میں جگہ دیدی گئی۔ حق تعالیٰ ان نابینا حضرات سے فرمائیں گے کہ انہیں کہنے دو۔ تم آدمیہ عرش میں وہ عرش کی دائیں جانب نعمتوں میں جوں گے۔ علماء وہیں کھڑے رہیں گے۔

اس کے بعد بلایا جائے گا، ان کو جو جزام کے مرض میں مبتلا تھے کہ دنیا والوں نے ان کو اچھوت بنا دیا تھا۔ محشر کے دن ان کے بدن چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے اور ان کا امام بنایا جائے گا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو۔ اور ان کو سبز جھنڈا دیا جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے بہت تکلیفیں اٹھائیں، اور بہت بیماریاں سہیں حق تعالیٰ

فرمائیں گے کہ تم بھی عرش میں آجاؤ۔ پھر علماء ابھریں گے کہ ہمارے ہی کہنے سے تو انہوں نے صبر کیا اور دل میں تسکین پیدا ہوئی اور ہمیں ہی کوئی پوچھتا نہیں۔ اندھوں کو بھی بٹھلا دیا اور کوڑھیوں کو بھی بٹھلا دیا اور ہمیں کوئی پوچھتا نہیں حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ کہنے دو تم ان علماء کو تم آگے چلو۔ اسی طرح سے معاملہ ہوگا۔۔۔۔ اور اہل مصیبت کا جب یہ سب نمٹ جائیں گے پھر حق تعالیٰ علماء کو خطاب فرمائیں گے کہ کیا تم صرف نعمتیں ہی حاصل کرنا چاہتے ہو؟ کیا تم اسی لئے پیدا کئے گئے تھے کہ صرف اپنی ذات کا ہی نفع ڈھونڈو؟ نہیں۔ بلکہ تم بھیجے گئے تھے دنیا کی ہدایت کے لئے یہاں لوگوں کی شفاعت کرو کھڑے ہو کہ جب سب کو بخشوا لو گے تب تم آگے بڑھنا تم اپنے کام کے لئے نہیں پیدا کئے گئے بلکہ دنیا کے کاموں کے لئے پیدا کئے گئے تھے کہ دنیا کے انسانوں کو نفع پہنچاؤ۔ اس وقت ان کا رتبہ ظاہر ہوگا۔ وہ شفاعتیں کریں گے اور لاکھوں آدمی ان کی شفاعت کے بدولت بخشے جائیں گے۔ رب العالمین فرمائیں گے کہ اب تم نے اپنا کام پورا کیا ہے دنیا میں ہدایت کی یہاں شفاعت کی تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں کوئی عہد مل جائے، کوئی نعمت مل جائے، یہ تمہارا کام نہیں تھا۔ تمہارا کام یہ تھا کہ دنیا کو سب کچھ ملے اور تم الگ کھڑے رہو اس کے بعد تمہیں اجر ملے۔ تو بہر حال یہ جو عرش میں جائیں گے۔ یہی ہیں وہ جسے میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ کے پہلو میں جگہ مل جائے گی کہ دنیا میں انہوں نے اللہ کو عقیدہ کی آنکھ سے دیکھا تھا۔ قبریں اس کے جلوے دیکھے، میدانِ محشر میں اسکی تجلی دیکھی اور آخر میں جا کر مل جائیں گے عرش میں حق تعالیٰ کے پہلو میں بیٹھ جائیں گے۔

قرآن کریم میں سعادت ایک بڑی سعادت ہے

یہ قرآن کا اثر ہوگا کہ آپ پڑھیں گے پڑھ کر اس کی چیزیں جمائیں گے دل میں اللہ کے کمالات آئیں گے، عظمت سیٹھی گئی۔ ایمان مضبوط ہوگا اس کے انوار و برکات قلب کے اندر آئیں گے اور پھر وہ ازار محسوس طریق پر قرآن نمایاں ہوں گے اور پھر اس زیادہ محسوس طریق پر رہنمائی کی صحت میں میدانِ محشر بیٹھ نمایاں ہوں گے اور اس کے بعد حق تعالیٰ کا پہلو ہے کہ بس ہمارے پاس آجاؤ تو وہ

ساری چیزیں پوری ہو جائیں گی جو عبادت سے مطلوب تھیں۔ کہ دیکھ بھی لیں۔ اپنے
موجود کے قریب بھی ہو جائیں اس سے مل بھی لیں، اس کے پہلو میں بھی جا بیٹھیں۔
یہ صرف قرآن کریم ہی کے ذریعہ تمنا پوری ہو سکتی ہے۔ تو آپ نے ترجمہ شروع کر
کر قرآن کریم کا درحقیقت راستہ کھولا ہے مسلمانوں کے لئے کہ وہ اللہ کو دیکھ
لیں مل بھی لیں۔ اور اس کے پہلو میں بھی جا بیٹھیں اور اس سے ملا حق ہو جائیں آپ
نے یہ بہت بڑی سعادت کا کام کیا ہے۔

قرآن کریم انقلابی کتاب ہے

یہی قرآن کریم ایک انقلابی کتاب ہے دلوں کو بدل دیتا ہے۔ روحوں کو بدل دیتا
ہے۔ جنہوں نے اسے ہاتھ نہیں لگایا وہ تو نہیں جانتے کہ کیا چیز ہے کیونکہ انہوں نے
استعمال نہیں کیا اس کو۔ اور جب تک کسی چیز کو استعمال نہ کیا جائے اس کے فوائد
معلوم نہیں ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اس کا کوئی اثر ہو سکتا ہے، جیسے قیمتی سے قیمتی دوا
ہو لیکن اس کو استعمال نہ کیا جائے تو وہ کیا اثر کرے گی۔ مثلاً شہد کو کہا گیا ہے کہ اس
میں شفا ہے لیکن کوئی شخص شہد سے گھبراتے اور خیال کرے کہ شہد میرے گھر میں بھی
داخل نہ ہو سکے، تو کیا فائدہ ظاہر ہوگا، ایسے ہی اگر قرآن کریم سے بچتے رہیں گے کہ قرآن کریم
کو سننے بھی نہ اور اس کے پاس پھٹکے بھی نہ تو کیا اس کا نور ظاہر ہوگا، اسی کے لئے نور
ظاہر ہوگا جو اس کو اگر سنے، اس کو پڑھے، اس کو دل میں جمائے۔ اسی سے اس کے انوار
دبرکات نمایاں ہوں گے تو اس کے لئے دیکھا جائے تو قرآن کریم ایک انقلاب کی کتاب
ہے دلوں کو بدل دے۔ روحوں کو بدل دے، کایا پلٹ کر دے۔ زمانہ جاہلیت جو اسلام
سے قبل کا زمانہ ہے اس کے اندر، دلوں میں۔ روحوں میں ہر برائی جمی ہوئی تھی، شرک
میں وہ مبتلا تھے بدعات میں وہ مبتلا تھے، منکرات میں وہ مبتلا تھے۔ چوری و دہشت، زنا کاری،
ساری حرکتیں ان کے اندر موجود تھیں۔ عقیدہ صحیح، نہ عمل صحیح، نہ مال درست۔ بس جیسے
جانور گنڈا رہتے ہیں اس طرح سے زمانہ جاہلیت کا دستور تھا، رات دن دہشتی۔ رات دن
مار دھاڑ، قبیلوں میں جنگ اور کشمکش و خون۔ ہر وقت کا یہی مشغلہ تھا، قرآن کریم آیا

جن دنوں نے اس کو قبول کیا اور اس سعادت کو حاصل کیا تو ایک دم کا یا پلٹتی شروع ہو گئی پہلے ان کا نام تھا جہلاء مکہ، جب اس کو قبول کر لیا اب ان کا نام ہو گیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تو جہلاء مکہ سے بن گئے صحابہ کرام کا وہ زمانہ زمانہ جاہلیت تھا اب اس کا نام ہو گیا خیر القرون کہ دنیا کے سارے زمانوں میں بہترین زمانہ ہے یہ۔ وہ لوگ جو جہالت میں مبتلا تھے وہی حضرات علماء کے استاد بنے۔ عارفانہ کے شیخ بنے۔ پوری دنیا کو نور سے منور کر دیا ایک دم کا یا پلٹ ہو گئی۔ جو ایک ایک پیسے کے لئے ڈکیتیاں ڈالتے تھے گردنیں کاٹتے تھے۔ اور مرتے تھے پیسے کے اوپر آج کی یہ کیفیت ہے کہ گھر بھرے ہوئے ہیں خزانوں سے اور وہ رُخ کر کے بھی نہیں دیکھتے۔

حضرت علی کا واقعہ رضی

حضرت علیؑ ایک مرتبہ خزانے میں تشریف لے گئے تو سونے اور چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، بیت المال میں لاکھوں روپیہ جمع تھا۔ سونے چاندی کو خطاب کر کے فرمایا یا دنیا غریبی غیری اے دنیا دھوکہ کسی اور کو دینا۔ ہم تیرے دھوکہ میں آنے والے نہیں۔ اور خزانچی کو اسی وقت حکم دیا کہ غرابہ میں دولت تقسیم کی جائے رات بھر دولت تقسیم ہوئی۔ اندازہ لگایا تو لاکھوں روپے تقسیم ہوئے، یہ لوگ تھے جو پہلے ایک ایک پانی کے لئے جان دیتے تھے اور آج خزانے پڑے ہوئے ہیں اور اس کو خطاب کر رہے ہیں کہ ہم تجھ پر رجبھے والے نہیں، ہم تجھ پر مرنے والے نہیں ہیں یہ کا یا پلٹ کہاں ہوئی! اس قرآن نے ہی تو دلوں کو بدل دیا تھا، روحوں کو پلٹ کر رکھ دیا تھا، پہلے مال کی محبت تھی، اب کمال کی محبت ہوئی، پہلے مخلوق کی محبت تھی اب خالق کی محبت شروع ہوئی اور محبت میں مستغرق ہو گئے، غرق ہو گئے۔ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔

حضرت جابر کا واقعہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ لکھتی صحابہ میں ہیں ایک دن گھر میں تشریف لائے تو اہلیہ محترمہ نے دیکھا کہ کچھ غمگین اور اُداس ہیں پوچھا کہ آج آپ اداس کیوں ہیں نہ پایا

کہ خزانے میں روپیہ زیادہ جمع ہو گیا ہے دل کے اوپر بوجھ پڑ رہا ہے کہ اتنی خرافات کہاں میرے سر پر لگ گئی۔ اسکی وجہ سے غلگینی ہے۔ بیوی بھی صیابہ تھیں انہوں نے کہا کہ پھر غم کی کیا بات ہے اللہ کے نام پر غریب کو تقسیم کر دو۔ بس تشریف لے لئے اور خزانچی کو بلا کر حکم دیا کہ غریبوں میں روپیہ تقسیم کیا جائے یتیموں اور یتیموں کی مدد کی جائے، تمام رات مدینہ کی گلیوں میں روپیہ تقسیم ہوتا رہا صبح کو جو حساب لگایا تو رات بھر میں چھ لاکھ روپیہ تقسیم ہوا صبح کو گھر پہنچے بہت بھاش بھاش بیوی کے ہاتھ چومے اور کہا کہ بہت عمدہ تدبیر بتلائی غلی میرا دل ہلکا ہو گیا تو پہلے یہ کیفیت تھی کہ ان کا دل ہلکا ہوتا تھا جبکہ دولت زیادہ ہوتی تھی یا آج ہلکا ہونے لگا جب دولت ختم ہو جائے یہ کا پاپٹ نہیں تھی تو اور کیا تھا، انقلاب نہیں تھا تو اور کیا تھا دل بدل دولت سے عورتوں کو زیادہ محبت ہوتی ہے مگر قرآن نے اس کو بدل کر رکھ دیا

دولت کی محبت سب سے زیادہ عورتوں کو ہوتی ہے اور ان ہی سے یہ روگ مردوں کو بھی لگتا ہے اگر عورتیں نہ ہوں تو یہ بھی اس روگ میں مبتلا نہ ہوں اور یہ محبت عورتوں میں اس لئے ہوتی ہے کہ پیدا ہوتے ہی یہ زیوروں کی جھنکار میں ہی پرورش پاتی ہیں آج اس کے کان میں سوراخ کر دیئے تو بالیاں پڑ گئیں۔ ناک چھوڑ دی تو اس میں لونگ گھس گئی ہاتھ پاؤں میں سونے چاندی کی بیڑیاں ڈال دیں وہ بندھ گئیں۔ تو پیدائش سے لیکر وہ مبتلا ہوتی ہیں سونے چاندی میں اس لئے اس کے دل میں محبت بیٹھ جاتی ہے سونے چاندی کی جس کو قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ اَوْصُنْ يَتْمُومَ فِي الْجِلْبَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ کیا یہ عورت جو رات دن زیوروں کی جھنکار میں پرورش پا رہی ہے یہ عقل کامل رکھتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر خاوند سے تو تو میں میں ہو جائے تو خاوند تو اپنے دلائل پیش کرے گا اور یہ وہی مرثی کی ایک ٹانگ بانگے جائے گی نہ دلیل نہ حجت یہ اسی پر مبنی رہے گی تو جو کلام کی ایک قوت ہوتی ہے وہ نہیں رہتی کیونکہ علم نہیں اور علم اس لئے نہیں کہ مال یعنی سونا چاندی اندر گھسا ہوا ہے علم نورانی ہے

اور دولت سیاحیز ہے اور سیاحی کے ساتھ نور جمع نہیں ہوتا ہے اور سیاحی آنکھوں سے نظر آتی ہے آپ خود دیکھتے ہیں اب تو خیر وہ روپیہ نہیں رہا۔ سونے چاندی کا اب تو کاغذ رو گئے ہیں مگر جب سونے چاندی کے سکے تھے تو اگر پچاس روپیہ گن لیں تو انگلیاں سیاہ ہو جاتی تھیں تو سونے چاندی میں کالک بھری ہوئی ہے گنتے گنتے ہاتھ بھر سیاہ ہو جاتے تھے جو عورتیں رات دن پیروں میں زیور پہنتی ہیں تو ان کے ٹخنوں پر سیاہ داغ پڑ جاتے ہیں حضرت مولانا نانوتوی کا مقولہ میں نے سنا اسی کے بارے میں فرمایا کہ دست زر آلود این قدر بدبو می کند۔ قلب زر آلود چہ قدر بدبو خواهد کرد یعنی جو ہاتھ سونے چاندی کو لگتے ہیں اس میں اس قدر بدبو آ جاتی ہے اگر کوئی دل اٹک جاتے سونے چاندی میں تو دل یکٹنی بدبو پیدا ہوگی اور کتنا نفقہ پیدا ہوگا تو عورتوں کے بارے میں فرمایا اَوْصِنْ يَنْشَوْنِي الْمَلِيحَةِ جب وہ عورتیں زیورات میں ہی نشوونما پاتی ہیں تو ان کے اندر علم و کلام کی قوت کہاں سے ہو سکتی ہے وہ تو مرغ کی ایک ہی ٹانگ بانکے جائیں گی، نہ نجات، نہ دلیل۔ دوسرا لاکھ دلیلیں بیان کرے وہ اپنی ہی ہٹ پر رہیں گی چونکہ دولت سے زیادہ محبت ہوئی مگر قرآن کریم نے عورتوں کے دل اتنے بدل دیئے تھے کہ بجائے محبت کے بیزاری پیدا ہو گئی تھی سونے چاندی سے حضرت عائشہ صدیقہ کے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ مکہ کے حاکم ہو گئے تھے تو انہوں نے بوریاں بھر کر گھروں کی اور زیوروں کی اپنے خالہ کے ہاں ہدیہ کے طور پر بھیجی تو اندازہ کیجئے کتنے ہزاروں اور کتنے لاکھوں روپے ہوں گے جبکہ دو بوریاں بھری ہوئی ہوں ایک طرف سونا اور ایک طرف چاندی یہ تمام سامان لے کر خالہ کے گھر پہنچے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں کیا کر دوں گی اتنی دولت کو اس کو غریبوں میں تقسیم کر دو وہ دولت غریبوں کو تقسیم ہونی شروع ہو گئی۔ صبح سے تقسیم کرنا شروع ہوئی اور شام تک دو بوریاں خالی ہو گئیں باندی نے عرض کیا کہ ام المومنین تین وقت سے آپ پر فاقہ ہے کچھ آپ نے بھی رکھ لیا ہوتا فرمایا کہ بیوقوف پہلے سے کیوں نہیں کہا دو چار روپے میں بھی رکھ لیتی تو حالت یہ تھی کہ ذہن میں یہ بھی نہیں کہ تین وقت سے فاقہ میں ہوں اور مجھے کچھ رکھ لینا چاہیے

اس قدر گویا کہ غنی ہو گئی تھیں زر سے اور دولت سے کہ یہ بھی یاد نہیں تھا کہ مجھے فاقہ ہے کچھ مجھے رکھنا چاہیے باندی کے یاد دلانے پر یاد آیا تو عورتوں کے دل میں زیادہ محبت ہوتی ہے یہ انقلاب تھا قرآن کا پیدا کیا ہوا کہ عورتوں کے قلوب کو بھی آتش پاک بنا دیا تھا کہ انہیں یہ بھی یاد نہیں آتا تھا کہ پیسہ پاس نہیں ہم فاقہ سے ہیں یہ قرآن کا ہی تو انقلاب تھا تو قرآن کریم دنیا میں بھی انقلاب پیدا کرتا ہے آخرت میں بھی۔ دنیا میں تو یہ کہ دل کے اندر بجائے کفر و معصیت کے ایمان کی حلاوت پیدا کرتا ہے اور آخرت میں جہنم سے بچا کے جنت میں پہنچاتا ہے فتنوں سے نکال کر امان میں پہنچاتا ہے قرآن یہاں بھی انقلاب لاتا ہے اور آخرت میں بھی انقلاب لاتے گا اور برزخ میں قبر کے اندر بھی انقلاب لاتے گا

فضیلت سورۃ تبارک

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سورۃ تَبَارَكَ الَّذِی کے بارے میں حکم یہ ہے کہ عشرہ کے بعد اس کی تلاوت کر کے سویا کرو۔ اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے اَللّٰہُ اَفْعٰی الْمُنِجِیۃُ هِیَ الْمُنِجِیۃُ یہ واقعہ بھی ہے کہ عذاب کو دفع کرتی ہے، یہ مانعہ بھی ہے کہ روک لگاتی ہے معصیتوں پر یہ منجیہ بھی ہے جو نجات دلاتی ہے عذاب سے، تو قبر کے اندر نجات دلا دیتا۔ عذاب کو دفع کر دینا اور روک دینا یہ خاصیت ہے تَبَارَكَ الَّذِی کی۔ اسی واسطے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سوتے وقت سورۃ تَبَارَكَ الَّذِی پڑھ کر سویا کرو۔ اس لئے کہ سونا اور مرنا برابر ہے سونے والا گویا کہ موت کے منہ میں جا رہا ہے موت سہل ہونے کے لئے ہی فرمایا ہے کہ سورۃ تبارک الذی پڑھو۔ یہ برزخ میں بھی نجات دلاتے گی میدانِ عشر میں بھی بچائے گی یہ امر ہے شریعت کا اگر کوئی حافظ ہے تو حفظ پڑھ لیا کرے اور حافظ نہیں ہے تو دیکھ کر پڑھ لیا کرے پانچ منٹ کی کیا بات ہے عشر کا وضو ہوتا ہی ہے پڑھ کر سو جائے اس برکات حاصل ہوں گی

سورۃ تبارک کا فرشتوں اور حق تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ

حدیث میں آیا ہے کہ جب میت کو قبر میں لٹا یا جائے گا اور عذاب کے فرشتے ہر

طرف سے گھیر لیں گے، اس وقت سورۃ تَبَارَكَ الَّذِي کو ایک شکل دی جائے گی۔ وہ اس شکل میں آکر کہے گی کہ خبردار جو تم آگے بڑھے اس عذاب کو فوراً روک لو تو ملائکہ عذاب کہیں گے کہ ہم کو تو اللہ کا حکم ہے ہم آپ کے کہنے سے کیسے روک جائیں گے وہ کہے گی کہ میں اللہ کا کلام ہوں۔ فرشتے کہیں گے کہ یہ سب کچھ صحیح ہے کہ آپ اللہ کا کلام ہیں مگر وہاں سے ----- ہمیں کلام والے کا آرڈر ہے کہ عذاب دو تو ہم کیسے روک جائیں تو یہ سورۃ غضب ناک ہو جائے گی اس پر ملائکہ عذاب کہیں گے کہ آپ اللہ سے کہیں ہمیں نہ روکیں ہم آپ کے کہنے سے روک نہیں سکتے۔ ہم تو آرڈر کے پابند ہیں تو وہ سورۃ کہے گی کہ ایک منٹ روک جاؤ۔ اسی وقت عروج ہو گا اور پہنچے گی حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں اور جا کے کہے گی بہت غصے سے کہ یا تو اے اللہ مجھے اپنے کلام سے نکال دے کہ میں آپ کے قرآن کی سورت نہ رہوں۔ اور اگر میں سورت ہوں تو اس کے کیا معنی ہیں کہ ملائکہ میری تعمیل نہیں کرتے ہیں۔ میں تو آپ کا کلام ہوں۔ میں آرڈر دیتی ہوں کہ وہ روکیں عذاب کو مگر وہ روکتے نہیں تو یا تو مجھے قرآن سے نکال دیجئے اور رکھنا ہے تو اس کے کوئی معنی نہیں کہ میرا حکم نہ چلے حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے۔ اَیُّتِلَیْ غَفِیْتُوْا میں دیکھتا ہوں تو تو بہت غصہ میں بھری ہوئی ہے تو کہے گی وَحَقِّیْ اِنْ اُغْضِبَ مجھے حق ہے کہ میں غصہ کروں، میں کوئی معمولی چیز نہ نہیں ہوں میں آپ کا کلام ہوں کیا وجہ ہے کہ میری تعمیل نہ کی جائے حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے اس میت کو تیرے پروردگار دیا جو مناسب سمجھے تو کراہ آئے گی آرڈر لیکے اور ملائکہ عذاب سے کہے گی خبردار جو تم آگے بڑھے یہ آرڈر ہے تو حدیث میں آتا ہے کہ وہ ملائکہ منہ بسورتے ہوئے رخصت ہوں گے جیسے کوئی شرمندہ شکست کھا کر جاتا ہے کہ ہماری کچھ بات بھی نہ چلی وہ منہ بسورتے ہوئے واپس ہوں گے۔ اور قبر خالی ہو جائے گی ملائکہ عذاب سے۔

سورۃ تبارک کا میت کے ساتھ برتاؤ۔

حدیث میں ہے کہ یہ سورہ میت کے منہ پر اپنا منہ رکھے گی جیسے کوئی بوسہ لیتا ہے اور کہے گی کیا مبارک منہ ہے کہ جس سے میری تلاوت کی گئی تھی۔ پھر سینے پر منہ رکھے

گی کہ کیسا مبارک سینہ ہے کہ جس میں محفوظ تھی۔ پھر قدموں پر منہ رکھے گی کہ کیسے مبارک قدم ہیں کہ جن سے کھڑے ہو کر میری تلاوت کی گئی تھی اور اس وقت میت سے کہے گی کہ تو آرام سے اور اطمینان سے رہ کوئی تیرے اوپر بار نہیں میں موجود ہوں کوئی فکر کرنے کی بات نہیں۔ تو قرآن کریم دنیا میں کا یا پلٹ کر دے تو قلوب کو نورانی بنا دیتا ہے برزخ میں کا یا پلٹ کر کے عذاب کو دفع کرتا ہے اور میدان عشر میں اللہ کے عین میں پہنچا دیتا ہے۔ تو قرآن کریم میں ایک تبدیل اور انقلاب کا مادہ ہے کہ دلوں کو بدل دے روحوں کو بدل دے، ناپاک کو پاک بنا دے یہ انقلاب کا مادہ قرآن مجید موجود ہے

انقلابِ عظیم

دنیا میں کتنا بڑا انقلاب پیدا ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قرآن کریم کی تلاوت کی ہے تو لوگ بدل گئے جو جاہلین مکہ تھے وہ صحابہ کرام بن گئے زمانہ بدل گیا جاہلیت کے بجائے خیر القرون اس کا نام ہو گیا اور صحابہ اس مقام پر پہنچے کہ امت کا عقیدہ ہے کہ اَلْحَقَّ اَبَةُ كُلِّهُمْ عَدُوٌّ سارے صحابہ متفق۔ پارسا۔ پاک دامن اور قلوب کے اندر کامل تقویٰ لئے ہوئے ہیں حق تعالیٰ نے ان ہی کے لئے فرمایا اُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاٰثِدُوْنَ ہر لوگ ہیں جو بزرگ اور برتر ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ فَهُمْ لَیْسُوْا بِاللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ وہ لوگ ہیں جو جانچے اور پر رکھے ہوئے ہیں کہ اللہ جانچ چکا ہے ان کے تقوے اور پاکیزگی نفس کو اس امتحان کے بعد صحابہ سے کسی عمل میں کسی غلطی کا ہو جانا تو ممکن ہے مگر نیت کی خرابی سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی ہے اللہ نے شہادت دی ہے کہ قلوب ان کے پاک ہیں اس لئے بد نیت سے وہ کوئی عمل نہیں کریں گے۔ یہ من ہے کہ رائے کی غلطی سے خطائے اجتہادی سے یا خطائے فکری سے کوئی کام کر لیں لیکن قلوب ہوتے ہیں پاک۔ تو متقی آدمی سے اگر کبھی گناہ بھی ہو جائے تو وہ متقیوں کے دائرے سے کبھی خارج نہیں ہوتا اس لئے کہ قلب میں پاکیزگی ہے۔ بشری غلطی ہر ایک کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔ انبیاء معصوم ہیں۔ انبیاء کے بعد کوئی بھی معصوم نہیں۔ تو گناہ بھی ہو سکتا ہے غلطی بھی

ہو سکتی ہے مگر دلوں کا کھوٹ صحابہ میں نہیں اسی کی شہادت قرآن میں دی ہے کہ
 اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ ثُمَّ يَتَّبِعُوْنَ اٰوَادَ الَّذِيْنَ هُمْ اُولُوْا لِحَاثٍ اُولَٰئِكَ
 پر کھے ہیں یہ تقویٰ و طہارت سے بھرے ہوئے ہیں اُوْلَٰئِكَ هُمُ الرَّاٰثِدُوْنَ
 یہی ہیں بزرگ لوگ۔ وَ السَّابِقُوْنَ اَلَا وَلَوْ نِ مِنَ الْمُہَاجِرِيْنَ وَ اَلَا نَصَارَا
 وَ الَّذِيْنَ اَتَّبَعُوْهُمْ يٰحَسْبُ مَرْضٰی اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ دَخَلُوْا عَنْدَهُ وَ ہ لوگ
 جو اول اول ایمان لائے مہاجرین ہوں یا انصار ہوں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ان
 کے تابع ہو کر ایمان لائے سب کے بارے میں فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہوا وہ اللہ
 راضی ہیں یہ وعدہ قیامت تک کیلئے ہے کیونکہ یہ قرآن میں مذکور ہے اور قرآن قیامت
 تک رہے گا۔ تو رضا کا جو اعلان ہے یہ بھی قیامت تک ہے یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ
 درمیان میں معاذا اللہ کچھ صحابہ ہٹ گئے ہوں اگر ہٹ جاتے تو اس قول کے کوئی
 معنی نہ رہتے یہ تو ابدی قول ہے ازل سے چلا ہے اس لئے صحابہ کرام اول سے لیکر
 اخیر تک مرضی اور پسندیدہ رب اور مقبولان خداوندی میں سے ہیں
 صحابہ کا مقام غیر کے مقابلہ میں۔

اس لئے امت کا عقیدہ ہے کہ اس امت میں بڑے سے بڑا غوث قطب اور
 ولی کامل بھی بن جائے مگر صحابی کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا ہے، اس لئے کہ صحابہ نے ان
 آنکھوں سے زیارت کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی ان کانوں سے سنا
 ہے کلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا، ان ہاتھوں سے مصافحہ کیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم اور آپ
 بعد کے لوگ تو عقیدے سے جانتے ہیں وہ آنکھوں سے ہاتھوں سے جانتے تھے۔ تو جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
 سے بلا واسطہ متصل ہیں اور برکتیں لی ہیں وہ برکت دوسروں میں نہیں آ سکتی دوسرے
 اگر لیں گے تو ان کی تابعداری اور پابندی کر کے تو لے سکتے ہیں اور اگر تابع ہونے سے
 الگ رہ جائیں تو کچھ بھی نہ ملے گا بہر حال ایک تو وہ شخص ہے کہ براہ راست و صوب
 میں آکر کھڑا ہو جائے اور سورج اس کے سر پر ہے تو گرمی اور نپیش اور نورانیت کتنی
 ہوگی؟ اور ایک وہ شخص ہے کہ مکان میں بیٹھا ہوا ہے۔ اور آفتاب کی روشنی تو آ رہی

ہے مگر آفتاب سر پر نہیں تو یقیناً نور بھی ہلکا ہو جائے گا۔ اور گرمی بھی ہلکی ہو جائے گی۔ تو صحابہ وہ ہیں کہ انہوں نے آفتاب نبوت کی گرمی کو بلا واسطہ اپنے سر کے اوپر بیاہے۔ اور ہم وہ ہیں کہ مکانوں کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں کچھ روشنی پہنچ گئی جس سے ہماری آبادی آنکھیں کھل گئیں براہ راست سورج ہمارے سر کے اوپر نہیں ہے تو صحابی کی شان جیسی غیر صحابی نہیں بن سکتی ہے صحابہ بہت اونچے مقام پر ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَصْحَابِي كَالْبَحْوَمِ فِيْلَيْهِمَا قَدْ يَنْتَدُوْا اِهْتَدَلَتْ يَتَدُوْا میرے سارے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں جس کی روشنی میں چل پڑو گے ہدایت پاؤ گے۔ آپ نے لوری قوم کو ہادی اور ہدایت یافتہ فرمایا۔ گو من حیث الطبقة۔ کوئی طبقہ ایسا نہیں ہے کہ جس کی قرآن نے تقدیس اور بزرگی بیان کی ہو سوائے صحابہ کے کہ ان کی بزرگی کا قائل خود قرآن کریم ہے تو ان سے زیادہ مقدس پارسا۔ پاکباز کون ہو سکتا ہے۔ تو امت میں بڑے سے بڑا ولی، غوث قطب۔ بھی بننے صحابی کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔

مرتبہ صحابہ پر ایک واقعہ۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ امیر معاویہ افضل ہیں یا عمر ابن عبد العزیز افضل ہیں امیر معاویہ صحابی ہیں۔ اور عمر بن عبد العزیز تابعی ہیں انہوں نے حضور کو نہیں دیکھا ہاں حضرات صحابہ کرام کو دیکھا ہے۔ مگر عادل اتنے بڑے تھے کہ لوگ ان کو عمر ثانی کہتے ہیں یعنی حضرت عمر کا دور لوٹ آیا تھا ان کے زمانہ خلافت میں عدل و انصاف انتہائی درجہ پر تھا۔ اس عدل و انصاف کے باوجود تین سو نفلیں بھی ثابت ہیں جو روزانہ پڑھتے تھے اور علمی مشغلہ الگ تھوڑی عمر ابن عبد العزیز کا بہت ہی اونچا مقام ہے اور امیر معاویہ سے ان سے ان کے دور خلافت میں کچھ خطا اجتہادی اور خطائے فکری بھی ہوئی ہیں اس بنا پر لوگوں نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا کہ حضرت عمر ابن عبد العزیز افضل ہیں یا امیر معاویہ۔ حضرت حسن بصریؒ نے جواب دیا کہ اگر امیر معاویہ گھوڑے پر سوار ہوں اور گھوڑے کی ناک میں کچھ پانی

آجائے اور اس پانی پر کچھ گرد بیٹھ جائے وہ گرد ہزار درجہ افضل ہے عمر ابن عبدالعزیز سے اس لئے کہ عمران عبدالعزیز تابعی ہیں اور امیر معاویہ صحابی ہیں اور کوئی شخص کتنے ہی اونچے مقام پر پہنچ جائے مگر صحابہ کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔

صحابہؓ نے دنیا بھر میں انقلاب برپا کیا !!!

صحابہ کرامؓ نے حضور اقدسؐ سے بلا واسطہ قرآن اخذ کیا دل بدل گئے ارفاح بدل گئیں

جذبات بدل گئے۔ پھر جہاں بھی یہ حضرات پہنچے وہاں بھی انقلاب برپا کر دیا۔ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے۔ خیر تخت الٹ دینا تو یہ ہے کہ ملک فتح کر لیا قیصر کا ملک فتح ہو گیا رومی ماتحت بن گئے، کسریٰ کا ملک فتح ہو گیا۔ ایران پر حکومت قائم ہو گئی۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے مگر بڑی بات یہ ہے کہ جہاں بھی صحابہؓ پہنچے ملک بدل دیا، تہذیب بدل دی مذہب بدل دیا، زبان بدل دی۔ ساری چیزوں میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔ آج آپ۔ ممالک عربیہ کہتے ہیں مصر کو شام عراق کو۔ حالانکہ یہ عرب ممالک نہیں تھے۔ عراق جو ہے۔ وہ خراسان کا ملک ہے اس میں اور زبان بولی جاتی تھی۔ عربی نہیں بولی جاتی تھی۔ مصر قبطیوں کا ملک ہے اس میں قبطی زبان بولی جاتی تھی، شام عیسائیوں کا ملک تھا اس کے اندر رومی زبان بولی جاتی تھی، فلسطینی بولی جاتی تھی۔ یہ صحابہؓ کی شان ہے کہ عراق میں پہنچے مذہب بھی بدل دیا۔ زبان بھی بدل دی۔ مصر میں پہنچے مذہب بھی بدل دیا اور زبان عربی ہو گئی۔ تمدن تک بدل دیا۔ تہذیب تک بدل دی تو یہ تبدیلی اور انقلاب کی شان صحابہؓ میں کہاں سے آئی؟ اس قرآن کے ذریعہ سے آئی۔ صحابہؓ اسی کو لے کر کھڑے ہوئے۔ اسی کو دستور العمل بنایا تو عالم کی لایا پلٹ دی

قرآن سے دوری فساد کا سبب ہے

آج جتنا قرآن سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اتنا ہی فساد برپا ہو رہا ہے اور شرک کا انقلاب آتا جا رہا ہے کہ خیر سے شرک کی طرف آرہے ہیں لوگ علم سے جہالت کی طرف آرہے ہیں۔ تہذیب سے بد تہذیب کی طرف تو انقلاب خیر اور انقلاب حسن کو قرآن پیدا کرتا ہے اور انقلاب شرک قرآن پیدا کرتا ہے۔ قرآن کو ترک کر دو گے دوسرا انقلاب

آتا چلا جائے گا۔ تہذیب سے بد تہذیبی ہوتی چلی جائے گی، شائستگی بدل جائے گی۔ ناشائستگی سے علم ختم ہو جائے گا۔ جہالت سے اخلاق حسنة جاتے رہیں گے۔ بد اخلاق پیدا ہوتی جائیں گی اس لئے علم، اخلاق اور کمالات یہ قرآن ہی سکھاتا ہے جب آدمی اس جڑ سے وابستہ نہ رہے تو کمالات کی شاخیں سامنے کہاں سے آجائیں گی۔ بہر حال قرآن برکت بھی ہے۔ ہدایت بھی ہے۔ نور بھی ہے۔ اور وہ انقلاب بھی ہے کہ جب آتا ہے تو کایا پلٹ دیتا ہے۔

جنات کا اسلام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشت سے پہلے جنات اور شیاطین آسمانوں کے دروازوں تک پہنچ جاتے اور ملائکہ کی گفتگو سن لیتے اس میں کچھ جھوٹ ملا کر اپنے مقصد میں اسکی تبلیغ کرتے۔ یہ ان کا مشغلہ تھا۔ آپ کی بشت کے وقت یہ سلسلہ ان کا منقطع کر دیا گیا اب کوئی آسمان پر اگر جاتا ہے تو اسے آگ کے بم مارے جاتے ہیں جس سے وہ بھسم ہو جاتا ہے۔ فرشتے ان کو آسمان کے قریب بھٹکنے بھی نہیں دیتے یہ جنات اس جستجو اور ٹوہ میں تھے کہ کونسی ایسی وجہ ہے کہ جس کی وجہ سے ہم کو روک دیا گیا ہے۔ یہ تو سمجھتے تھے کہ کوئی حادثہ ضرور پیش آیا ہو گا کونسا حادثہ ہے یہ معلوم نہ ہو سکا تھا۔ اسکی جستجو اور تلاش میں نکلے اور ان جنات کا وفد مکہ مکرمہ پہنچا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرما رہے تھے قرآن کریم کی۔ انہوں نے قرآن کریم کو سنا اور سمجھ گئے کہ یہی وہ کلام ہے جس کے نازل ہونے کی وجہ سے ہمارے راستے بند ہوئے ہیں تاکہ ہم اس میں خلط ملط نہ کر سکیں۔ تو انہوں نے جا کر اپنی قوم سے کہا۔ اِنَّا سَمِعْنَا نَدَاءَنَا عِبَادَ يَهُودَىٰ اِلَى الْوُشْدِ فَاَمْتَابِهٖ وَلٰكِنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا۔ ہم آج ایسا کلام سن کر آئے ہیں کہ جو بزرگی کی طرف لیٹا ہوتا ہے رہنمائی کرتا ہے کمالات کی طرف۔ ہم تو اس کلام پر ایمان لے آئے۔ اور ہم شرک نہیں کریں گے۔ ہمیں تو توحید کامل نصیب ہو گئی ہے اس کلام کو سنکر۔ یہی ہے وہ کلام جس کی وجہ سے ہمارے راستے روکے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں مشرکین بھی تھے۔ مشرکین آئے انہوں نے قرآن سنکر توبہ کی۔ کہ وَلٰكِنْ

شُّرَكَاءُ بِرَبِّنا أَحَدًا اب ہم شرک نہیں کریں گے۔ یہ کمال تو ہمیں آج معلوم ہوا کہ توحید اتنی کامل ہے جس کو قرآن لے کر آیا ہے وَأَمَّا تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَليَةً وَّ لَا ذَلَّةً۔ اور ہم توبہ کرتے ہیں اس سے جو ہم نے عقیدہ جمار کھا تھا کہ اللہ کے یہاں کوئی بیٹا ہے۔ اللہ کی کوئی اولاد ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر عیسائی بھی تھے جو کہ عقیدہ انبیت کے قائل تھے۔ اس سے توبہ کی جنات نے۔ تو قرآن کے وہ لفظ کان میں پڑے تھے کہ ایک انقلاب پیدا کر دیا کفر سے ایمان کا لفظ آگئے۔ شرک سے توحید کی طرف آگئے۔ ناشائستگی سے شائستگی کی طرف آگئے

قرآن کریم اخلاق حسنہ پیدا کرتا ہے

یہی قرآن کریم ہے جو لوگوں کے دلوں کو بدلتا ہے۔ اگر اس کو پچھلے ہوئے ہیں تو خیر کی طرف پھرتے رہیں گے اگر اسے ترک کر دیا تو شر کی طرف بڑھیں گے، فتنوں کی طرف بڑھیں گے ایک سے دوسرے کو چین نہیں ملے گی تو قرآن نے پیدا کیا، اشارہ ہمدردی، محبت، خدمت گذاری جذبہ اطاعت۔ اپنے نفع پر اپنے بھائی کے نفع کو ترجیح دینا یہ جذبات پیدا کر دیئے تھے۔ خود غرضی مٹا کر لا غرضی پیدا کر دی اور اس درجہ کہ موت گوارہ مگر اپنے بھائی کا نقصان گوارہ نہیں۔

غزوہ بدر کے اندر بعض صحابہ زخمی ہو کر گرے۔ لشکر میں کچھ آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں جو مجاہدین کی ضرورت پوری کرتے ہیں مثلاً مرہم پٹی وغیرہ۔ انہوں نے اگر مرہم پٹی کی۔ ایک صحابی تھے ان کو پیاس کا غلبہ ہوا تو فرمایا پانی اسوقت ایک آدمی کٹورہ بھر کر پانی کا لایا منہ کے قریب لے گئے کہ قریب سے ایک اور آواز آئی کہ پانی فسر مایا کہ پہلے ان کو بلاؤ۔ میں بعد میں پیوں گا۔ وہاں لے گئے ان کے منہ سے لگایا، ایک تیسری آواز آئی کہ پانی انہوں نے کہا کہ پہلے اسے بلاؤ میں بعد میں پیوں گا۔ وہاں پہنچے تو چوٹی آواز آئی، وہ نہیں پینے پائے کہ پانچویں آواز آئی وہاں پہنچے تو چھٹی آواز آئی۔ غرض سات آوازیں آئیں ساتویں تک پہنچے تو وہ شبید ہو چکے تھے چھٹے کے پاس لوٹ کر آئے تو وہ بھی شبید ہو چکے تھے پھر لوٹے کہ پانچویں کو بلاؤ وہ بھی شبید ہو چکے تھے۔ اسی طرح لوٹ کر آئے رہے اور دیکھتے رہے کہ شبید ہو چکے ہیں یہاں

تک کہ ساتوں کے ساتوں پیالے شہید ہوئے مگر یہ گوارہ نہ کیا کہ میں پانی پیوں اور میرا بھائی برابر میں پیسا لیٹا رہے موت گوارہ کی مگر دوسرے کا پیسا سار ہٹا گوارہ نہ کیا وہی لوگ جو ایک ایک پانی کے لئے دوسروں کے گلے کاٹتے تھے آج ان میں اس درجہ ایشار پیدا ہو گیا کہ موت گوارہ کی مگر دوسرے کی پیاس گوارہ نہیں۔ یہی وہ عظیم انقلاب ہے جو قرآن کریم نے پیدا کیا ہے صحابہ کرام کے اندر۔ ان ہی معشت خاک کو کیمیا بنادیا۔ سونا چاندی بنادیا اور ایسا بنادیا کہ دنیا کی کایا پلٹ کر دی انہوں نے۔

کلام الہی مخلوق نہیں، روح ہے۔

قرآن کریم کے بارے فرمایا گیا کہ تَبَرَّكْتَ يَا نَقْرَانِ الخ برکت حاصل کرو قرآن سے اس لئے کہ یہ اللہ کے اندر سے نکل ہوئی چیز ہے یہ پیدائی ہوئی چیز نہیں ہے کلام خداوندی اس کا پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ اس سے صادر ہو رہا ہے۔ اس نے سورج پیدا کیا اس نے چاند پیدا کیا۔ زمین پیدا کی اور کلام خود بخود اندر سے نکل کر آتا ہے اس لئے کلام مخلوق نہیں ہے۔ مخلوق میں روح بلکہ کلام بھرا ہوا ہے جس کی وجہ سے اشیاء اپنی اصلیت پر قائم اور صحیح معلوم ہوتی ہیں اسی لئے فرمایا کہ کلام اللہ سے برکت حاصل کرو اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اور اللہ کے اندر سے نکل کر آیا ہے۔ پیدا کیا ہوا نہیں ہے پیدا کئے ہوئے تو ہم اور آپ ہیں خداوند عالم نے ان مخلوقات کو اپنے اندر کی چیز نکال کر دی ہے تاکہ ان کے اندر اس کلام کی برکت سے تہذیب پیدا ہو۔ شائستگی پیدا ہو۔ تو اس اعتبار سے دو عالم ہوئے ایک عالم خلق ہے جس کو اللہ نے پیدا کیا۔ اور ایک عالم ارواح ہے کہ اپنے حکم سے اپنے کلام سے اس کے اندر روح ڈالی ہے تو قرآن کریم درحقیقت روح الہی ہے روح خداوندی ہے جس سے اقوام زندہ ہوتیں جو غفلت آیا وہ نہیں پایا، جس نے اسے لے لیا وہی زندہ ہوا۔ حضرات صحابہ نے اس روح کو لیا اس لئے وہ ایسے زندہ ہوئے کہ لاکھوں کروڑوں مردوں کو زندہ کر دیا انہوں نے۔

ہمارا حال

ہم نے آج اس روح کو نکال دیا ہے پس پڑے ہوئے ہیں بے جان جس کا جی چاہے مارے جس کا جی چاہے کاٹ دے جس کا جی چاہے کچھ کر لے چونکہ ہمارے اندر جان ہی باقی نہیں ہے اور نہ ہی روح باقی ہے گند کو آپ نے دیکھا ہوگا، گند میں جب ہوا بھری ہوتی ہوتی ہے تو اگر اسے زمین پر دے ماریں تو گندا کھا کر چار گز اوپر کو اچھلتی ہے وہ نیچا دیکھنا نہیں چاہتی۔ بڑکی یہ خاصیت نہیں ہے بلکہ وہ جو بڑی ہو بھری ہوتی ہے۔ وہ اسے اچھا حال رہی ہے۔ اگر سوئی لگا کر اس کی ہوا نکال دو۔ اور پھر نیچے ڈال دو۔ وہ پھس پھسی ہو کر نیچے گر جائے گی جس کا جی چاہے جہاں پھینک دو اب وہ گندا بھی نہیں کھائے گی اس لئے کہ اس کے اندر روح تو ہے ہی نہیں یعنی ہوا نہیں ہے تو مومن کے اندر جو چیز ہوا بھرتی ہے وہ ہے قرآن کریم پھر اگر اس کو بچھو گے تو اچھل کر چار گز اوپر جائے گا۔ نیچا دیکھنا نہیں چاہے گا اَلْقُرْآنُ يُعَلِّمُ اَدَا لَیُعَلِّیْ جیسا کہ اَلْاِسْلَامُ يُعَلِّمُ اَدَا لَیُعَلِّیْ اسلام بلند ہے اسے کوئی پست نہیں کر سکتا ہے اسکی روح جس میں آجائے گی وہ بھی بلند ہو جائے گا جس میں سے نکل جائے گی وہ پست ہو جائے گا آج ہماری مثال گیند کی سی ہے مگر وہ گیند جس میں سے ہوا نکل گئی ہو اس لئے جس کا جی چاہے ٹھوکریں مار دے اور جس کا جی چاہے پامال کر دے کیونکہ طاقت نہیں کہوں بھی کر سکے لیکن وہ روح ہوتی تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ آخر یہ ہی اتوال چار سو پانچ سو برس پہلے بھی تھیں جو آج ہیں اس وقت بھی تھیں اس لئے کہ وہ روح نہیں ہے جو اس وقت روح تھی ڈر پیدا ہوتا ہے زندہ آدمی سے۔ میت سے کوئی تھوڑا ہی ڈرتا ہے، میت کو چاہے لاشی ملدو چاہے چلا دو۔ چاہے زمین میں دفن کر دو کوئی کہنے والا نہیں ہے۔ بلکہ اگر دفن کر دیا جائے تو لوگ شکر یہ ادا کریں گے اچھا ہوا دفن کر دیا۔ در نہ بو پھیلی۔ لاش گلٹی۔ شرقی۔ لاش کو دفن کرنے پر کوئی برا نہیں مانتا۔ بلکہ تعریف کرتے ہیں۔ اور شکر یہ ادا کرتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی زندہ کو دفن کر دے تو مقدمہ قائم ہو جائے گا اور پوری پبلک خلاف میں کھڑی ہو جائے گی۔ اور لوگ کہیں گے کہ کیا حق تمہیں زندہ دفن کرنے کا۔ تو

آج ہم لوگ جب میت بن گئے تو جس کا جی چاہے دفن کر دے جس کا جی چاہے جلادے جس کا جی چاہے گرا دے چوں کرنے کی بھی طاقت نہیں ہے، کیوں کہ روح نہیں ہے جس سے ابھرتے تھے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ وہ روح پیدا کی جائے۔ اور وہ روح یہی قرآن کریم ہے جس کو اللہ نے اپنی روح کہا ہے فرمایا وَكَذَٰلِكَ أَلَيْنَا إِلَٰهَکَ أَوْ حَیْنَا إِلَٰهَکَ أَمْ مَلَٰئِکَتُنَا ۚ سَیَکُونُ لَکَ ۙ شَہَادَاتٌ ۚ اے پیغمبر ہم نے آپ کی طرف اپنی روح کی وحی کی ہے آپ کے اندر اپنی روح ڈالی ہے عالم امر سے جس سے آپ بلند و بالا ہیں اور جس کے اندر آپ یہ روح ڈالیں گے وہ بھی بلند و بالا ہوتا چلا جائے گا اور جو عمل نہیں کرے گا وہ پھس پھسا ہو کر رہ جائے گا۔ جیسے گیند میں سے ہوا نکال دی جائے پھر جس کا جی چاہے اسے جوتے سے مسل دے جس کا جی چاہے تلوے کے نیچے رگڑ دے یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ تو آج ضرورت اسکی ہے کہ قرآن کریم کو سنبھالا جائے۔ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ کچھ دولت ہو ہمارے پاس کچھ بلڈنگیں ہوں کچھ جائیدادیں ہوں۔ جب ہی ہم پنپ سکتے ہیں حالانکہ پینے کی یہ صورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں چھین بھی سکتی ہیں۔ انقلابات میں گھر تک چھین جاتے ہیں جائیدادیں تک چھین جاتی ہیں۔ دوکانیں تک بک جاتی ہیں۔ بازار تک جلادیںے جلتے ہیں۔ اگر ان سے شوکت وابستہ ہو تو وہ سب ختم ہو جائیں گی لیکن اگر اندر روح بھری ہوتی ہے تو لا کھرباڑا جلیں تو وہ جلتے نہیں۔ پھر سینکڑوں قائم ہو جائیں گے مگر مومن کو ذرا برابر فکر نہ ہوگی نہ جلتے کی نہ آنے کی اس واسطے جہاں اور تدا بیر کرتے ہیں وہ ثانوی درجہ کی ہیں۔ پہلی تدبیر یہ ہے کہ مسلمان مسلمان تو بنے اور بننے کے معنی یہ ہیں کہ اس قرآن کی روح کو اپنے اندر داخل کر لیں

آمد م بر سر مطلب

بہر حال یہ سلسلہ جو آپ حضرات نے قائم فرمایا ہے مبارک سلسلہ ہے مگر اس کو رسمی نہ بنایا جائے بلکہ پڑھایا جائے اور پڑھانے کے ساتھ سنا بھی جائے یعنی پڑھا والا اور ترجمہ کرنے والا کبھی کبھی امتحان بھی لیتا رہے کہ کل ہم نے کیا بتایا تھا۔ اس فلاں آیت کا کیا مطلب ہے۔ اس پر آپ نے کچھ عمل بھی کیا ہے یا نہیں۔ اس لئے محض پڑھا دینا

ہی کافی نہیں بلکہ تربیت بھی ضروری ہے علم کے ساتھ ساتھ پھر اس کو دستور زندگی بنانا بھی ضروری ہے علم اس وقت تک نفع نہیں پہنچا سکتا ہے جب تک کہ اس کو دستور زندگی نہ بنایا جائے اور اس پر عمل نہ کیا جائے

علم ایک نعمت ہے اگر اس پر عمل ہو ورنہ تو مصیبت ہے علم کے ساتھ اگر عمل ہے تو نافع اور نعمت ہے اور اگر عمل نہ ہو تو علم وبال جان ہے حدیث میں ہے کہ **وَيْلٌ لِلْجَاهِلِ مَرَّةً وَوَيْلٌ لِلْعَالِمِ سَبْعَ مَرَّاتٍ** جاہل ایک دفعہ برباد اور عالم سات دفعہ برباد ہو جاہل تو یہ کہہ دے گا کہ صاحب مجھے تو مسئلہ کا علم نہیں ہے میں کیسے کر سکوں عالم یہ بات نہیں کہہ سکتا ہے اس لئے عالم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات بد دعائیں دی ہیں اور جاہل کو ایک بد دعادی ہے اس واسطے کہ عالم جو کہ عمل نہ کرے وہ زیادہ وبال جان ہے بہ نسبت اس کے کہ جاہل جو کہ عمل نہیں کرتا، کسی درجے میں عذر تو ہے کہ صاحب مجھے پتہ نہیں ہے۔ متنبی نے کہا تھا۔ **فَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي فَتِلْكَ مُصِيبَةٌ فَإِنْ كُنْتَ تَدْرِي فَالْمُصِيبَةُ أَكْثَرُ** اگر تم نہیں جانتے تو بے شک یہ ایک مصیبت ہے اور ایک برائی ہے کیونکہ جاہل ہے۔ لیکن بہر حال یہ ایک مصیبت ہے اور اگر جانتے ہو عمل نہیں کرتے تو یہ ڈبل مصیبت ہے اس سے بہتر یہ ہے کہ جاہل ہی رہے

مترجم کو تاکیہ

آپ نے قرآن کا ترجمہ پڑھایا۔ احکام سمجھائے اخلاق بتلائے پھر چند دن کے بعد جانچ بھی کرتے رہیں۔ پوچھ گچھ بھی کرتے رہیں۔ کہ بھائی کتنا عمل ہوا۔ کتنا نہیں۔ نہیں ہوا تو اس کی ترکیب بتلائیں جیسے کہ احادیث میں دعائیں وارد ہوئی ہیں اور قرآن کریم میں بھی بہت سی دعائیں ہیں۔ یہ تمام کی تمام سکھادی جائیں اور پھر سنی بھی جائیں ان سے معاشرت کی اصلاح ہوتی ہے اخلاق درست ہوتے ہیں۔ ماحول بنتا ہے اس لئے محض ترجمہ پڑھادینا ہی ذمہ داری نہیں ہے میں تو یہ کہتا ہوں کہ ترجمہ پڑھانے والا عمل بھی دیکھتا رہے اور تربیت بھی کرتا رہے۔ یہ نہ دیکھے کہ بس ان کو علم ہو گیا ہے۔ یہ تو اور مصیبت بن

جائے گی حکمت کے ساتھ ان کی تربیت کرتا رہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض تعلیم ہی نہیں دی ہے صحابہ کرام کو کہ صرف قرآن کے معنی بتلا دیئے ہوں یا کچھ دیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کی بھی مشق کرائی ہے اور عمل کی نگرانی بھی فرمائی ہے۔

حضور کا طرز تعلیم اور حکمت عملی

حدیث میں ہے کہ ایک قبیلہ حاضر ہوا کہ یا رسول اللہ ہم ایمان لانا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا، بسم اللہ اہل قبیلہ نے کہا کہ ایک شرط ہے۔ وہ یہ ہے کہ صبح کی نماز ہمیں پڑھیں گے، عشاء کی نماز ہمیں پڑھیں گے۔ باقی تین وقتوں کی پڑھیں گے آپ نے قبول فرمایا وہ اسلام قبول کر کے چلے گئے انہوں نے نہ صبح کی نماز پڑھی اور نہ عشاء کی۔ ظہر و عصر مغرب کی پڑھتے رہے لوگوں کو تعجب ہوا کہ جیسے تین وقت کی نماز فرض ہے ویسے ہی دو وقت کی فرض ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط کیسے مان لی۔ اس پر سب کو حیرت تھی۔ مگر ایک مہینے کے بعد ان لوگوں کے دلوں میں خود یہ خیال پیدا ہوا کہ بھائی فرض تو ساری ہی نمازیں ہیں ہم تین نمازیں ادا کر رہے ہیں دو نہیں ادا کر رہے ہیں اس پر گنہگار ہو رہے ہیں تو فائدہ کیا ہوا اسلام لانے سے یہ سوچ کر پڑھنی شروع کی اور مہینہ ڈیڑھ مہینہ کے بعد پانچوں نماز کے پابند ہو گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے آپ نے انوارِ باطن سے پہچان لیا تھا کہ یہ اس شرط پر رہیں گے نہیں اور پڑھنی شروع کر دیں گے۔ اس لئے آپ نے شرط مان لی تھی تو یہ حکمت تربیت کی تھی۔ تعلیم میں تو سب برابر ہیں۔ تعلیم میں تو یہی کہا جاتا ہے کہ بھائی جیسے ظہر، عصر، مغرب فرض ہیں، ویسے ہی عشاء اور صبح بھی فرض ہیں مگر اس سے آگے عمل کی بات ہے اور عمل میں تربیت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور تربیت میں حکمت کی ضرورت ہوتی ہے تعلیم تو ایسی ہے جیسے کسی طبیب نے طب کی کتاب پڑھا دی ہو۔ اور علاج ہوتا ہے مطلب سے تعلیم میں تو طبیب سب کے سامنے ایک ہی مسئلہ بیان کرے گا۔ لیکن اگر علاج کرنے چاہیے گا تو ہر ایک نسخہ الگ الگ لکھے گا۔ چونکہ ہر ایک کا مزاج الگ ہے بیماری الگ ہے، تو تعلیم کے درجہ میں تو سب برابر ہوتے ہیں لیکن عمل کرانے کے درجے

میں ہر ایک کا مزاج الگ ہونے کی وجہ سے اس کے مزاج کی رعایت کرنی پڑے گی اور اسی کی مناسبت سے نسخہ تجویز کرنا پڑے گا۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مرنے سے پہلے اس کے مزاج پہچان کر مزاج کی رعایت کرتے ہوئے ان کی اس شرط کو قبول کر لیا۔ اور انوار باطنی سے پہچان بھی لیا تھا کہ بعد میں اس کو یہ قبول کر لیں گے۔ اس لئے آپ نے کوئی رد و کد نہ فرمائی۔ اور ہوا یہی کہ بالآخر پڑھنے لگے۔ یہ سب کچھ حکمت تھی تربیت کی۔

حکمت تربیت پر حضرت حاجی صاحب کا واقعہ

ہمارے حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ کے مرید تھے جلال آباد کے ایک نوجوان پٹھان۔ جوان تھے۔ خوش رو۔ بہت ہی خوبصورت تھے نوجوانی میں ہی مرید ہو گئے تھے۔ نماز نہیں پڑھتے تھے لوگوں نے شکایت کی کہ آپ ملے مرید ہیں مگر نماز نہیں پڑھتے۔ حضرت حاجی صاحب نے بلایا وہ آگئے۔ شفقت سے سر پہ ہاتھ رکھا، کمر پہ ہاتھ رکھا۔ اور فرمایا کہ بیٹا! جب تم مرید ہو گئے تو نماز پڑھا کر د نماز ہی اسلام کا ستون ہے۔ نماز ہی سے فرق پیدا ہوتا ہے مسلم میں اور کافر میں۔ نماز کا ترک کرنا بہت بری بات ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت نماز تو پڑھ سکوں مگر میں اپنی بات عرض کر دوں۔ مجھے ڈاڑھی چڑھانے کی عادت ہے۔ اس زمانہ میں نوجوانوں کا تمدن یہی تھا کہ بجائے ڈاڑھی منڈانے کے چڑھاتے تھے۔ تو انہوں نے کہا کہ ڈاڑھی چڑھانے میں تقریباً سوا گھنٹہ لگتا ہے۔ پہلے اس میں گوند لگاؤ، پھر اس کو پتوں سے باندھوں پھر جب وہ خشک ہو جائے تو تیل لگاؤ۔ اس میں سوا گھنٹہ لگتا ہے پھر آپ کہیں گے بے وضو نماز نہیں ہوتی ہے جب میں وضو کروں گا گوند وند سب دھل جائے گا۔ پھر سوا گھنٹہ مجھے ڈاڑھی چڑھانے میں چاہیے۔ نمازیں تو پانچوں ہو جائیں گی ایک گھنٹہ میں۔ اور ڈاڑھی چڑھانے میں لگ جائیں گے سات گھنٹے اب ضرورت تھی حکمت تربیت کی فرمایا کہ بھائی ڈاڑھی چڑھانا خود مکروہ ہے۔ چھوڑ دو۔ ڈاڑھی چڑھانا۔ مگر دیکھا کہ یہ مان نہیں سکتے۔ یہ فعل ان کے دل میں جما ہوا ہے۔ فرمایا کہ

میں نے وضو کا ذکر نہیں کیا۔ میں نے یہ کہا کہ نماز پڑھا کرو۔ اس نے کہا کہ حضرت بے وضو
پڑھ لیا کروں۔ فرمایا پھر وضو کا ذکر میں تو وضو کا نام ہی نہیں لے رہا ہوں، بس تم نماز
پڑھا کرو۔ ان خان صاحب نے بلا وضو نماز پڑھنا شروع کر دی۔ وہ بے وضو نماز
پڑھ رہا ہے اور حضرت دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ احادیث میں آتا ہے کہ لا تقبل صلوٰۃ
بغیر طہود۔ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی ہے اور آپ دیکھ بھی رہے ہیں مگر بول
نہیں رہے ہیں پندرہ بیس دن کے بعد نوجوان پٹھان کے دل میں خود خیال پیدا ہوا
کہ تو غنت بھی کر رہا ہے اور اکارت جا رہی ہے بے وضو کے نماز ہوتی ہی نہیں۔ تو ساری
نمازیں ہی بے کار ہو گئیں۔ اور چھوڑیوں نہیں سکتا ہے کہ پٹھان کی زبان ہے جو کٹ
چکی ہے پیر کے آگے کہ نماز پڑھوں گا لہذا چھوڑنے کا تو سوال ہی نہیں اور بے وضو
پڑھوں تو وہ بے کار ہے، اب انہوں نے یہ کیا کہ صبح کی نماز کے لئے وضو کرتے اور
نماز کے بعد ڈاڑھی چڑھاتے اور اس وضو کو عشاء تک باقی رکھتے سب نمازیں ایک
وضو سے ہی پڑھتے۔ اب ظاہر بات ہے کہ نوجوان آدمی بارہ گھنٹے ایک دم با وضو رہے
یہ ممکن نہیں مشکل ہے، اچھا۔ ریح۔ جس شروع ہوا بیمار ہونے لگے تو اب یہ کیا کہ ایک
وضو صبح کو کی۔ نماز کے بعد ڈاڑھی چڑھائی پھر ایک وضو ظہر کے وقت کیا اور اس کو باقی
رکھتے عشاء تک اس سے ظہر سے عشاء تک کی نمازیں پڑھتے مگر چھ گھنٹے با وضو رہنا ایک
نوجوان آدمی کے لئے مشکل ہوتا ہے اس لئے انہوں نے کہا کہ اس ڈاڑھی چڑھانے کی
ہی ساری مصیبت ہے اس دن سے ڈاڑھی چھوڑ کر با وضو نماز شروع کر دی اب شیخ
کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت حاجی صاحب نے بہت شاباش دی۔ فرمایا کہ جو رٹان
سعادت مند ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اشارۃ اللہ بہت دل بڑھایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ
بھائی تم نے بے وضو کتنے دن نمازیں پڑھی ہیں۔ عرض کیا کہ حضرت جی! پندرہ دن کی۔
کہا اے لوطیہینا۔ وہ ہوئی نہیں اس کے بعد فرمایا کہ تمہاری عمر کیا ہوگی؟ عرض کیا کہ
حضرت! پندرہ سال پورے ہو چکے ہیں سوہواں سال لگ رہا ہے۔ فرمایا کہ بھائی تھے
چودہ سال جب پورے ہوتے ہیں تو آدمی شرعاً بالغ ہو جاتا ہے اور نماز فرض ہو جاتی

ہے اس لئے ایک سال کی نمازیں دو ہر الینا، وہ سرکاری ملازم تھے انہوں نے رخصت
 لے کر ایک ہفتہ میں ساری نمازیں پڑھ ڈالیں۔ بچے نمازی بن گئے۔ یہ حکمت تھی تربیت
 کی مسئلہ تو یہ تھا کہ بلا وضو کے نماز نہیں ہوتی۔ مگر محض مسئلہ ہی نہیں بتانا تھا تربیت
 بھی کرنی تھی تربیت میں مزاج کو دیکھا جاتا ہے چونکہ بعض مزاج نرم ہوتے ہیں اور
 بعض مزاج سخت ہوتے ہیں جیسے مزاج ہوتے ہیں ویسی ہی دوا دی جاتی ہے
 جیسا آدمی ویسی ہی خادمی۔ تسلیم ہوتی ہے عام اور تربیت ہوتی ہے۔ خاص وہ
 ہر ایک کی الگ الگ ہوتی ہے۔

اختتام کلام !!

میں عرض کر رہا تھا کہ ترجمہ کرانے والے تعلیم کے درجہ میں تو سب کو ایک ہی
 طرح سمجھاتیں گے مگر اس میں تربیت کی شان بھی ہونی چاہیے۔ اور وہ ہونی چاہیے
 جدا گانہ ہر ایک مزاج کی مناسبت سے ہفتہ میں دو ہفتہ میں چارچ پڑتال کرتے رہنا
 چاہیے کہ عمل کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے ہیں۔ اگر نہیں کر رہے ہیں تو کیا رکاوٹ
 ہے اس کو دور کیا جائے اس طرح سے تربیت ہو کر اچھے خاصے مسلم بن جائیں
 گے اس درجہ سے کہ محض علم کافی نہیں ہے جب تک کہ استعمال کا طریقہ نہ بتلایا جائے
 اور عمل کرانے کی مشق نہ کرائی جائے، اس وقت ثابت ہوگا کہ قرآن کریم نے نفع پہنچایا۔
 اور کس طرح سے انسٹل کایا پلٹ کی ہے، بہر حال یہ چند باتیں میں نے اس لئے
 عرض کر دی ہیں کہ آپ حضرات قابل مبارکباد ہیں کہ آپ نے ترجمہ کلام اللہ کا آغاز کیا ہے
 یہ نہایت مبارک اقدام ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ
 وَعَلَّمَهُ قَرَأَنَ پڑھنے والا بھی خیر ہے پڑھانے والا بھی خیر ہے کہ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ
 مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ۔ قرآن کریم کے نہ وائیں طرف سے باطل آسکتا ہے
 نہ بائیں سے نہ سامنے سے نہ پیچھے سے یہ چیز باطل سے بری ہے، حق محض ہے، اس
 لئے جس میں سرایت کر جائے گا۔ اس کے پاس باطل نہ آسکے گا۔ وہ بھی حق ہی کے
 اوپر ہے گا۔ تو آپ نے خیر کا کارخانہ کھولا ہے۔ پڑھانے والا بھی خیر ہوگا سننے والے

سیرتِ محمدؐ للعالمین

خُطْبَةُ مَسْنُونَةٍ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُكَ وَنُسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ الْفُسَادِ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مِنْ يَّهْدِيْكَ اِلَّا مُضِلَّ لَكَ وَمِنْ يُّضِلُّكَ فَلَا هَادِيَ لَكَ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَنَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ اِلَى كَاثِمٍ لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَنَذِيْرًا وَدَاعِيَا اِلَى اللّٰهِ بِاَدْبِهِ وَسِرَاجًا مَّيْمُوْنًا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا - اَمَّا بَعْدُ -
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَاحِمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ -

تمہید بزرگان محترم! یہ قرآن کریم کی آیت ہے جس کا مطلب ہے کہ اے رسول! ہم نے آپ کو جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے قرآن کریم نے دوسری صفات بھی آپ کی ذکر کی ہیں ایک آیت ہے وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَاثِمًا لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَنَذِيْرًا کہ ہم نے آپ کو خوش خبری سناتے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے جنت کی خوش خبری سناتے ہیں مومنین متقین کو اور جہنم سے ڈرانے ہیں فاسقین و کافرین کو اور آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔ یہ ہی سیرت کا مفہوم و خلاصہ ہے جس کے لئے آپ نے اصرار کیا ہے کہ سیرت کے بارے میں کچھ عرض کروں، تفصیلی حیثیت سے اس سلسلے میں علماء کرام کے بیانات ہوتے رہتے ہیں اور کتابیں بھی بہت سی لکھی گئی ہیں اور آج تک لکھتے چلے آ رہے ہیں۔

قلب کا رخ لیکن فیصلہ قلب کے رخ پر ہے۔ اگر قلب انسانی کا رخ صحیح ہے تو سیرت کے پہلو کو بھی صحیح سمجھے گا اور تمام باتوں کو اسی نہج پر پرکھے گا جس طریقے پر اللہ کے رسولؐ نے کر کے دکھایا ہے اور بتایا ہے اور اگر قلب کا رخ الٹا ہے

تو اس کو تمام باتیں الٹی ہی نظر آئیں گی اور ان سے لٹے ہی معافی نہ لانے کی کوشش کرے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں قرآن کے اندر ارشاد فرمایا ہے سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِنْ يَرَوْهُ كَلًّا لَيَضْحَكُوا وَإِنْ يَدْعُوا إِلَى سَبِيلِ الرَّشَادِ لَيَسْتَفْضِلُوهُ سَبِيلًا وَإِنْ يَدْعُوا إِلَى سَبِيلِ الْغَيِّ لَيَسْتَفْضِلُوهُ سَبِيلًا خَالِكًا بِالْمُهْمُوكِ كَذِبًا يَأْتِنَا وَكَأَنَّهُمْ عَلَيْنَا كَذِبًا أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْسِدُونَ

رکھوں گا اس لئے کہ وہ زمین میں تکبر کرتے ہیں ناحق۔ اور اگر وہ کوئی علامت معجزہ وغیرہ دیکھتے ہیں تو اس پر ایمان نہیں لاتے اور اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھتے ہیں تو اسے اختیار نہیں کرتے اور اگر وہ گمراہی اور ضلالت کا راستہ دیکھتے ہیں تو اسے اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ تمام پھٹکار اس لئے ہے کہ انہوں نے آیات خداوندی کی تکذیب کی اور ان آیات سے غافل رہے اور زمین میں تکبر کرتے تھے اور کبر کا خاصہ ہے کہ کیوں جھکے کسی کی طرف تو یہود نہ اللہ کی طرف جھکے اور در رسول کی طرف جھکے، اس لئے ان میں غرور و نخوت پیدا ہو گئی۔ اور نصاریٰ زیادہ تر عبادت میں مہمک رہے ان کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے وَهَآؤَ صَٰرَتِ نَفْسٌ مِّنْ أُمَّتِكَ يُجَادِلُكَ فِي الدِّينِ وَأَن يَقُولُ إِنَّهُ بَدِيعُ اللَّهِ فَمَنْ عَٰوَاكَ سَٰحِقَ الْيَمِينِ انہوں نے ایسی رہبانیتیں اور شاق شاق مجاہدات اصدیا مضیں اختیار کیں کہ انہیں نباہ نہ سکے اور مبتلا ہو گئے شرک میں، بدعت میں، تو اسی طرح اس امت میں ایک طبقہ تو وہ ہے کہ علم ہے مگر شکار ہے نخوت کا۔ اور ایک طبقہ وہ ہے کہ عبدہ و زہد میں مصروف ہے مگر شکار ہے تذل و شرک و بدعت کا جب تک کہ علم اور عشق دونوں چیزیں جمع نہ ہوں گی اس وقت تک راہِ استقامت سامنے نہیں آسکتی۔

سیرت نبویؐ کا مضمون تو سب کتابوں میں قریب قریب یکساں ہی ہے لیکن اگر قلب کا رُخ الٹا ہے تو ان سب سے لٹے ہی معافی نکلیں گے اور قلب کا رُخ اگر سیدھا ہے تو مٹنے سیدھے ہی نکلیں گے اور صفات صاف باتیں نکلیں گی اس کے لئے ضرورت پڑتی ہے اہل اللہ کی صحبت کی اور معیت کی۔ اور ان کی نگرانی میں رہ کر ریاضت اور مجاہدہ کی تاکہ قلب کا تصفیہ ہو اور اخلاق صحیح ہوں لوگ یہ کرتے نہیں اس لئے مبتلا ہیں شرک

بدعت میں کبر و نخوت میں اور تمام اخلاقِ مذلیلہ میں۔

حقیقی سیرت

جہاں تک سیرت کا تعلق ہے، یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ سیرت کے عنوان سے جلسہ کا عنوان بہت آسان ہے۔ مگر سیرت کا بیان ایک عظیم ذمہ داری ہے، اس لئے کہ سیرت کہتے ہیں، ذاتی خصائل کو اور ذاتی حالات کو اور ان کے تذکرہ کا مقصد اصلی یہ ہے کہ ہم ان کی پیروی کر سکیں تو سوال یہ ہے کہ کون شخص حضور اکرم کے خصائل و عمل پر عمل پیرا ہونے کا مدعی ہو سکتا ہے اور کون ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کا پورا اتباع کر سکے آپ کی شان بہت اونچی، آپ کی شخصیت بہت اونچی ذاتی سیرت کا ہم کامل طور پر اتباع کر سکیں، یہ ہمارے لئے ممکن نہیں، اور ذاتی سیرت یہ ہے کہ سترہ سترہ دن آپ پر فاقے کے گذرتے تھے، اسودین پر گذرتھا۔ یعنی ایک کبھو رکھالی ایک کٹورہ پانی کا پی لیا اور صوم و صالی یعنی بلا کھاتے پتے روزہ رکھنا لیکن امت کو آپ نے ممانعت فرمائی کہ ایسا مت کرو، سحری کھاؤ، روزہ رکھو اور افطار کرو اور کھانا کھاؤ، اور آپ سترہ سترہ دن تک بلا افطار، بلا سحر کھاتے روزہ رکھتے تھے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہمیں صوم و صالی کی کیوں ممانعت فرمادی اور خود حضور رکھتے ہیں فرمایا اَدِیکُمْ مِثْلِي یُطِيعُنِي مَا یَدِیْسُفُنِي۔ تم میں مجھ جیسا کون ہے مجھے تو میرا رب کھلاتا پلاتا ہے، تو وہاں کھلانے پلانے کا یہ مطلب نہیں، کہ پلاؤ زرد کے خوان اترتے تھے، بلکہ ذکر اللہ رگ و پے میں رچا ہوا تھا، اس نے بدن کو سنبھال رکھا تھا اگر زندگی بھر بھی حضور کچھ نہ کھاتے تب بھی آپ کی زندگی میں کچھ فرق نہ پڑ سکتا تھا، روحانی قوت عظیم تھی، عمر بھر بھی جو آپ نے تناول فرمایا اس کی مقدار گنی جینی ہے وہ اظہارِ عبرت کے لئے اور امت کے لئے نمونہ قائم کرنے کے لئے تھا کہ کھانا اور پینا تمہارے لئے مباح ہے، واقعہ اگر آپ حساب لگانے لگیں تو شاید یہ مقدار غذا و روزانہ کے اعتبار سے دس پانچ تولہ ہی بنتی ہو، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ آج کون ہے جو اس کا اتباع کرے کہ اتنی مقدار غذا جو پھر گزار دے تو سیرت سے مراد ذاتی خصلت اور ذاتی عادت ہے۔ کون ہے جو اس صحیح عادت کی اقتدار کرے اور اس پر عمل کرے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آپ مغرب کی نماز پڑھانے کے لئے حجرہ شریف سے باہر تشریف لائے، مصلے پر پہنچ گئے، تکبیر ہو چکی تھی، ایک دم گھر اگر آپ مصلے سے واپس ہوئے اور گھر میں تشریف لے گئے اور تھوڑے وقفے کے بعد مصلے پر تشریف لاکر نماز پڑھائی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مصلے پر تشریف لا چکے، تکبیر ہو چکی پھر آپ خلاف معمول واپس تشریف لے گئے، کیا وجہ پیش آئی، فرمایا کہ مجھے یاد آیا کہ میرے گھر میں طاق میں ایک دینار پڑا ہوا ہے اور فرمایا کہ نبی کے گھر کے لئے زیبا نہیں کہ اس پر رات گزرے اور اس میں سونایا چاندی ہو، تو جاتے ہی میں نے اس کو صدقہ کیا اور اس کے بعد اگر نماز پڑھائی۔ تو آج کون ہے جو اس سیرت کی اقتداء کرے کہ گھر میں نام نشان سونے چاندی کا نہ رہے اور فارغ البال بنے تو عبادات ہوں، یا معاشرت ہو، جو ذاتی عادات ہیں ممکن نہیں کہ کوئی ان کی اقتداء کر سکے۔

حضرت ابوذرؓ کا زہد اور تقویٰ مشہور ہے اور حدیث شریف میں ان کو مہیسا امت فرمایا گیا ہے کہ یہ نظیر ہیں اس امت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان یہ تھی کہ نہ گھر، نہ در، نہ سامان، ان کے پاس گل و دھریں تھی، ایک چمڑے کا تلچہ کہ جہاں نیند آتی وہیں لیٹ گئے۔ بھکیے سر کے نیچے رکھ لیا۔ ایک لکڑی کا پیالہ تھا، ضرورت پڑی اس میں کھانا کھالیا۔ ضرورت پڑی اس میں لیکر پانی پی لیا اور دھو کر لیا۔ ایک دن ایک شخص کو دیکھا کہ سر کے نیچے کہنی رکھ کر سو رہا ہے تو فرمایا اللہ اکبر! ہم نے اتنی دنیا ناند کر رکھی ہے اس کے بغیر بھی گذر ہے، تو تلچہ کو اسی وقت صدقہ کر دیا۔ اب صرف پیالہ رہ گیا، پھر ایک مقام پر ایک شخص کو دیکھا کہ دریا میں کھڑا ہے اور چلو سے پانی پی رہا ہے اور چلو سے ہی دھو کر رہا ہے تو فرمایا اللہ اکبر! ہم نے اتنی دنیا زیادہ کر رکھی ہے اس کے بغیر بھی تو گذر ہو سکتی ہے، اس کو بھی صدقہ کر دیا تو عیسیٰ علیہ السلام کا زہد تمام انبیاء علیہم السلام میں معروف ہے اور ممتاز ہے حضرت ابوذر غفاریؓ کا مذہب یہی تھا کہ وہ حضورؐ کے ذاتی انحال کی اقتداء کرتے تھے، ان کے

یہاں مذہباً ناجائز تھا کہ رات کے کھانے کے بندوبست کے لئے آدمی کچھ رکھے جو پاس تھا کھالیا اور رات کے لئے اشد پر توکل، مل گیا تو کھالیا نہیں ملا تو فاقہ کر لیا ایک وقت کا کھانا موجود ہونے پر وہ دوسرے وقت کے کھانے کے بندوبست کو ناجائز سمجھتے تھے وہ حضورؐ کی ذات کا اتباع تھا، جو لباس ان کے بدن پر تھا اس کے سوا اور کوئی کپڑا ان کے پاس نہ تھا اسی کو اڑھ لیا اسی کو پہن لیا۔

جب شام فتح ہوا تو جا کر ملک شام میں حکم دیا اور یہ حضرت عثمانؓ غنیؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، شام متمدن ملک تھا۔ صحابہ کے یہاں دولت بھی آتی یہ اتفاقاً جس کے گھر پہنچے دیکھا کہ دسترخوان پر دو کھانے جمع ہیں بس خفا ہوتے ہوئے اس کو ڈانٹنا شروع کر دیا کہ حضورؐ کے دسترخوان پر دو کھانے کب جمع ہونے جو تم نے کئے۔ کہو اس کو صدقہ ورنہ لاٹھی سے خبر لوں گا چونکہ صحابی تھے اس لئے لوگ ان سے دبتے تھے۔ صدقہ کرا کے اتنا چھوڑتے تھے کہ جتنا وہ کھائے کسی کے گھر معلوم ہوا کچھ پیسہ جمع شدہ ہے۔ بن لاٹھی لے کر پہنچ گئے کہ حضورؐ کے گھر میں کب جمع تھا پیسہ جو تم نے جمع کر رکھا ہے۔ کہو اسے صدقہ، لوگ عاجز آ گئے اور حضرت عثمانؓ غنیؓ کے یہاں شکایت کی کہ انہوں نے تو ہماری زندگی تلخ کر دی شریعت نے جن چیزوں کو جائز قرار دیا ہے، ان سے بھی منع کرتے ہیں غرض ان کا مسلک ہی یہ ہے کہ حضورؐ کی ذاتی زندگی پر ہر شخص کو عمل کرنا چاہیے تو بھلا اس پر کون چل سکتا ہے کس کی مجال ہے، لہذا انہیں حکم دیجئے کہ وہ یہاں سے چلے جاویں ورنہ ہماری زندگی تلخ ہو جاوے گی۔ اس پر حضرت عثمانؓ غنیؓ نے حکم دیا کہ ابوذرؓ سب سے الگ تھلگ ربذہ نامی مقام پر رہیں، جو جنگل میں واقع تھا، شہر میں نہ رہیں چونکہ امام عادل کا حکم تھا، واجب التعمیل تھا۔ اسی دن شام سے نکل گئے اور ریگستان میں ربذہ مقام میں ایک جھونپڑی ڈال دی اور وہیں عمر گزار دی۔ اسی جگہ وفات ہوئی اور جب وفات کا وقت آیا تو وہاں کوئی اڑوس نہ بچدس، صرف ایک جھونپڑی تھی۔ ان کی بیوی رونے لگی، فرمایا رو مت دروازہ پر بیٹھ جاؤ، تمہیں ایک قافلہ آتا ہوا نظر پڑے گا۔ جب وہ آئے تو اس سے کہنا کہ لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک

صحابی کی وفات کا وقت قریب ہے، اتر جاؤ۔ تجھ پر تکفین کا بندوبست کرو۔

وہ دروازہ پر بیٹھ گئیں۔ چنانچہ گرداڑی اور پانچ اونٹیاں نظر آئیں پانچ سوار قریب آئے تو بیوی نے پکار کر کہا کہ لوگو! اللہ کے رسول کے ایک صحابی کی وفات کا وقت قریب ہے، آپ سب اتر جاویں، تجھ پر تکفین کریں اور نماز جنازہ پڑھیں۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود بھی تھے، انہوں نے پوچھا کہ کون صحابی ہیں بیوی نے کہا کہ ابوذر غفاری حضرت عبداللہ بن مسعود چلا پڑے اور کہا صَدَقَ مَا سَوَّلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعَيْتُكَ ابْنِي دَعَيْتُ فَرِيدًا وَبَيَّوْتُ فَرِيدًا اسے فرمایا تھا اللہ کے رسول نے کہ اسے ابوذر، زندگی بھی تنہائی میں گزرے گی اور موت بھی تنہائی میں آئے گی یہ لوگ اُتر گئے، اس وقت ہوش و حواس درست تھے۔ حضرت ابوذر غفاری نے فرمایا کہ میرے پاس کفن کے لئے کوئی چیز نہیں بس یہ ہی کرتا پہنتے ہوتے ہوں اور یہ ہی لنگی باندھے ہوتے ہوں، اس کے سوا کوئی چیز نہیں۔ کسی کے پاس اگر کوئی چادر ہو تو مجھے وہ دیدے کفن سنت نہیں۔ کفن کفایہ کافی ہوگا۔

کفن سنت یہ کہ تین کپڑے ہوں اور کفن کفایہ یہ کہ ایک کپڑا ہو، اور اس میں پیٹ کر دفن کر دیا جائے۔ تو یہ فرمایا کہ کفن سنت کی ضرورت نہیں کفن کفایہ ہی کافی ہوگا صرف ایک چادر۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ شخص چادر دے جو حکومت کا ملازم نہ ہو۔ اور بالخصوص زکوٰۃ وصول کرنے پر ملازم نہ ہو۔ کیونکہ وہ لوگ زیادتی کرتے ہیں کبھی اچھا مال لے لیتے ہیں کبھی بُرا مال لے لیتے ہیں معتدل طریق پر نہیں رہتے۔ عدل نہیں کرتے ہیں، اس لئے وہ شخص کپڑا دے جو ملازم نہ ہو۔ حالانکہ خلافت کا زمانہ ہے خیر القرون ہے مگر ان کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اس زمانہ کی حکومت کے ملازم کو مجھے، تو عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ میرے پاس ایک چادر ہے جو میری مال کے ہاتھ کا کانا ہوا سوت ہے اور گھریں ہی اس کو بننا ہے کہنے لگے کہ ہاں بس وہ کافی ہے جب ان کی وفات ہو گئی تو اسی چادر میں ان کو دفن کر دیا گیا۔ گو ایک صحابی ہیں جنہوں نے رسول کی ذاتی زندگی کو اپنا مسلک ٹھہرایا تھا، جسے صحابہ بھی برداشت نہ کر سکے، شہر میں گزر نہ ہو سکا اور آج میں اور آپ حوصلہ کریں

کو سیرت سنیں اور سیرت پر چلیں، یہ اپنے حوصلہ سے بہت اگے کی بات ہے، بعض دفعہ تو واقعہ مجھے ڈر محسوس ہوتا ہے، جب اعلان کرتے ہیں کہ سیرت کا جلسہ ہوگا، اصلاحی جلسہ نام رکھو، مذہبی جلسہ نام رکھو، تعلیمی جلسہ نام رکھو۔

سیرت کے جلسے پر معنی ہیں کہ ہم عظیم دعویٰ کر رہے ہیں اور اس دعوے پر چل سکیں گے نہیں، تو کیوں ہم ایسا عنوان اختیار کریں کہ جس سے بہت بڑی بڑائی چٹکے، تو میں عرض کر رہا ہوں کہ سیرت جس کے معنی ہیں، واقعی اس کا بیان مشکل ہے اگر بیان بھی ہو جائے تو اس پر عمل بھی مشکل ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی | **حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور ان کی خانقاہ** | **قدس اللہ سرہ کی خانقاہ میں**

دس دس ہزار ہان جوتے تھے، ایک ایک وقت میں ایک دن آپ بادرچی خانہ میں تشریف لے گئے، پوچھا کیا پکنا ہے کہنے لگے گوشت روٹی، فرمایا اللہ اکبر ہم مدعی ہیں اتباع سنت کے اور حضورؐ نے تو گوشت کبھی اتفاق سے کھایا اور ہمارے یہاں روز گوشت پکنا ہے اور روز روٹی پکتی ہے یہ کیا اتباع سنت ہے! حکم دیا گیا کہ آج سے وہی جو روٹی اور جو بھی چکی کا پسا ہوا نہیں بلکہ جیسے حضورؐ کی عادت کریمہ تھی کہ جو کوٹ ڈالا اور پھونک ماری، بھوسہ اڑ گیا موٹے موٹے دانے رہ گئے۔ اس کی ایک آدھ ٹکیر پک گئی۔ بس حضورؐ کا یہ کھانا ہوتا تھا آج سے خانقاہ میں بھی یہی کھانا ہوگا۔ چنانچہ گوشت روٹی بند ہوگئی۔ اور وہی گدرے جو کی ٹکیاں پکھنے لگیں۔ کس کو عادت تھی، کس کے معدہ میں تحمل تھا، کوئی بیمار ہوا، کسی کے پیٹ میں درد ہوا، کسی کو بخار آیا کسی کو دست آئے اور خانقاہ یا تو ذکر اللہ سے گونجتی تھی، یا سارے بیمار پڑے ہیں، فرمایا کیا بات ہے، ذکر اللہ کی آواز نہیں آتی ہے عرض کیا گیا کہ حضرت! آپ نے حکم دیا تھا کہ جو کی روٹی کھاؤ، وہ ہضم ہوتی نہیں، اس لئے لوگ بیمار پڑے جوتے ہیں۔ تو کانوں پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ ہم نے بہت ہی جرأت اور جسارت کی ہے کہ حضورؐ کی ذاتی زندگی کے اتباع کی کوشش کی یہ ہماری مجال نہیں اور حکم دیا کہ آج سے وہی گوشت روٹی پکا کرے۔

سیر نام ہے اسلامی قانون کا | تو بڑے بڑے اکابر نہیں چل سکے۔ ہیں جس کو حقیقی سیرت کہتے ہیں۔ اور ہم سیرت کا دعویٰ کر کے اس پر کیا چل سکیں گے۔ سیرت کے اندر ایک حصہ معجزات کا ہے ظاہر بات ہے کہ معجزات تو ہم نے ہی نہیں سکتے، یہ تو نبی کی خصوصیت ہے ایک آپ کے علوم و کمالات ہیں، وہ اتنے اتنے ارفع و اعلیٰ کہ امت تو امت انبیاء کو بھی وہ علم نہیں ملے ہیں تو ہم کیسے حاصل کریں گے۔ ایک حصہ ذاتی معاشرت کا ہے اس کا اتباع مشکل ہے تو سیرت کے سیدھے معنی ہیں۔ اسلام کے اسلامی قانون کے، اور اسلامی احکام کے، اور اسلامی احکام میں توسیع ہے امیر غریب سب گنہگار ہو سکتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ اگر کوئی دولت مند ہو تو زکوٰۃ ادا کر دے صدقات واجبہ ادا کرے۔ اس کا مال پاک ہو گیا، اور یہ کہ سارا مال گھر سے نکال دے یہ ہے ذاتی سیرت۔ اسے کون برتا کرے گا، روزے کے معنی یہ ہیں کہ سال بھر میں ایک ماہ کے روزے ادا کر دو، نفل ممکن ہو تو کرو نہ ممکن ہو تو معاف ہے مگر سترہ سترہ دن صوم وصال کون رکھے گا۔ کس کی مجال اور کس کی قدرت ہے۔ اس لئے سیرت کا سیدھا سیدھا مفہوم، بس اسلام سمجھے، کہ اسلامی قانون سے باہر نہ نکلے۔ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس دور میں اگر کوئی شخص حرام سے بچ جائے اور حلال کے دائرے میں رہے تو وہ اس زمانہ کا جنید و شبلی ہے کیونکہ اُن جنید و شبلی کا دور تو گزر چکا جو پہلے ہوئے ہیں کہ جو مکہ و تہذیب سے بھی اتنا ہی بچتے تھے کہ جتنا ہم حرام سے بھی نہیں بچتے اور وہ ایک ایک مستحب کو ادا کرتے تھے اور ہم سے فرض بھی ادا کرنا مشکل ہے، یہ اس زمانہ کے جنید و شبلی کے حالات ہیں۔ آج کا جنید و شبلی وہ ہے کہ جو حرام سے بچ جائے اور حلال کے دائرے میں رہے تو لوگ حوصلہ کرتے ہیں سیرت کا اور عمل نہیں ہوتا جائز کاموں پر بھی کوئی ناجائز میں پڑا ہوا ہے کوئی حرام میں، کوئی مکروہات میں، تو اس لئے بعض وقت تو بڑا ڈر معلوم ہوتا ہے سیرت کے اعلان سے کہ ہم اور سیرت پر عمل کریں گے ہماری مجال "تو سیدھے معنی سیرت کے ہیں کہ اسلامی قانون پر چلے رہو۔ جن چیزوں کو اللہ نے فرض واجب قرار دیا ہے ان کو ادا کرتے رہو، جن چیزوں کو حرام اور مکروہ قرار دیا ہے ان چیزوں سے بچتے رہو۔

تو انشاء اللہ نجات ہو جائے گی، تو شریعت کے قانون میں سعادت اور گنجائش ہے اور ذاتی زندگی بہت ارفع و اعلیٰ ہے اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص آپ کے کہے کہ بھائی خدا کے راستے میں ایک پھول دو، اور وہ کہے کہ میں پورا باغ ہی دیتے دیتا ہوں یہ ہر ایک کا کام نہیں۔ بس مانگنے پر پھول ہی دیدو، تو اب آپ مومن ہیں، انشاء اللہ نجات ہو جائے گی اب ہم باغ دینے کا وعدہ تو کریں اور دے نہ سکیں پھول بھی تو دعویٰ دعویٰ رہ جائے گا جس کو جبارت اور سورہ ادنیٰ ہی کہا جائے گا، اور جو یقیناً قابل گرفت بات ہوگی۔ تو سیر میں ایک جُز ہے علم و کمالات کا۔ اس کا چربہ ہم نہیں اتار سکتے، ایک جز ہے معجزات کا وہ ہمیں نصیب نہیں ہو سکتا۔ ایک جز ہے خصوصیات نبوت کا، وہ ہمارے اندر نہیں آ سکتا اب جو آگے رہ جاتا ہے، وہ اسلامی قانون رہ جاتا ہے اور وہی معنی سیر کے ہیں تو اسلام پر چلتے رہیں۔ یہ ہی حقیقی سیر ہے۔

حضور کے اخلاقِ مبارکہ کیا تھے؟ | کسی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ حضور کے اخلاق کیا تھے؟ فرمایا

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ۔ آپ کے اخلاق دیکھنے میں تو قرآن پڑھو، جو اس میں اخلاقِ حیرت میں دی آپ کے اخلاق ہیں جو قرآن کہتا ہے، وہی آپ کا عمل ہے، اور جو آپ کرتے ہیں، وہی قرآن کہتا ہے قول قرآن کا عمل آپ کا دونوں ایک دوسرے کے بالکل مطابق ہیں پھر اس میں آگے درجات ہیں کہ ایک حصہ اولیاء کا ملین کا ہے۔ ایک صحابہ کا ہے اور ایک حصہ حضورؐ کی ذاتِ بابرکات کا ہے اور ایک ہم جیسے عوام کا حصہ ہے۔ تو ہم احکام پر عمل کریں۔ یہ ہی ہمارے لئے کافی ہے پھر حق تعالیٰ کس کو بڑھادیں اور ترقی دیں۔ یہ اس کا فضل ہے نیت اپنی یہ ہو کہ ہم اسلامی احکام کے دائرے سے باہر نہ جادیں گے۔ یہ ہی سیر پر عمل کرنا ہے۔

شبِ معراج میں حضورؐ اور حضرت موسیٰؑ کی گفتگو | حدیث میں ہے کہ شبِ معراج میں آپؐ پر چاروں نمازیں فرض کی گئیں۔ گویا پچاس رکعتیں۔ اس لئے کہ حقیقی نماز ایک ہی رکعت

ہے اس امت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا احسانِ عظیم ہے کیونکہ جب آپ واپس تشریف لائے، پوچھا کہ اللہ نے کیا انعام دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بچاس نمازیں حضرت حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ مجھے آپ کی امت سے توقع نہیں کہ وہ بچاس وقت کی نمازیں ادا کر سکیں گی۔ اور یہ ہو گئی ہیں فرض اگر ادا نہ کر سکی تو امت گنہگار ہو گی۔ اس میں تخفیف کرایئے۔ آپ واپس تشریف لے گئے اور حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ! یہ تو امت پر بہت ہی شاق گذرے گی۔ درخواست منظور ہوئی اور پانچ نمازیں کم کر دی گئیں۔ پینتالیس رہ گئیں۔ پھر آئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ مجھے توقع نہیں کہ آپ کی امت یہ پینتالیس نمازیں بھی ادا کرے گی اور کم کرایئے پھر آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض و محروض کی۔ پانچ اور کم ہوئیں۔ پھر واپس آئے پھر گئے۔ جب اخیر میں پانچ رہ گئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس کی بھی توقع نہیں کہ امت یہ پانچ نمازیں بھی پوری ادا کرے گی اور کم کرایئے آپ نے فرمایا کہ اب مجھے بار بار آنے جانے سے حیا آتی ہے۔ بس اتنی ہی رہنے دو۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے بچاس میں سے پینتالیس کم کر کے پانچ رکھی مگر مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ ہمارے یہاں قول بدل نہیں جاتا۔ پانچ ہی نمازوں پر ہم بچاس نمازوں کا اجر دیں گے۔ گویا ایک حصہ پر عمل دس کے برابر رکھا گیا۔ مگر حضور نے عمر بھر وہ بچاس وقت کی نمازیں اپنے اوپر فرض رکھی اور ادا فرمائیں۔ یعنی دن رات میں اتنے نوافل ادا فرماتے کہ وہ بچاس وقت کی نمازوں کے برابر ہیں لیکن امت کے حق میں تخفیف چاہی، تو تیس پر عمل کوئی کرتا ہے۔ تو بچاس وقت کی نمازیں ادا کرے۔ کس کے اندر یہ ہمت و جرات ہے؟ اور پھر کہیں تیس کو سنتا ہوں اور سیرت پر عمل کروں گا تو نمازوں میں بچاس نمازیں پڑھیں۔ مالیات میں جب برابر بھی نہ رکھے اور روزوں کے اندر پورے ایک سال کے روزے رکھے۔ تو آخر یہ کس کی جرات ہے؟ اس کو کون کرے اور پھر ہم دعویٰ کریں کہ ہم تیس پر عمل کر رہے ہیں۔ یہ دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔

آرزوی خواہ یک اندازہ خواہ

برتنا بد کہہ را یک برگ کاہ

آرزو کرو مگر اپنے حوصلہ کے مطابق۔ ایک تنگ گھاس کا پہاڑ کو کیسے سر پر اٹھائے گا۔

تو سنا اتنی ہی فرمائش کرے جتنی وہ برداشت کر سکتا ہے پہاڑ نہ ملنے جسے برداشت نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی شریعت کو آسان کر دیا ہے۔ ۱۔ سپریم عمل کریں یہ ہماری نجات کے لئے کافی ہے اس میں عمل کرتے کرتے حق تعالیٰ برکت دے۔ ۱۔ اعلیٰ مقامات پر پہنچادیں اس کا فضل ہے۔ لیکن ہم یہ نیت کریں کہ دائرے سے باہر نہ ہوں گے جو کچھ واجبات و فرائض سے ہیں ادا کریں گے۔ اور ادا کرنے والوں کو اللہ نے بہت کچھ دیا ہے یہ بھی اس دور میں بہت کافی ہے۔

بعد والوں کی فضیلت | بلکہ حضورؐ نے بعد والوں کی فضیلت بیان کی ہے آپؐ صحابہ سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ سب سے زیادہ عجیب و غریب ایمان کس کا ہے عرض کیا گیا، یا رسول اللہ، ملائکہ کا ایمان سب سے زیادہ عجیب ہے فرمایا کہ ملائکہ کو کیا ہوا کہ وہ ایمان نہ لادیں۔ عرش ان کے سامنے، کرسی ان کے سامنے جنت و دوزخ ان کی آنکھوں کے آگے۔ وہ بھی ایمان نہ لادیں گے اور کون ایمان لاوے گا، اس لئے ان کا ایمان کیا عجیب، ان کو تو ایمان لانا ہی چاہیئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ، پھر انبیاء کا ایمان عجیب ہے فرمایا کہ انبیاء کو کیا ہوا جو وہ ایمان نہ لادیں۔ رات دن وحی ان پر اترتی ہے۔ معجزات ان کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں ملائکہ کو وہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ ایمان نہ لادیں گے اور کون ایمان لاوے گا، ان کا ایمان کیا عجیب ہے عرض کیا یا رسول اللہ، پھر صحابہ کا ایمان عجیب ہے فرمایا تمہیں کیا ہوا، جو تم ایمان نہ لاؤ۔ رسول تمہارے سامنے۔ معجزے تمہاری آنکھوں کے سامنے وحی تمہارے آگے اتر رہی ہے تم بھی ایمان نہیں لاؤ گے تو وہ کون ایمان لاوے گا تمہارا ایمان کیا عجیب۔ عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم اللہ اور رسول بہت جانتے ہیں کہ کس کا ایمان عجیب ہے۔

فرمایا کہ ایمان عجیب اُن لوگوں کا ہے جو امت میں تمہارے بعد میں پیدا ہوں گے۔ کہ نہ رسول اللہ ان کے سامنے، نہ معجزے ان کے سامنے، اور نہ وحی ان کے سامنے اتر رہی ہے۔ اور فتنوں کی کثرت اور حق سے ہٹانے والے ہزاروں اور پھر بھی وہ ایمان پارچے ہوتے ہیں ان کا ایمان زیادہ عجیب ہے، تو گویا اس میں ایک فضیلت نکلتی ہے بعد

واہوں کی کہ رکاوٹ و موانع کی کثرت میں وہ ایمان پر جمے ہوئے ہیں تو عجیب و غریب اور قابلِ قدر ایمان ان کا ہے۔

اس سے یہ اصول نکلا کہ رکاوٹ اور موانع کی کثرت میں جو شخص ایمان پر جمار ہے وہ زیادہ قابلِ قدر ہے بہ نسبت اس کے کہ کوئی رکاوٹ نہ ہو اور پھر ایمان پر جمار ہے۔ ایمان اعلیٰ سہی، محو عجیب و غریب ایمان نہیں، عجیب و غریب ایمان اس کا ہے کہ رکاوٹیں ہزاروں ہوں اور پھر بھی جما ہوا ہے جیسے اخیر زمانے کے بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایک وقت آئے گا ایمان کا سبھا لانا ایسا ہوگا جیسے ہاتھ میں چمکاری کا سبھا لانا کہ آدمی نہ چھوڑ سکے گا اتنے حقے ہوں گے کہ ایمان پر جھنا ایک عجیب و غریب بات ہوگی تو اس کے بعد دالوں کی فصیلت نکلتی ہے اور تسلی نکلتی ہے کہ یہ بات نہیں کہ خیر ختم ہو گئی ہے بلکہ بعد میں بھی باقی ہے۔ بہت سے ارباب خیر آج بھی موجود ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے

میں تو یہی عسر من کرتا ہوں کہ اسلام پر جمے رہو۔ حلال کے دائرے میں رہو، حرام سے بچتے رہو تو انشاء اللہ ہمارے لئے بہت سے مراتب ہیں اور کیا عجیب ہے کہ ان بڑوں کے قدموں تک پہنچا دے جن کے ایمان بہت اعلیٰ تھے، اس لئے کہ وہاں رکاوٹیں زیادہ نہیں تھیں۔ یہاں رکاوٹیں زیادہ ہیں۔ اور پھر بھی ایمان پر جماؤ ہے تو کیا عجیب کہ درجات و مراتب ملحق کر دیتے جائیں۔

سیر کے ایک معنی ہیں کہ حضورؐ کے فضائل مناقب، بزرگیاں کمالات اور خصوصیات بیان

لفظ ختم تمام کمالات کو حاوی ہے

کے جاویں تاکہ ایمانوں میں تازگی پیدا ہو۔ اور امت کو تسلی ہو کہ اللہ نے ہمیں ایسا پیغمبر عطا فرمایا کہ جو دنیا میں بے مثل ہے اور انبیاء میں بھی ان کی نظیر نہیں۔ وہ افضل الانبیاء ہیں۔ سید المرسلین ہیں۔ اس لئے ختم نبوت کا لفظ کافی ہے۔ آپ فقط نبی ہی نہیں ہیں۔ بلکہ خاتم الانبیاء ہیں۔ تو خاتم کے لفظ میں سارے فضائل چھپے ہوئے ہیں اس لئے کہ خاتم اس کو کہتے ہیں کہ جو جتنی ہو سارے کمالات کا کہ اگلے پچھلے جتنے بھی کمالات ہیں نبوت کے سب ایک ذات میں لا کر جمع کر دیتے گئے ہیں۔ اور انتہا ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کمالات نبوت

عملی ہوں یا عملی اپنے انتہائی عروج کے ساتھ آپ کی ذات مقدس میں جمع کر دیئے گئے۔ اب نبوت کے کمالات کا کوئی درجہ باقی نہیں رہ گیا ہے اس لئے کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں کہ اس کمال کو ظاہر کیا جائے ایک ہی نبوت کافی ہے، جو قیامت تک چلے گی چونکہ سارے کمالات آپ پر ختم کر دیئے گئے۔

علم ہے تو اس کے بارے میں آپ فرماتے ہیں اُوْتِيْتُ عَلَهِ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ۔ اگلے اور پچھلوں کے تمام علوم مجھے عطا کر دیئے گئے عبادت ہے تو اس کا حال یہ ہے کہ بعض دفعہ تمام تمام رات نفلوں میں کھڑے ہوتے پیر و دم کر جاتے اور بعض دفعہ پھٹ کر کچھ خون نکل آتا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ آپ اتنی عنت کیوں فرماتے ہیں۔ آپ کی شان تو وہ ہے کہ آپ کے مقبول ہونے کی آپ کو دستاویز دی گئی حضورؐ فرماتے ہیں اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا مُّشْكُوْرًا کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں، میں تمام تمام رات نفلوں میں کھڑا رہتا ہوں۔ یہ سب ادائے شکر کے لئے کرتا ہوں، حدیث میں فرمایا گیا ہے كَانِ يَخْدُكُوْهُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ اَحْيَاۤءٍ كُوْنِيْ لِحُوْاۤءِ اُپ کا ذکر خداوندی سے فارغ نہیں تھا۔ اس لئے نبی کا کوئی قول و فعل بغیر رضا خداوندی کے نہیں ہوتا ہے جب ہر قول و فعل میں رضا حق شامل ہے تو انکار کو بھی عبادت جاگنا بھی عبادت، بولنا بھی عبادت، جنگ بھی عبادت صلح بھی عبادت، ہر ہر عبادت، اور ذکر الہی ہے، تو کوئی لمحہ بھی خالی نہیں تھا ذکر سے جتنی کہ نیند ہے۔ ایک فیند تو غفلت کی ہے مثل مشہور ہے ”سو تا مرا برابر آدمی غافل ہوتا ہے مگر آپ نے فرمایا اِنَّ عَيْنِيْ تَنَامُ اِنْ لَّا يَنْتَبِهْ لِيْ مِيْرٰی آنکھیں سوتی ہیں۔ دل نہیں سوتا۔ دل برابر ذکر اللہ میں مصروف رہتا ہے اسی لئے انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے سو میں بھی وحی، جاگنے میں بھی وحی۔ ہر وقت حق تعالیٰ کی طرف سے علوم و کمالات کی بارش ہوتی رہتی ہے۔

اور پھر یہ ہی نہیں کہ آپ صرف امت کے نبی ہوں۔ بلکہ آپ نبیوں کے بھی نبی ہیں اسی لئے آپ نے ایک حدیث میں بھی فرمایا اَنَا نَبِيُّ الْاَوَّلِيْنَ اَمَّا كَيْفَ كَرِهِيْنَ فَقَطِّمْتُوْا کا ہی نبی نہیں ہوں، بلکہ نبیوں کا بھی نبی ہوں۔ کیونکہ قرآن کریم میں ابھی اس سے بھی آپ پر ایمان

لانے کا عہد لیا گیا ہے فرمایا گیا وَاذْخُلِ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَّا آتَيْنَاكُمْ مِنْ
كِتَابٍ ذِكْرُهُمْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مَقْصِدُكُمْ لَمَّا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَنَبَاكُمْ
قَالَ أَقْرَبْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ صُرْحِي فَأَوْأَقْرَبْنَا قَالَ فَاسْهَدُوا
وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ تمام انبیاء سے عالم ازل میں حق تعالیٰ نے عہد لیا کہ
جب میں رسولِ آخر الزماں کو دنیا میں بھیجوں اس وقت اگر تم خود موجود ہو تو تم ان پر ایمان
لاؤ۔ ورنہ تم اپنی امتوں کو ہدایت کرو کہ وہ ایمان لائیں۔ اور اب ایمان لاؤ تو سارے انبیاء
نے ایمان قبول کیا اور ایمان لانے کا جسے مکلف کیا جاتے وہی امتی ہوتا ہے تو جب نبیوں
پر بھی فرض کیا گیا کہ وہ ایمان لاویں گے تو گویا آپ پر ایمان لانا بحیثیت امت کے ہوا،
اسی لئے آپ نے فرمایا اَنَا نَبِيُّ الْاَنْبِيَاءِ میں نبیوں کا بھی نبی ہوں۔ یہ خاتم کے معنی ہیں
جو خاتم النبیین میں ہے۔ یعنی تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہیں۔ اور یہ ایک اصول کی بات
ہے کہ جو وصف کسی چیز پر ختم ہوتا ہے وہیں سے شروع بھی ہوتا ہے اگر وہاں ختم نہ ہو تو شروع
بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ جیسے بجلی کے قلعے پورے شہر میں روشن
ہیں، یہ سب ختم کہاں ہوتے ہیں؟ پاور ہاؤس پر جا کر ختم ہوتے ہیں، تو پاور ہاؤس کو ہم خاتم
البرق کہیں گے کہ اس پر ساری بجلیوں کی انتہا ہے یعنی وہ بجلیوں کا منتہا ہے مگر وہ منبذ
بھی تو ہے وہاں اگر بجلیاں نہ ہوں۔ تو قلعوں میں کہاں سے آئیں گی تو جہاں ختم ہوتی ہے
چیز وہیں سے شروع بھی ہوتی ہے۔ تو پاور ہاؤس پر اگر اختتام ہے بجلیوں کا تو وہیں
سے افتتاح بھی ہے لاکھوں نل آپکے گھروں میں لگے ہوئے ہیں۔ ان میں پانی آرہا ہے
ان سب پانیوں کی انتہا و انحراد کس پر ہوتی ہے سارے پانی وہاں جا کر ختم ہو جاتے
ہیں تو وہ خاتم المیاء کہلاتے گا اور وہی فاتح المیاء بھی کہلاتے گا کیونکہ وہیں سے پانی شروع
بھی ہوتا ہے۔ اگر وہاں پانی نہ ہو تو نلوں میں کہاں سے آئے گا اور کیسے آئے گا جیسے آپ
یوں کہیں کہ آدم علیہ السلام سب کے باپ ہیں اور وہ خاتم الآباء ہیں یعنی باپ ہونا ان
پر ختم ہے ان سے آگے کوئی باپ ہی نہیں۔ وہی آخری باپ ہیں۔ اس لئے وہ خاتم
الآباء ہیں تو فاتح الآباء بھی تو وہی ہیں۔ وہ اگر باپ نہ بنتے تو ہم اور آپ کیسے ہوتے۔

جہاں ختم ہوئیں وہیں سے شروع بھی ہوئیں پانیوں کی انتہا جہاں سے ہوئی ابتدا یہی وہیں سے ہوئی، آپ لوں کہتے ہیں کہ ہم سب موجود ہیں۔ سب میں وجود ہے اور سب کے وجود کی انتہا ذات حق پر ہو جاتی ہے تو حق تعالیٰ خاتم الوجود ہیں۔ آگے پھر وجود کا کوئی سلسلہ نہیں ہے تو وہی خاتم الوجود بھی ہیں۔ وہیں سے وجود کا سلسلہ چلا ہے ہم موجود ہیں۔ وہاں وجود نہ ہو تو ہم اور آپ کیسے موجود ہوں گے۔ تو جو وصف جس ذات پر ختم ہوتا ہے اسی ذات سے شروع بھی ہوتا ہے۔ تو جب نبوت کے سارے کمالات آپ پر ختم ہو گئے ہیں، اور آپ خاتم الکمال ہیں تو خاتم الکمال بھی تو آپ ہی ہیں۔ وہاں سے کمالات نہ چلتے تو انبیاء کو کیسے ملتے اولیاء کو کیسے ملتے تو اس لئے آپ خاتم بھی ہیں اور خاتم بھی ہیں اسی لئے ایک حدیث میں آپؐ ارشاد فرمایا اَنَا اَوَّلُهُمْ خَلْقًا وَاٰخِرُهُمْ بَعَثْنَا كُلَّ سَبْعَةِ اَهِلِّ اٰلِیْنَ ہُوْنَ جِسْمِکَ اَوَّلًا وَاٰخِرًا سَبْعَ اَیَّامٍ مِّنْہُمْ میرا ہوا۔ تو نبوت آپ کو اسی وقت دے دی گئی تھی جب آپ کو بنایا گیا تھا مگر ظہور ہوا سب کے آخر میں اس لئے نبوت کے قیام کے لحاظ سے آپ اول بھی ہیں اور آخر میں بھی ہیں۔ درمیان سے نبوت چلی اور گھوم پھر کر وہیں آکر ختم بھی ہو گئی۔ تو آپ خاتم بھی ہیں۔ اور خاتم بھی ہیں۔ اس لئے سارے کمالات کی جڑ بنیاد ایک ہی لفظ ہے جس کو برت کہا جائے گا۔ وہ ہے ختم نبوت اگر کوئی ختم نبوت کا منکر ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضورؐ کی ساری خصوصیات کا منکر ہے اس نے دین کی بنیاد ڈھادی۔ اور جو ختم نبوت کا معترف ہے وہ آپ کے تمام خصوصی کمالات کا معترف اور مقبر ہے کیونکہ ختم ہی کے لفظ میں سارے کمالات چھپے ہوئے ہیں تو سیر کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ ساری نبوتوں کے کمالات علیٰ عملی، اخلاقی سب آکر آپ پر ختم ہو گئے ہیں۔

مثال کے طور پر اخلاق ہیں۔ اس میں علماء نے اخلاق اور ان کے مراتب

کریم۔ ایک خلق عظیم
خلق حسن | خلق حسن اخلاق کا ابتدائی درجہ ہے۔ اس کے معنی ہیں عدل کامل

اگر آپ کے ساتھ کوئی ایک پیسے کا احسان کرے تو اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ہی پیسے کے برابر آپ بھی احسان کر دیں تاکہ بدل ہو جائے۔ یہ کم سے کم درجہ ہے اگر ایک نے تو ایک پیسہ کا احسان کیا۔ اور آپ نے ایک کوڑی کا تو کہیں گے کہ بد اخلاق ہے، بخیل ہے، اے بدل دینا بخیل تا تو برابر برابر کرنا یہ ہے خلقِ حسن، کسی نے آپ کے ایک تھپڑ مار دیا آپ نے بھی اسی درجہ تھپڑ مار دیا تو کہیں گے کہ عدل کی بات ہے تھپڑ کھایا تھا مار دیا، اگر آپ تھپڑ کے جواب میں گھونسہ مار دیں تو کہیں گے کہ یہ بد اخلاق آدمی ہے۔ تو خلقِ حسن کے معنی ہیں، مساوات اور برابری کے۔ کہ برا بھی دیوے بھلا بھی دیوے۔ یہ خلقِ حسن دیا گیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امت کی تربیت کے لئے ویسے تو انبیاء سارے ہی اخلاق میں کامل و اکمل ہوتے ہیں۔ مگر امت کے ساتھ جو معاملہ فرمایا گیا وہ یہ کہ خلقِ حسن پر چلائے تاکہ ان میں عدل پیدا ہو۔ برائی ہو تو عدل سے ہو بھلائی ہو تو عدل سے ہو، تو حضرت ابراہیم نے انہی امت کو خلقِ حسن پر تربیت دی جس کو ایک حدیث میں بھی فرمایا گیا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرمایا یا خیلنی حسن خلقک و لو مع الکفر خلقِ حسن سے پیش آؤ چاہا تمہارے سامنے کفار ہی ہوں۔ اطلاقِ حسنہ کو مت چھوڑو۔ وہ اگر تمہارے ساتھ بھلائی کرے تو تم بھی اتنی ہی بھلائی کر دوہرائی کریں تو تم بھی اتنی ہی برائی کر سکتے ہو عدل قائم رکھو۔ تربیت کا یہ سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت تک چلا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے اس خلقِ حسن کی تکمیل کی اور امت کو اسی پر چلایا۔ ان کے یہاں انتقام لینا واجب تھا کہ تم بھی تھپڑ مارو۔ اگر کوئی ایک آنکھ بھڑے تو تمہارا بھی فرض ہے کہ تم بھی اس کی ایک آنکھ بھڑو۔
وَكُنْتُمْ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ مُّسْمِكِينَ وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنُ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفُ بِالْأَنفِ
وَالْأُذُنُ بِالْأُذُنِ وَالسِّنُّ بِالسِّنِّ وَالْجُودُ حَقًّا مَنْ قَتَلَ نَفْسًا فَهُوَ قَاتِلُهَا
نہے کہ قاتل کو تم قتل کر دو۔ کوئی آنکھ بھڑے تو تمہارا فرض ہے کہ تم بھی آنکھ بھڑو اس کی۔ کوئی تمہارا دانت توڑ کر مرے کہ تم بھی اس کا دانت توڑ دو۔ معاف کرنا جائز نہیں تھا انتقام لینا واجب تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور ختم ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور

آیا۔ ان کو حکم دیا گیا کہ اپنی اُمت کو تربیت کرو۔ خُلقِ کریم پر۔

خلقِ کریم | دوسرا معاف کر دے۔ درگزر کر دے۔ حق تھا کہ بدلے لیکن عالی حوصلگی سے معاف کر دیا تو کہا جائے گا کہ بڑا خلیق آدمی ہے کہ دوسرے نے تو ستایا اور اس نے معاف کر دیا۔ خلقِ کریم کے اندر ایثار ہوتا ہے کہ آدمی اپنا حق چھوڑ دے، یعنی بجائے بدلے لینے کے معاف کر دے، یہ دیا گیا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی مامت کی تربیت کیلئے اس خلق میں خلقِ حسن سے ایک درجہ بڑھا ہوا ہے اور وہ یہ کہ اگر تمہارے بائیں گال پر کوئی ایک پتھر مار دے تو تم دایاں گال بھی سامنے کر دو کہ بھائی ایک! درماتر جا، خدا تیرا بھلا کرے بدلہ ہرگز منت لو بلکہ معاف کر دو، تو شریعت عیسوی میں انتقام لینا جائز نہیں تھا۔ کوئی کتنی ہی بُرائی کرے معاف کر دو اور معاف کرنا واجب تھا۔ ان کے یہاں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہاں مدارِ خلقِ حسن پر تھا اس لئے ان کے یہاں انتقام لینا واجب تھا۔ معاف کرنا تھا نہیں تھا۔ سخت امت تھی تو احکام بھی سخت تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت بھی نرم تھی اس لئے ان کے احکام بھی آسان تھے اور سہل تھے۔

شریعت اسلام میں دونوں خلق جمع کر دیئے گئے | شریعت اسلام میں شریعت

شریعت عیسوی کا عفو، دونوں چیزوں کو جمع کر دیا گیا ہے فرمایا جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا تمہارے ساتھ اگر کوئی بُرائی کرے، تو تمہیں حق ہے کہ اتنی ہی بُرائی تم بھی کرو اگر کوئی دانت توڑ دے تو تمہیں بھی حق ہے کہ تم بھی دانت توڑ دو، آگے فرمایا فَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا مِّمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ اور اگر معاف کر دو تو اللہ کے یہاں بڑے بڑے درجے میں گئے تو انتقام کا حق بھی دے دیا اور معافی کی تفصیلت بھی بیان فرمادی، گویا شریعتِ موسوی اور شریعتِ عیسوی دونوں جمع ہو گئیں، شریعتِ اسلام کے اندر اور یہ اس لئے کیا گیا کہ شریعتِ اسلام پیغام ہے ساری دنیا کی اقوام کے لئے مثلاً اگر معاف کرنا واجب ہوتا۔ بدلہ لینا کسی طرح بھی جائز نہ ہوتا تو جتنی قوی قومیں ہیں، کوئی

بھی اسلام قبول نہ کرتی اور سرحدی پٹھان تو ایک بھی مسلمان نہ ہوتا کہ بھائی بزدل کے مذہب میں کون داخل ہو گا اگر کسی کو پتھر مار دے تو دوسرے کو خاموش کھڑا ہونا ہو گا۔ اور وہ کہے گا کہ بھائی تیری مرضی ہے، بدلہ تو میں لے نہیں سکتا۔ یہ بزدلانہ بات ہے اس لئے ہم اس مذہب میں شریک نہیں ہوتے، قوی قومیں یہ کہہ کر الگ ہو جاتیں۔ اور اگر انتقام لینا اذیبت ہو تا تو جو قسم تو میں تھیں وہ بھی اسلام قبول نہ کرتیں۔ وہ کہہ دیتیں کہ ہم سے تو یوں ہی گذر شکل ہے، چہرہ جائیکہ انتقام لیا جائے کسی نے مار دیا پتھر ہم میں کہاں عاقبت ہے کہ ہم پتھر مار پھریں اور اسلام کہتا ہے کہ پتھر ضرور مار دو یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ تو اگر معاف کرنا ہی اذیبت ہو تا تو سخت مزاج قومیں اسلام میں نہ آتیں اور یہ بی بیام ہے ساری اقوام کے لئے اس لئے اسلام میں ساری چیزیں جمع کر دی گئیں تمہیں انتقام لینے کا حق بھی ہے اور معاف کر دو تو بڑے بڑے درجات ملیں گے دونوں حق دے دیتے گئے دونوں قسم کی اقوام آگئیں۔ یہ خلقِ حسن اور خلقِ کریم تھا، لیکن سب سے اعلیٰ درجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا اور وہ خلقِ عظیم ہے اس سے اعلیٰ درجہ اخلاق کا اور کوئی نہیں ہے

خلقِ عظیم | خلقِ عظیم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ برائی کرے تو دوسرا معاف کر دے اور ساتھ میں بھلائی بھی کرے، یہ اخلاق کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا تھا۔ لوگوں نے آپ کے ساتھ برائی کی۔ آپ نے ان کے ساتھ انتہائی بھلائی کی۔ دوسروں نے گالیاں دیں آپ نے ان کے لئے دعا کی مانگیں۔ یہ ہی خلقِ عظیم ہے اسی کو حق تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر فرمایا ہے اعلیٰ علیٰ خلقِ عظیم کہ آپ خلقِ عظیم پر پیدا کئے گئے ہیں۔ ان ہی اخلاق اور اسی بر تاد کی وجہ سے ہر چھوٹا اور بڑا آپ پر جان قربان کرتا تھا اپنا مال و جان بچھا دے کرتا تھا۔ کوئی آپ کے راستہ میں کانٹے بچھاتا ہے تو آپ اس پر رحم فرماتے ہیں اس کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں چنانچہ آپ کی سیت اور آپ کے خلق کو قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فبما رحمة من الله لنت لهم کہ اللہ نے جو رحمت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھردی ہے اسی وجہ سے آپ کا قلب نرم ہے موم ہے ذرا سی تکلیف پر آپ بے چین ہو جاتے

ہیں۔ وہ حمت کا اثر ہے۔ تو حضورؐ کے کاموں کی خلقِ حسن سے ابتدا نہیں کرائی گئی بلکہ خلقِ کریم سے کرائی گئی کہ معاف کر دو اور انتقام لینے کی فکر نہ کریں۔ چنانچہ فرمایا گیا **وَلَا تَكُنْتُمْ أَفْظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا انْفُسًا مِنْ حَوْلِكَ** اگر آپ سخت دل ہوتے تو یہ جو دنیا پر دلوں کی طرح آپ کے ارد گرد جمع ہو رہی ہے سب اٹھ کر بھاگ جاتی آپ کی سختی کی وجہ سے۔ آپ کے قلب کو ہم نے نرمی بخشی، چنانچہ فرمایا گیا **فَاعْفُ عَنْهُمْ** معافی کو اختیار کریں کہ کوئی برائی کرے۔ تو آپ معاف کر دیں انتقام نہ لیا کریں۔ چنانچہ عمر بھر آپ نے کسی سے کبھی انتقام نہ لیا گایا آپ کو دی گئیں، سارا آپ کو کہا گیا۔ کذاب آپ کو کہا گیا، غبنوں آپ کو کہا گیا، کاٹنے آپ کے راستے میں پھانسنے گئے، پتھر آپ کو مارے گئے اونٹ کے سے اور جھڑی آپ کے سر مبارک پر ڈالی گئی۔ لیکن کبھی انتقام نہ لیا اور معاف فرمادیا تو آپ کی ابتدا خلقِ کریم سے ہے، خلقِ حسن چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ فرمایا گیا **فَاعْفُ عَنْهُمْ** یہاں سے ابتداء ہوئی، پھر آگے فرمایا کہ یہ بھی آپ کی شان کے بہت نیچے کا درجہ ہے کہ آپ معاف کر دیا کریں اس سے بھی آگے بڑھے اودہ یہ کہ جو آپ کے ساتھ برائیاں کر رہے ہیں ان کے لئے دعائے مغفرت بھی کریں **وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ** آپ ان کی بخشش بھی مانگیں اللہ سے آپ کی شان بہت بلند ہے آپ گالیاں دینے والوں کو بھی معاف کر دیا کریں، اور ان کے حق میں دعا بھی کریں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ میں اپنا سمجھتے ہیں۔ یہ ہی خلقِ عظیم ہے کہ دوسرے گالیاں دے رہا ہے آپ سہالیاں دے رہے ہیں وہ ایذا میں بیچارہ ہے، آپ دعا دیتی دے رہے ہیں یہ انتہائی مرتبہ ہے اخلاق کا وہ آپ کو عطا کیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خلقِ حسن دیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خلقِ کریم دیا گیا اور آپ کو خلقِ عظیم، تو تمام انبیاء کے علوم جمع ہیں آپ کے اندر اور سارے اخلاق جمع ہیں۔ اس لئے آپ خاتم ہیں۔ سیر مبارک کا حامل درحقیقت ختم نبوت میں چھپا ہوا ہے خاتم کے لفظ میں تمام انتہائی کمالات آجائے ہیں آگے اس کی ساری تفصیلات ہیں، اس میں آپ نے دشمنوں کے ساتھ وہ برتاؤ فرمایا ہے کہ ہم دوستوں کے ساتھ بھی نہیں کر سکتے۔

بوقتِ ہجرت عثمانِ شیبی کا سلوک

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جب آپ کے لئے ہجرت کا حکم ہو گیا تو آپ نے چاہا

کہ میں بیتِ اشدر میں دو رکعت نماز پڑھوں۔ یہ تو ظاہر تھا نہیں کہ آپ ہجرت فرما رہے ہیں، مگر اجازت آپ کی تھی۔ اس زمانہ میں عثمان شیبی کے ہاتھ میں کعبہ کی کنجیاں رہتی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ شیبی! ایک دو منٹ کے لئے بیتِ اللہ کھول دو، میں دو رکعت پڑھ لوں۔

اس نے آپ کو ڈانٹ دیا اس لئے کہ حکومت تو اسی کی تھی، آپ کی تو قی نہیں۔ آپ نے کچھ نرمی سے فرمایا کہ وہی رکعتیں پڑھنی ہیں اس نے کہا کہ نہیں نہیں۔ بہر حال اس نے اجازت نہیں دی۔ آپ نے فرمایا کہ شیبی! ایک وقت آنے والا ہے، میں تو اس جگہ کھڑا ہوا ہوں گا جہاں تو کھڑا ہے، اور تو اس جگہ کھڑا ہوا ہو گا جہاں میں کھڑا ہوا ہوں اس وقت تیرا کیا حشر ہو گا اس نے کہا کہ یہ سب تخیلات ہیں، شیخِ جلی کی باتیں ہیں غرض اجازت نہ دی، بلا نماز پڑھے آپ واپس تشریف لائے۔ رات کو ہجرت فرمائی۔ یہ تیرہ برس کی زندگی آپ نے انتہائی پریشانیوں میں گزاری پھر ہجرت کے سات آٹھ سال بعد مکہ میں آپ کا خاتمانہ داخلہ ہوا، اور آپ نے مسجدِ حرام سے ابتدا کی کہ وہاں اگر آپ نے نماز پڑھی، کعبہ کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں دی گئیں۔ آپ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ بلادِ شیبی کو شیبی حاضر ہوا۔ فرمایا کہ وہ وقت یاد ہے کہ میں نے منت و سماجت کی تھی کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو۔ مگر تم نے اجازت نہیں دی تھی۔ اس نے کہا ہاں یاد ہے اور فرمایا کہ یہ بھی یاد ہے کہ میں نے کہا تھا کہ ایک وقت آنے والا ہے۔ میں وہاں کھڑا ہوا ہوں گا جہاں تو کھڑا ہے اور تم یہاں کھڑے ہو گے جہاں میں کھڑا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ وقت آگیا ہے کہ میں کھڑا ہوں تیری جگہ اور تم کھڑے ہو میری جگہ، اس نے کہا ہاں وہ وقت آگیا ہے فرمایا کہ اب تیرا کیا حشر ہوتا چاہیے اس نے ایک ہی لفظ کہا کہ آخِ کَرِ فِتْنَةٍ نَبِیِّ کَرِ فِتْنَةٍ میں کریم پیغمبر اور کریم بھائی کے سامنے ہوں۔

اس بُرائی کا بدلہ آپ نے یہ دیا کہ کعبہ کی کنجیاں ہر دیکس اور فرمایا کہ فَسَلَا بَعْدَ فُسْلَا
قیامت تک تیرے ہی خاندان کو دیتا ہوں، یہ کنجیاں تو آج تک وہ شیبی کا خاندان ہے جو

برابر کلید بردار کعبہ ہے اور آدھے مکہ پر اس کی حکومت ہے لاکھوں کروڑوں کا سامان اس کی دکانوں میں پڑا ہوا ہے اور جسے چاہے اجازت دے اور جسے چاہے بیت اللہ کے داخلہ کی اجازت نہ دے، تو اس نے درکعت نہیں پڑھنے دی۔ جواب میں آپ نے کنجیاں پسرد کر دیں اور فرمایا کہ لے یہ تیرے خاندان کو قیامت تک کے لئے دیتا ہوں۔ یہ خلقِ عظیم نہیں تھا تو اور کیا تھا کہ ادھر سے زیادتی اور ادھر سے یہ کچھ لطف و کرم۔

اس کے بعد اعلان کرایا کہ سارے اہل مکہ کفار مکہ کے ساتھ حضور کا سلوک مسجد حرام میں جمع ہو جاویں تو سب لرزے اور کانپتے ہوئے آئے۔ اس لئے کہ قرہ برس تک تکلیفیں پہنچائیں وہ ان کی نگاہوں کے سامنے تھیں۔ کوئی ان کہنی ایسی نہ تھی جو حضور کو نہ کہی گئی ہو، کوئی ان کرنی ایسی نہ تھی جو آپ کے ساتھ نہ کی گئی ہو اس لئے سب کو خوف تھا کہ اب قتل عام کا حکم ہو گا کہ سارے اہل مکہ کو قتل کر دیا جاوے گا۔ جب سب جمع ہو گئے اور مسجد حرام بھر گئی، تو آپ نے بیت اللہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ وہ دقت یاد ہے کہ تم خدا کے رسول کے ساتھ کیا کیا معاملات کئے۔ تم نے بُرا کام کیا، تم نے یہ بُری حرکت کی۔ یہ تکلیفیں پہنچائیں۔

آپ نے سب کو یاد دلایا اور سب نے اقرار کیا۔ اب تلوان کو کامل یقین ہو گیا کہ اب حکم ہو گا کہ ان سب کی گردنیں ماری جائیں جب آپ پوچھ چکے اور سب نے اقرار کیا، انکار کی کوئی گنجائش نہ رہی، اس کے بعد آپ نے فرمایا اِذْ هَبُوا اَنْتُمْ اَطْلَاقًا۔ سب جاؤ آزاد ہو، اور مکہ میں امن سے رہو۔ تمہارے اوپر کوئی گرفت نہیں۔

پھر اس کے بعد سب دین میں داخل ہوتے يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا، یہ تو خلقِ عظیم تھا کہ جس نے زیادہ ستایا، اس کے ساتھ زیادہ بھلائی اور معافی کا معاملہ اختیار کیا اور کبھی کسی سے انتقام لینے کا ارادہ تک نہ فرمایا۔

یہودی کے قرض کا واقعہ اور حضور کا حکم و بردباری | یہود کا ایک بہت بڑا عالم تھا۔ زید بن سونہ، جو اپنے

زمانہ کا جابر اور بہت بڑا عالم سمجھا جاتا تھا آپ نے اس سے دس یا بیس کلو کی مقدار میں سے

جو قرض لئے اور طے یہ ہو کہ چھ مہینے بعد بدلے میں اتنی کچھویریں ہم تمہیں دے دیں گے معاملہ طے ہو گیا۔ وہ گھر کا رئیس تھا اس نے مطلوبہ تعداد میں جو لاکر حضور کی خدمت میں پیش کئے اور چھ مہینے کا وعدہ ہو گیا کہ چھ ماہ بعد کچھویروں کی صورت میں ادا کیا جائے گا، اسٹک تیسرے دن اگر مطالبہ کیا کہ لاؤ میرا قرضہ ادا کر دو آپ قانونی طور پر فرما سکتے تھے کہ بھائی چھ ماہ کی مدت طے ہوئی تھی تو تیسرے ہی دن آگیا مگر یہ نہیں فرمایا بلکہ حیا سے گردن جھکالی اور فرمایا کہ بھائی میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں کہنے لگا کہ ہو یا نہ ہو ابھی کر دو۔ اسی وقت ادا کرنے پڑیں گے۔ آپ نے پھر بہت نرمی سے فرمایا کہ بھائی میرے پاس ہوتے تو میں دے دیتا مگر یہ نہ فرمایا کہ بھت تو وعدہ شکنی کر رہا ہے معاہدہ ہوا تھا چھ ماہ کا اور آگیا تو تیسرے ہی دن گویا قانونی گرفت نہیں فرمائی۔ وہی خلق کا معاملہ فرمایا کہ بھائی میں سے کچھ ہے نہیں۔ جب ہو گا میں دیدوں گا اس نے سخت کلامی شروع کی اور یہ کہا کہ تم ہی نہیں بلکہ تمہارے خاندان اور بنی باشم کی عادت یہ ہی ہے کہ قرضہ لے کے دبا بیٹھتے ہیں۔ اور کسی کو واپس نہیں دیتے ہیں اور سخت سبک کہنا شروع کیا۔

حضرت عمرؓ کو اس کی نازیبا حرکت پر غصہ آیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ اس کافر کی گردن قلم کر دوں، کہ اللہ کے رسول کی شان میں یہ شخص گستاخی کر رہا ہے مگر آپؐ بجائے اس کے کہ زید بن سونہ پر غصا ہوتے حضرت عمرؓ پر غصا پڑا کہ اے عمر! تم سے یہ توقع مجھے بالکل نہ تھی کہ تم ایسی بات کہو گے۔ تمہیں مجھے سمجھانا چاہئے تھا، مدد کرنی چاہئے تھی، مگر تم اس کے قتل کی فکر کر رہے ہو۔ یہ اپنا حق مانگ رہا ہے، تم اسے حق مانگنے سے روک رہے ہو۔ یہ نہیں فرماتے، کہ وہ بد عہدی کر رہا ہے۔ بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ اس کا جو قرضہ میرے ذمہ ہے وہ مانگئے آیا ہے۔ بجائے اس کے تم مجھے سمجھاتے نصیحت کرتے تم اس کی گردن مارنے کی فکر میں ہو۔ یہ تمہارے لئے زہر ہے ہرگز مناسب نہیں عرض کیا یا رسول اللہ! پھر میں اس کی بد کلامی کو کیسے برداشت کروں۔ اچھا آپ اجازت دیں، میں اس کے قرضہ کو ادا کر دوں، فرمایا کہ ہاں اس کی اجازت ہے۔ ادا کر دو۔ مگر جتنے جو ہم نے لئے تھے اتنی کچھویریں دے دو، اور کچھ فائدہ دیکھو کہ ہم نے اسے پریشان کیا۔ یہ مانگئے

آیا اور ہم نے وقت پرادانہ کیا۔ حضرت عمرؓ گئے مقررہ کھجوریں دیں اور ادھر سے کچھ درآمد بھی دیں اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اسے غور سے دیکھا اور پوچھا کہ تو زید بن سونہ ہے اس نے کہا ہاں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہود کا عالم اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ تمہ پر کیا مصیبت آئی ہے کہ تو نے ایسی بد تہذیبی کی اس نے کہا کہ اصل قصہ یہ ہے کہ میں نے قصداً ایسا کیا ہے اور وہ یہ کہ میں گوراء میں حضورؐ کی ساری شانیں بڑھ چکا ہوں اور سب کو آزما چکا ہوں۔ اور یہ وہی پیغمبرِ خرازاں ہیں جن کی خبر دی گئی ہے ایک وصف رہ گیا تھا جس کا امتحان باقی تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ ان کے سامنے جو شخص جتنی بد تہذیبی کرتا ہے، اتنا ہی ادھر سے رحم و کرم کا معاملہ ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے قصداً کیا تاکہ مجھے اس وصف کے آزمانے کا موقع ملے، تو آج واضح ہو گیا کہ یہ وہی نبی ہیں۔ میں نے انتہائی گستاخیاں کیں مگر آپؐ کی زبانِ مبارک سے نرم الفاظ اور محبت ہی کے کلمے نکلتے رہے کوئی انتقامی کلمہ نہیں نکلا۔ تو جو وصف میں نے پڑھا تھا آج اس کا یقین ہو گیا

لہذا فیصلہ ہو گیا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ
میں مسلمان ہوتا ہوں اور میری لاکھوں روپیہ کی جائداد ہے، وہ سب اسلام کے کاموں کیلئے وقف ہے آج سے میں اسلام میں داخل ہو گیا۔ اسی طرح نبی اکرمؐ نے اپنے اخلاقِ عالیہ سے مخلوق کے دلوں کو موہ لیا۔ یہ معاملہ حضورؐ کے خلقِ عظیم کا تھا آپؐ رحمتہ للعالمین ہیں، نبی رحمت ہے خلقِ عظیم آپؐ کو دیا گیا۔ علوم انتہائی طور پر دیتے گئے کہ عالمِ خلق میں اتنا علم کسی کو نہیں دیا گیا، جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔
یہی سیر کا خلاصہ در مفہوم ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین - !!

مجموعہ مہم و مہار

ایمان افروز مجالس

پہلی مجلس

ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر قوم نے اپنے قومی مفاد کے خیال سے کچھ فنڈ جمع کیا۔ مثلاً لاکھ دو لاکھ روپیہ اور پھر یہ کچھ میں آیا کہ اس رقم کو بطور قرض تاجروں کو دیں اور چونکہ تاجر بہر صورت بینک سے سودی قرض لیتا ہی ہے تو کیوں نہ ہم اس رقم کا سود وصول کریں تاکہ فنڈ قائم رہے اور ترقی کرتا رہے اور قوم کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے تو قوم کی یہ ہمدردی اسلامی شریعت کے نزدیک جائز ہے یا نہیں ؟

حضرت
حکیم الاسلام

کسی عمل کے لئے محض نیت کی خوبی کافی نہیں

نے فرمایا کہ سود کا مسئلہ تو واضح اور کھلا ہوا مسئلہ ہے۔ اجتہادی یا فروعی مسئلہ نہیں ہے۔ قرآن کریم کی آیت ہے **أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا**۔ اللہ نے بیعت کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا۔ سود کسی بھی نوعیت سے ہودہ حرام ہے۔ اگر کسی بھی عمل کا اگر حرام طریق سے ہو تو وہ مستقل وبال جان بنے گی، دینیات میں بھی اور اخلاقیات میں بھی کسی عمل کے لئے محض نیت کی خوبی کافی نہیں جب تک کہ وہ عمل شریعت کے مطابق نہ ہو اپنی نیت سے اگر کوئی گناہ کرے تو وہ نیکی نہیں میں جانتے گا اور نہ ہی اس نیت کا کوئی اعتبار ہوگا۔ جب دو چیزیں تھیں بیع اور سود۔ ایک کو حلال قرار دیا اور ایک کو حرام تو بجائے اس کے کہ اس پر سود لیں اور صریح حرام کے مرتکب ہوں خود بھی گناہ میں مبتلا ہوں اور قوم کو بھی گناہ میں مبتلا کریں۔ اس کو کسی تجارت میں کیوں نہ لگا دیں۔ خواہ ایک شخص وکیل بن جائے سب کی طرف سے نفع نقصان کا برابر کا شریک رہے اور اس منافع سے وہ قوم کی خدمت کرے کہ وہ سرمایہ بھی باقی رہ سکتا ہے یہ مناسب نہیں کہ محض سرمایہ کو رکھنے کے لئے ایک حرام شکل اختیار کی جائے کہ وہ اس المال کو بھی حرام اور ناجائز کر دے تو اس سے قوم

کو فائدہ نہیں بلکہ ضرر پہنچے گا یہ میری سمجھ میں آتا کہ جو مسلمان قرآن پر ایمان رکھتے ہیں وہ کھلے طور پر کیسے خلاف ورزی کریں گے محض اس نیت سے کہ قومی ہمدردی ہو۔

آج یورپ والے جو سود لے رہے ہیں اور دے رہے ہیں ان میں بھی تو قومی ہمدردی کا جذبہ ہے کہ قوم کو فائدہ پہنچے لیکن وہ

تو شریعت کے مکلف ہی نہیں مگر جو لوگ شریعت کے مکلف ہیں اور اس پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ سود لینے دینے میں ضرر بھی ہے۔

پھر جانتے بوجھتے کسی کام کو کرنا اور اس پر اعتماد بھی کر لینا صرف یہ سمجھ کر کہ ہماری تو نیت نیک ہے نہایت ہی غلط اور غیر مناسب بات ہے اور قوم کے ساتھ ہمدردی کے بہانے درپردہ دشمنی ہے دنیاوی بھی اور اخروی بھی۔

لہذا کسی کام کیلئے

حُسن نیت کے لئے عمل کا مشروع ہونا لازم ہے

محض نیت کی خوبی کافی نہیں۔ اب نیک نیتی سے کوئی یوں سمجھ لے کہ نماز تو اچھی چیز ہے۔ اسکی چھ رکعت ہی پڑھ لوں نفع ہی نفع ہو گا۔ تو چار بھی نہ ہوں گی وہ بھی منہ پر مار دی جائیں گی تو جہاں اسلام میں نیت کی خوبی ضروری ہے۔ عمل کی خوبی بھی تو ضروری ہے۔ حسن عمل یا عمل صالح اسی کا نام ہے کہ جس میں اخلاص اور صمیمیت بھی ہو اور ساتھ میں عمل کی صورت بھی وہی جو جو شریعت سے ثابت ہو۔ اسی لئے سورۃ تَبٰرُکُ الَّذِیْ فَرَّیَّا یَا گیا ہے۔ تَبٰرُکَ الَّذِیْ یَسْخَرُ الْمُلُکَ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَا یَسْئَلُکُمْ اَنْ تَبْلُغُوْا اَحْسَنُ عَمَلًا۔ برکت والی ہے وہ ذات کہ جس کے ہاتھ میں ملک ہے دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی اور کائناتوں کا بھی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی وہ ذات ہے کہ جس نے موت اور حیات پیدا کی۔ کسی کو وجود دیا کسی سے وجود چھینا۔ کسی کو زندہ کیا کسی کو مردہ کیا، اس کے ہاتھ میں ہے وجود اور عدم کی باگ ڈور۔ عالم میں یہ تیزرات، موت حیات، نعمت، سلبِ نعمت کیوں رکھے، وجہ فرمائی لَیْسَ لَکُمْ اَنْ تَعْلَمُوْا اَحْسَنُ عَمَلًا۔ تاکہ اللہ تمہیں چاہیں کہ تم اچھا عمل کرتے ہو یا بُرا۔ جب تم

اس کے ملک میں ہو، اس کے اقتدار کے نیچے ہو۔ اس کی قدرت کے تحت ہو تو تم اس کی اتباع کرو گے یا نہیں۔ اسی کو جانچنے کے لئے عالم میں یہ تغیرات رکھے ہیں تاکہ تمہارے ایمان کی جانچ ہو اور دیکھیں کہ تم میں أَحْسَنُ عَمَلًا کون ہے۔

أَحْسَنُ عَمَلًا کی تفسیر | احسن عمل کی تفسیر ابن عباس نے کی ہے اِیْ اَخْلَصًا وَ اَثْبَتًا۔ حسن عمل اور عمل

صالح وہ ہے کہ خالص ہو رضا خداوندی کے لئے اس میں اخلاص ہو، ریاء نہ ہو اور ثابت ہاں۔ یعنی اس طریقہ سنت کے مطابق ہو جو شریعت نے ثابت کیا ہو۔

عمل کا ظاہر و باطن | عمل باطن کے اعتبار سے تو خالص ہو رضا خداوندی کے لئے اخلاص کے ساتھ ہو مخلوق کی رضا یا اپنی رضا۔

نفس شامل نہ ہو۔ اگر رضا خلق کا شائبہ تک بھی شامل ہے عمل کے اندر تو وہ داخل شرک قرار دیا گیا ہے اور ظاہر کے اعتبار سے ثابت ہاں۔ ہو اور بطریق صواب ہو یعنی اس پہنچ پر ہو کہ جس طرح شریعت نے بتلایا ہے تو گویا عمل صالح کی دو بنیادیں ہو گئیں۔ ایک اخلاص اور ایک اتباع سنت۔

عمل صالح کی کسوٹی | اخلاص اللہ کو جو کلمہ بیان کر رہا ہے وہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی بقی

ہے۔ اسی کا حکم ماننے کے قابل ہے اور اسی کی رضا پر چلنے سے نجات حاصل ہو سکتی ہے اور اسی کلمہ کے دوسرے جز مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ سے نکلتا ہے اتباع سنت۔

اس لئے کہ بطریق صواب وہی ہے جس کو سرکارِ دو عالم نے کر کے دکھایا ہے یا جو آپ کے متبعین حضرات صابہ کا تعامل ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ جس عمل میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ شامل ہو گا وہی عمل صالح ہو گا

ایک غلط فہمی | عمل صالح اسے نہیں کہتے کہ میں اور آپ سمجھ رہے ہیں کہ فلاں نے بڑے اچھے کام کئے۔ رفاہ عام کا کام کیا۔ بہت ہی عمدہ کام کیا ہمارے اور آپ کے سمجھنے سے اور محض تخیل سے وہ عمل صالح نہیں

بنے گا۔ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو وہ غلط فہمی میں مبتلا ہے۔

بلکہ عمل صالح بننا ہے دو بنیادوں سے۔
عمل صالح کی دو بنیادیں

ایک بنیاد ہے اخلاص اللہ اور دوسری بنیاد ہے اتباع سنت۔ جس کام میں اخلاص ہے اور اتباع سنت بھی ہے وہ عمل صالح ہوگا۔

اب اگر اخلاص میں کمی آتی یعنی کسی کام میں رضاء خداوندی
شرک فی العمل

کے ساتھ کچھ مخلوق کی رضاء بھی شامل ہوگئی۔ یا نفس کی رضاء مخلوط ہوگئی تو وہ عمل خالص اللہ کے لئے نہ رہا۔ اس لئے جس درجہ اخلاص میں غیر اللہ کی رضاء شامل ہوگی شرک کی بنیاد پڑتی چلی جاوے گی اور شرک فی العمل ہو جائے گا

محمد رسول اللہ کے معنی ہیں کہ اتباع ہو رسالت خداوندی
بدعت کی بنیاد

کی۔ اب جس درجہ اتباع میں کمی آتی جائے گی اسی درجہ ابتداء اور بدعت کی بنیاد پڑتی چلی جاوے گی جو شرک تک پہنچائے گی۔ تو دین کی اصلاح کی دو بنیادیں ہیں۔ اخلاص اور اتباع اور دین کے فساد کی دو بنیادیں ہیں شرک اور بدعت۔ لا الہ الا اللہ میں کمی آنے سے شرک کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور محمد رسول اللہ میں کمی آنے سے بدعت کی ابتدا ہوتی ہے۔

اب ہر آدمی کا کام ہے کہ اپنے ہر کام میں غور کرے کہ جو کام میں
ہر آدمی کا کام

کر رہا ہوں اس میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ شامل ہے یا نہیں جس پر اس کا ایمان ہے۔ اگر ہے تو عمل صالح نہیں تو پھر وہ عمل طالح۔ تو ایک تو ہے صریح چیز جس کو شریعت نے صراحۃً ممنوع قرار دیا ہے اس کو اگر جائز کرنے کی فکر میں ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اخلاص تو پہلے ہی کھو دیا۔ وہ کام رضاء حق کے لئے نہ رہا اور ساتھ میں اتباع کو بھی خیر یاد کہہ دیا کہ وہ رسالت کی پیروی نہ رہی تو اس عمل میں برکت کہاں سے ہوگی۔ اس سے جتنے بھی آثار پیدا ہوں گے وہ سب نجس اور ناپاک ہوں گے۔ اس لئے کہ معدہ ہی درحقیقت حوض بدن ہے اس کا پانی کندہ ہوا

تو ایک ایک عضو میں گندگی پہنچے گی۔ معدہ میں پاک چیز بھری ہوتی ہے تو ہر عضو میں پاک چیز پہنچے گی۔ ایمانی خوشبو پیدا ہوگی اسی لئے حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب مرنے کا وقت قریب ہوتا ہے اور ملائکہ نزاع روح کرتے ہیں تو ملائکہ ہاتھوں کو پیروں کو، منہ کو ٹانگوں کو سونگھتے ہیں کہ ان میں ایمان کی خوشبو کتنی ہے۔ وہ جو قلب کا ایمان ہے جب وہ پھیلتا ہے تو ہاتھ پیر پر آتا ہے۔ عمل کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ تو ملائکہ اس سے اندازہ کر لیتے ہیں کہ اس کے ہاتھ پیر میں ایمان کی اس قدر خوشبو ہے۔

ابتداء سے لیکر انتہا تک اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف ایمان کی جانچ

دو ہی چیزوں کی جانچ ہے۔ وہ یہ کہ ہر عمل میں ایمان کا دخل ہو اور ہر عمل میں اتباع کا دخل ہو۔ ایمان میں کمی اتنی شرک پیدا ہوا۔ اتباع میں کمی اتنی بدعت پیدا ہوئی اور یہ دونوں چیزیں دین کے فساد کی ہیں تو آدمی قومی ہمدردی کرے اور دین کو پہلے ہی خیر باد کہہ دے۔ یہ ہمدردی کیا ہوئی۔ یہ تو اپنی ہی ہمدردی رہی نہ قوم کی ہمدردی رہی۔

شاہ افغانستان کا ایک سبق آموز واقعہ | اس پر مجھے ایک بات یاد آئی دیکھنے میں تو مہرلی

ہے لیکن مجھ دار کے لئے سبق آموز ضرور ہے۔ وہ یہ کہ افغانستان کے بادشاہ امیر دوست محمد خاں صاحب جو امیر عبدالرحمن خاں صاحب کے والد اور امان اللہ خاں کے داماد تھے بہت دین دار بادشاہ تھے ان کی دینی باتیں ضرب الشل تھیں۔ ایک روز وہ شاہی محسراتے میں آئے تو چہرہ کچھ ادا س سا تھا تو بیگم نے پوچھا کہ آج آپ کے چہرہ پر غمگینی اور ادا س کیوں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک بہت بڑے حادثے کی اطلاع آئی ہے جسکی بنا پر میں منگوم ہوں اور پریشان ہوں وہ یہ ہے کہ افغانستان پر کسی دشمن نے حملہ کیا تو میں نے اپنے شہزادے کو فوج دے کر مقابلہ کے لئے بھیجا تھا۔

آج سرحد سے یہ خبر آئی ہے کہ شہزادے کو شکست ہو گئی | شکست کی خبر ملی ہے اور وہ دوڑتا ہوا آ رہا ہے اور دشمن اس کے پیچھے

پچھے ملک کو فتح کرتا ہوا آرہا ہے تو دو غم مجھے لاحق ہیں ایک تو ملک ہاتھ سے گیا وہ دوسرے کے قبضہ میں چلا جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ میرا شہزادہ شکست کھا کے آیا اور بزدلی دکھائی یہ داغ میرے اوپر مرتے دم تک باقی رہے گا کہ میرا شہزادہ کمزور اور بزدل ہے۔ ان دونوں کی وجہ سے میرا چہرہ ادا اس ہے

تروید شکست | بیگم نے کہا کہ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں اور غلط خبر ہے۔ میرا شہزادہ شکست کھا کر نہیں آسکتا ہے یہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ شہید ہو جائے لیکن دشمن کو پشت دکھا کر آئے یہ ممکن نہیں۔ یہ خبر جھوٹی ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ سرکاری پرچہ نویسوں کی اطلاع ہے۔ اسٹل کہا کہ وہ پرچہ نویس بھی جھوٹے ہیں۔ انہوں نے کہا خالص بادشاہی دفتر کی اطلاع ہے اس نے کہا کہ دفتر بھی جھوٹا ہے۔ تو امیر نے کہا کہ اب کون اس عورت سے چھگل بادل کرے۔ مرغ کی ایک ٹانگ ہانکے جاوے گی۔ نہ اسے سرکاری حکومت کے حالات کی اطلاع، نہ دفاتر کی، نہ سرکاری کاغذات کی۔ اس نے سب کو جھوٹا قرار دیدیا، گھر میں بیٹھنے والی عورت ہے اسے کون بچھائے واپس چلے آئے۔

اور اب فتح کا شادمانہ | اگلے دن گھر گئے تو چہرہ بہت ہشاش و بشاش اگلے تھا۔ بیگم نے کہا کہ کیا بات ہے آج تو بہت خوش ہیں۔ کہا کہ تم نے جرات کہی تھی وہی صبح نکلی۔ وہ تو صورت یہ ہے کہ دشمن کو بھگا دیا شہزادے نے اور فتح کے شادمانے بجاتا ہوا آرہا ہے، فاتح بن کر آرہا ہے۔ دشمن کو دور تک بھگا دیا ہے

واقعہ کی تحقیق اور حقیقت کا انکشاف | بیوی نے کہا الحمد للہ خدا

نے میری بات سنی کر دی۔ اس پر امیر نے پوچھا کہ آخر تم نے اتنی قوت سے کیسے دعویٰ کیا وہ شکست کھا کر نہیں آرہا ہے۔ کیا تمہیں الہام ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ میں عورت ذات ہوں مجھے الہام سے کیا تعلق اور پھر شہی بیگم۔ سارے عیش کے سامان میز پر ہیں ایسی دلی کہاں سے بن گئی کہ مجھ پر الہامیت خداوندی ہوں۔ امیر نے کہا کہ پھر آخر ایسی قوت سے تم نے کیسے دعویٰ کیا کہ ساری خبریں جھوٹی ہیں اور واقعی وہ نکلی جھوٹی۔ یہ کیا بات ہے؟

بیگم نے کہا کہ یہ ایک راز ہے جسے میں ظاہر کرنا نہیں چاہتی۔
اب امیر سر ہوئے کہ ایسا کونسا راز ہے بیوی کا جو خاوند

اختفاء راز پر اصرار

سے چھپا رہے خاوند سے زیادہ رازدار کون ہے بیوی کا۔ وہ پوچھنے پر مصر ہیں اور یہ چھپا رہی ہیں امیر نے کہا کہ میں بہر حال تم سے پوچھ کر رہوں گا۔ اب وہ مجبور ہوئی تو اس نے کہا کہ میں نے عمر بھر یہ بات ظاہر نہیں کی آج میں وہ راز کھولے دیتی ہوں جب آپ بے حد مصر ہیں۔

وہ یہ ہے کہ جب

افشا راز اور شہزادے کی والدہ کا کمال تقویٰ

پیٹ میں آیا تو میں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ کوئی مشتبہ لقمہ میرے پیٹ میں نہیں جائے گا تو میں نے سلطنت کے خزانے سے ایک پائی نہیں لی۔ اور جو تنخواہ آپ کو ملتی تھی نہ اس سے میں نے کوئی پائی لی۔ اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں بناتی تھی ان کو بجاتی تھی۔

اس سے میں نے اپنا پیٹ پالا ہے۔ تو میں نے فودہ، مہینے میں انتہائی تقویٰ سے کمال حلال غذا استعمال کی، اس کے بعد جب یہ پیدا ہوا تو میں نے بجائے دودھ پلانے والیوں کے پر د کرنے کے کسی اٹا کا دودھ پیتے میں نے خود ہی دودھ پلایا۔ اس عہد کو قائم رکھا کہ دہر س تک کوئی مشتبہ لقمہ میرے پیٹ میں نہیں جائے گا۔ اسی طرح میں نے اپنی دستکاری سے غنت سے کمایا اُسے کھایا اور اس کے ساتھ ساتھ میں نے یہ طریقہ بھی اختیار کیا کہ جب یہ دودھ پینے کے لئے روتا تو میں پہلے وضو کرتی پھر دو رکعت نماز نفل پڑھتی اور دعا مانگ کر پھر دودھ پلاتی تھی۔ پاک و صاف ہو کر، تو اندر سے پاک کھاتی تھی اوپر سے بھی پاکی تھی لقمہ بھی مشتبہ نہ تھا۔ تو ظاہر بات ہے کہ جب وہ ایسی پاک غذا سے پلا پیٹ میں ایسی پاک غذا سے نشوونما پایا تو اس میں کینہ اخلاق کیسے پیدا ہوں گے۔

اور بزدلی کینہ اخلاق میں سے ہے جس کی اسلام

بزدلی خلق ناپاک ہے

میں گنجائش نہیں۔ اس لئے میں نے قوت سے

کہا کہ وہ کینہ اخلاق نہیں رکھتا شجاعت رکھتا ہے دشمن کو پشت دکھلانا یہ بزدلی تھی تو میں نے یقین سے کہہ دیا کہ یہ ناممکن ہے۔

اکل حلال کا لازمی نتیجہ اخلاق حسنہ کا پیدا ہونا ہے |

غذا بھی پاک اس کا خون بھی پاک اس کا نشو و نما بھی پاک تو کیسے ممکن ہے کہ اس میں ناپاک اخلاق پیدا ہوں اور جب اخلاق ناپاک نہیں تو افعال ناپاک کیسے سرزد ہوتے تو بزدلا پن یہ کینہ اخلاق میں سے ہے اس کا وجود ہی نہیں۔ محض اس اعتماد پر دعویٰ کیا تھا کہ خیریں جھوٹی ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ شکست کھا کر آتے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ شہید ہو جائے۔ خدا نے میری بات سچی کر دی مجھے اس پر یہ بات یاد آئی کہ شاہی بیگم بادشاہی محل میں رہ کر سارے عیش کے سامان میسر اور تقویٰ اختیار کرتی ہے۔ محض اس لئے کہ میرے پیٹ کے اندر ناپاک خون نہ پیدا ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس میں ناپاک اخلاق پیدا ہوتے پھر بادشاہ کی بیگم محل میں رہ کر یہ تقویٰ اختیار کر سکتی ہے۔ ہم لوگ تو کہیں کے بادشاہ بھی نہیں ہیں، نواب بھی نہیں ہیں پھر آخر ہم اپنے لقمے اور اپنی غذا کو کیوں پاک نہیں بنا سکتے ہیں

ہمدردی یا دشمنی | محض قومی ہمدردی کے نام پر ہم قوم کو ناپاک غذا پہنچائیں اور ساری قوم کے اخلاق کو گندہ بنانا۔ کینہ اخلاق قوم کے

کے اندر پیدا کرنا۔ یہ کونسی ہمدردی ہے لہذا یہ نیت تو نہایت نیک ہے کہ لاکھ دو لاکھ ردیہ جمع کیا محض اس لئے کہ ہماری قوم کی خدمت ہو۔ مگر اس جمع کے اندر دین بھی تو شامل ہونا چاہیے تاکہ قوم کے اندر ناپاک اخلاق نہ پیدا ہوں اور قوم سے ناپاک افعال نہ سرزد ہوں۔

خلق حسن موقوف ہے لقمہ حلال پر | اگر کسی غذا لقمہ میٹھا ہے تو اخلاق صحیح ہیں، لقمہ ناپاک ہے تو اخلاق بھی ناپاک ہیں۔ اس لئے ہم نے اپنے اکابر کو یہ دیکھا ہے کہ بیعت کرتے

وقت وہ پہلے پوچھتے تھے کہ تمہارے پاس موردی زمین تو نہیں ہے۔ کچھ سود وغیرہ تو نہیں ہے جس کو تم کھاتے ہو پہلے اس سے توبہ کرو۔ جب بیعت کریں گے اس لئے کہ جب غذا ہی تمہاری مشتبہ ہوگی تو ذکر اللہ تمہارے اندر کیا اثر کرے گا۔ اگر اللہ کا نام لوگے تو اس کی تاثیر واقع نہیں ہوگی اللہ کا نام جیسا پاک ہے اللہ پاک ہی ظرف بھی چاہتا ہے۔ ناپاک ظرف کے اندر پاک چیز نہیں بھری جاتی۔ وہ بھی ناپاک بن جائے گی، تو غذا پر اور اکل حلال پر دار و مدار ہے اخلاق حسنہ کا۔

ایک اور واقعہ مجھے اسکی تائید میں یاد آگیا۔ امام شافعیؒ کی ولادت ہوئی ہے مصر میں مقام غزہ میں اور ابتدائی زمانہ بھی مصر ہی میں گزرا ہے، اور عمر کا بہت سا حصہ مکہ مکرمہ میں گزرا ہے، اور ان کی فقہ بھی وہیں پھیلی ہے۔ اس لئے کثرت سے مجازی لوگ شوافع ہیں اور جہاں جہاں تک اثرات پہنچے شافعی بن گئے اخیر زمانہ میں مصر تشریف لائے وہیں وفات ہوئی۔ مصر میں ہی مقام قاہرہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے

امام شافعیؒ پر جب بڑا پایا غالب
امام شافعی کا خط امام احمد بن حنبل کو
 آیا اور چلنے پھرنے سے مخدّر ہو گئے تو ان کے شاگردوں میں امام احمد بن حنبل ہیں امام وقت ہیں اور ایک جلیل القدر امام کے شاگرد ہیں تو امام احمد کو لکھا کہ میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اب سفر کے قابل نہیں رہا۔ تم سے ملے عرصہ ہو گیا ہے غصے کو بھی چاہتا ہے اگر تم تکلیف کر کے مصر کا سفر کرو تو متنا پوری ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ استقبال کے لئے مصر سے کئی میل دور باہر نکل گئے اور جب وہ نکلے تو مصر کے تمام علماء ان کے ساتھ نکلے اور جب تمام علماء

امام احمد کا استقبال

ساتھ نکلے تو تمام فرجی حکام بھی ساتھ ہوئے اور جب وہ ساتھ ہوئے تو بادشاہ وقت نے بھی کہا کہ میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔ مصر کی حکومت اور قوم سب مل کر امام احمدؒ کے استقبال کو کئی میل آگے بڑھے اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ امام احمدؒ کو لے

کر آئے اور امام شافعیؒ کے یہاں مہمان ہوئے۔

امام احمد کا جوابی خط اور مصرعہ کو روانگی | حضرت امام احمدؒ نے لکھا کہ

حضرت میں حاضر ہو رہا ہوں اور تاریخ متعین کر کے لکھدی کہ فلاں تاریخ کو مصر پہنچوں گا۔ جب وہ تاریخ آئی تو امام شافعیؒ کے گھر میں خوشی ہی خوشی ہے۔ بچیاں اچھلتی کودتی پھر رہی ہیں کہ ایک امام وقت ہمارے یہاں مہمان ہو گا۔ امام وقت آنے والا ہے اور تمام مصر میں خوشی ہی خوشی ہو رہی ہے۔

امام شافعیؒ کی مہمان نوازی | امام شافعیؒ کی مہمان نوازی عرب الہل ہے اس

قدر مہمان نواز کہ یوں چاہتے تھے کہ سارا گھر مہمان کے پیٹ میں داخل کر دوں۔ انتہائی مدارات اور شکریم کی۔ بہت سی قسم کے کھانے پچوائے۔ اب شام کا وقت ہوا۔ دسترخوان بچھا کر امام احمدؒ کو بلا گیا امام احمدؒ ہر طرح گر پڑ کر کھایا جیسے کوئی سات وقت کا بھوکا کھانا کھا رہا ہو۔ اتنا نیاز کھایا کہ دوسرے لوگوں کو تعجب پیدا ہوا کہ اتنا کھانا تو متقی کی شان سے بعید ہے کہ آدمی اپنے کو حد تک بھر لے۔

ایک خلیفان | جب امام شافعیؒ گھر میں پہنچے تو چونکہ فقہ تقویٰ گرامانہ تھا بچپوں نے امام شافعیؒ کا دامن پکڑ لیا کہ یہ کیا امام ہے جو پیٹ بھر کر کھانا کھاتا

ہے۔ یہ تو متقیوں کی شان سے بعید ہے۔ یہ کس قسم کا امام ہے جس کی آپ تعریف کرتے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے جواب نہ بن پڑا اس لئے کہ مجھے خود ناگوار ہو رہا تھا۔ تو بچپوں سے فرمایا کہ یہ غلطان میرے دل میں بھی ہے کہ احمد بن حنبل نے امام وقت ہوتے ہوئے اتنا کھیں کھایا مگر میں بول نہیں سکتا تھا۔ اس لئے کہ میں میزبان ہوں۔ اگر میں کہتا کہ تم کم کھاؤ تو اس کا مطلب ہے کہ میں اپنا کھانا بچانا چاہتا ہوں میرا مقصد نہ تھا مگر دل میں میرے بھی غلطان ہے اس لئے چپ ہو گئے۔

عشاء تہجد اور فجر ایک وضو ہے | اس کے بعد دونوں امام عشاء کی نماز کے لئے تشریف لے گئے۔

امام شافعیؒ کی صاحبزادیوں نے بستر کیا، اور چار پانی کے قریب لوٹا پانی کا بھر کر رکھا تا کہ اگر شب میں اٹھنے میں وضو وغیرہ کرنے میں دشواری نہ ہو۔ عشاء سے فراغت پر دونوں امام اگر

امام شافعیؒ پھولے نہ سماتے | امام شافعیؒ کھل گئے اور بچوں سے کہا کہ دیکھا

ہمارے یہاں امام وقت مہمان ہے بچوں کی خوشی کی بھی اتنا نہ رہی، یہ بات اس پر یاد آئی تھی کہ اہل حلال سے قلب میں نور اور معرفت پیدا ہوتی ہے اور مشتبہ غذا سے ظلمت اور تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ اس کی نیکی کی توفیق بھی ہو جاتی ہے کہ آدمی نیکی کرنا چاہتا ہے مگر توفیق نہیں ہوتی جیسے غالب نے کہا ہے۔
جاننا ہوں ثواب طاعت وزہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی غالب

یہ تو معلوم ہے کہ یہ کام عمدہ ہے لیکن کرنے کو جی نہیں چاہتا ادبی اس کی نہیں چاہتا کہ اگر لقمہ حرام اور مشتبہ ہے تو توفیق اس سے سلب ہو جاتی ہے۔ عمل صالح کی طرف توجہ باقی نہیں رہتی اور لقمہ حرام میں یہ اثر ہے کہ توفیق بھی چھن جاتی اور قلب میں کدورت بھی پیدا ہوتی

شاہ جی عبداللہ شاہ دیوبندی کا واقعہ | اس پر مجھے اپنے ہی بزرگوں کا ایک واقعہ یاد آیا۔ ہمارے

یہاں دیوبند میں ایک بزرگ تھے۔ شاہ جی عبداللہ شاہ گذرا اوقات کے لئے انہوں نے گھاس کھودنے کا مشغلہ اختیار کیا تھا، گھاس کھود کر گٹھری بناتے اسے بیچتے اور اس سے گذرا اوقات کرتے اور گٹھری کی قیمت متعین تھی چھ پیسے نہ کم لیتے تھے نہ زیادہ بارہ پیسے ایک ہی قیمت تھی۔ دیوبند کے لوگوں کا یہ حال تھا کہ جو لوگ اپنے جانوروں کے لئے گھاس خریدتے آتے تھے تو ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ شاہ جی کی گٹھری میں خرید لوں۔ حالانکہ یہ گٹھری گھاس کے لئے بنائی تھی لیکن ان سے کوئی نہ خریدتا تھا۔ بلکہ

شاہ جی کو ترجیح دیتے تھے کہ اس میں ہمارے جانوروں کے لئے بھی برکت ہوگی اور ہمارے گھر میں بھی اسی لئے پہلے سے انتظار میں کھڑے رہتے تھے جب دیکھا کہ شاہ جی سر پر گٹھری لئے آ رہے ہیں تو سب لوگ خریدنے کو دوڑتے تھے۔ جس نے گٹھری پر پہلے ہاتھ رکھ دیا بس گٹھری اسی کی ہو جاتی تھی اور وہیں پر گٹھری ڈال دیتے تھے۔ چھ پیسے لئے اور کہہ دیا کہ لے جاؤ اپنی گٹھری، پھر ان چھ پیسوں میں ان کے یہاں یہ طریق تھا کہ دو پیسے تو وہیں صدقہ کر دیتے اور دو پیسے گھر کا خرچ تھا۔ ایک کوڑی کی لکڑی لی، ایک پانی کا تیل لی، ایک

ادھید کہ اٹایا سٹا کا زمانہ تھا۔ دو پیسے میں خانہ لان کا گذر ہوتا تھا، اور دو پیسے جمع کر لیا کرتے تھے۔ سال بھر میں جب آٹھ دس روپے جمع ہو جاتے تو ہمارے اکابر کی دعوت کیا کرتے تھے۔ جن میں مثلاً حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت مولانا محمد یعقوب وغیرہ وغیرہ ہوتے تھے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے ہیں کہ سال بھر میں انتظار رہتا کہ کب

اکل حلال کی برکت اور نورانیت

وقت آئے کہ شاہ جی کے گھر کی دعوت کھائیں اور فرماتے کہ جس دن ان کے گھر کی دعوت کھاتے تو چالیس چالیس دن قلب میں ایک نور رہتا ہے اور طبیعت میں اُٹھ رہتی ہے کہ یہ بھی نیکی کر لوں اور یہ نفلیں بھی پڑھ لوں اور یہ تلاوت کر لوں۔ یہ ذکر بھی کر لوں۔ چوبیس گھنٹے یہ جذبہ ابھرتا ہے۔ یہ اس اکل حلال کی برکت ہے۔

اسلام نے سب سے

لقمہ حرام کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے

پہلے اس لئے جتنی چیزیں ہیں کہ جس سے لقمہ میں کوئی حرمت پیدا ہو۔ کوئی شبہ پیدا ہو۔ کوئی ناجائز شکل پیدا ہو ان سب چیزوں کو شریعت نے ممنوع قرار دیدیا سو کو حرام کر دیا۔ احتکار کو حرام قرار دیدیا۔ احتکار کے معنی ہیں گرانی کی اُمید پر مال کو روک کر رکھنا۔ احتکار کی صورت میں مخلوق کو ستمنا ہے اور مخلوق کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے ضرورت ہوتے ہوئے مال کو اپنے نفع کے لئے روک کر رکھنا ایسی تمام چیزیں حرام قطعی ہیں اور کچھ نہ کہ یہی ہیں مگر ایسی تمام چیزوں کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے کہ جن سے مال میں کسی قسم کا اشتباہ پیدا ہو۔ کوئی حرمت پیدا ہو یا کوئی کراہت پیدا ہو۔

دنیا وسیلہ آخرت ہے نہ کہ مقصد

مقصد اس کا یہ ہے کہ مسلم پیدا ہو اسے دنیا میں اپنی آخرت بنانے کے لئے۔ دنیا اس کے لئے وسیلہ ہے۔ وسیلہ اس کا اگر گنہ بنا تو مقصد میں بھی گندگی آجائے گی۔ وسیلہ اگر پاک ہے تو مقصد بھی پاک ہوگا۔ اسی لئے مقصد اصلی آخرت ہے گو اس کے لئے دنیا ہے۔ اس کے قلعہ عبادت ہے ہیں کہ جائز طریق پر کمائو جائز طریق

پر خرچ کر دے۔ ناجائز اور حرام، مکروہ اور مشتبہ چیزوں سے بچو نہ بچنے کی صورت میں نہ صرف یہ کہ برکت نہیں ہوگی۔ بلکہ برکت نہ ہونے کے ساتھ ساتھ ظلت بھی ہوگی اور اس کے آثار ناپاک ظاہر ہوں گے۔ عمل میں بھی اور اخلاق میں بھی۔ یہ دو دین واقعے میں نے

لقمہ حلال کی قدر اور لقمہ حرام سے احتراز | اس لئے سنا دیئے کہ لقمہ حلال کی کتنی قدر و قیمت ہے اور لقمہ حرام اور لقمہ مشتبہ سے شریعت نے کتنا بچایا ہے۔

حرام میں برکت نہیں | اگر ہم قومی خدمت کریں اور ہم اس کے اندر اشتباہ پیدا کریں یا کم از کم مکروہ چیزیں داخل کر دیں اور یا صریح حرام چیزیں داخل کر دیں تو اس سے برکت کیا ہوگی۔ بلکہ خود بھی مبتلا ہوں گے غلاط میں اور قوم کے قلب میں بھی غلاط بھرنے والے ہوں گے۔ ان کے دل میں بھی خیر و برکت پیدا نہیں ہوگی۔ اس لئے یہ نیت تو نہایت نیک ہے کہ سرمایہ جمع کیا تاکہ قوم کو فائدہ پہنچے۔

تحفظ سرمایہ کی صورت | سرمایہ کے تحفظ کی صورت بجائے حرام کے جائز شکل کیوں نہیں اختیار کر لیتے مضاربت کی صورت کر لیں۔ دو چار افراد اپنی تجارت میں لگا دیں اور حسبِ رقم اس کا منافع دیتے رہیں۔ رقم بھی محفوظ رہے گی منافع بھی چلتا رہے گا اور ترقی بھی ہوتی رہے گی۔

حرام کی طرف مسلم کی طبیعت نہیں جانی چاہیے | آخر اس کے معنی نفع کھائے تو اس کی طبیعت حرام اور مکروہات کی طرف کیوں جاتی ہے جبکہ وہ اللہ اور رسولؐ کو ماننا ہے اس کی طبیعت اور فطرت کا تو تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ مشتبہ چیزوں سے بچے اور جائز اور حلال چیزوں کی طرف چلے تاکہ اپنا بھی نفع ہو اور دوسروں کا بھی نفع ہو تو بھید یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بات کیا ہے کہ صاحبِ سود سے کریں گے قوم کی خدمت کوئی فرعی چیز ہو یا کوئی اجتہادی چیز ہو تو اس میں کچھ گہما گہما نہیں بھی ایک مرتجع اور قطعی حرام چیز اور آدمی اس سے فائدہ سوچے یہ کسی طرح مناسب نہیں۔

حرام میں شفاء نہیں | بیماری اور دواؤں کے سلسلے میں حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءً كُفْرًا فَيَسَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ۔ اللہ نے ان دواؤں میں تمہارے لئے شفاء نہیں رکھی جو دوائیں حرام ہیں شراب ہے، قمار کی چیسڈیں ہیں، جو اسے، ان میں شفاء نہیں ہے اگر ظاہری طور پر شفاء ہوئی بھی تو روح اتنی بیمار ہوگی کہ بدن پھر آخر غلیظ اور گندہ ہوگا، پھر بیمار پڑے گا۔ جب مادی امرض کی شفاء بھی حرام میں نہیں تو روحانی امراض کی شفاء کیسے ہو جاوے گی حرام کے اندر، اور وہ بھی قطعی حرام، اس لئے یہ سوال ہی آنا نہیں چاہیے، نیت نیک ہے، جذبہ نیک ہے، پھر قومی خدمت کرے تو کوئی بنک ایسا قائم کرے جو شہری جواز کے تحت میں ہو ذرا سے ہر پیر سے ایک ناجائز چیسڈ جائز بن جاتی ہے اور اساتیر کو دو ہی نفع رہے گا مگر جائز بن جائے گا۔

میرٹھ کے ایک دیندار اور متقی تاجر کا واقعہ | میں ایک تاجر تھے

حاجی عبدالغنی صاحب مرحوم وہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب سے بیعت تھے نہایت دین دار تاجروں میں سے تھے اور ٹوپوں کی انکی تجارت تھی۔ میرٹھ کی ٹوپیاں اس زمانہ میں مشہور تھیں اور ریشم کاری کا کلا تیر کا کام بھی ان کے یہاں ہوتا تھا۔ دارالعلوم کے ایک فاضل کو دو ٹوپیاں بنوانے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے حاجی صاحب سے فرمائش کی مگر یہ کہا کہ معرق ہونی چاہئیں کپڑا نظر نہ آئے صرف پچی زری کا کام ہو کر پڑے کے اوپر اور کپڑا اس زری کے اندر چھپ جائے۔ اُسے معرق کہتے ہیں۔ گویا کپڑا زری میں غرق ہے۔ حاجی صاحب نے ٹوپیاں بنوا دی۔ دس پندرہ روز میں مولوی صاحب سے کپڑا ٹوپیاں بن گئیں اور ہر ایک ٹوپ کی قیمت پندرہ روپے ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ بہت اچھا ٹوپ بنو دیدیکئے قیمت کل کو آجائے گی۔ حاجی صاحب نے کہا کہ قیمت کل کے بجائے چاہے دو مہینے میں آجائے آپ سے کوئی بے اعتباری نہیں لیکن یہ جائز بھی ہے یا نہیں اس کو سوچئے۔ مولوی صاحب کہنے لگے ناجائز ہونے کی کیا بات ہے۔ حاجی صاحب نے کہا کہ معرق کپڑا حکم میں زری کے ہوتا ہے اس میں ادھار جائز نہیں ورنہ سود ہو جائے گا۔ وہ تو نقداً، یا بیہ مشل، یا نقد در ہاتھ برابر

سرا ہونا چاہیے۔ اس میں ادھار جائز نہیں اسلئے کہ وہ چاندی کی بیع ہے۔ وہ پکڑے کی بیع نہیں کیونکہ مقررہ کڑا چاندی کے حکم میں ہوتا ہے تو اسلئے قیمت توجب چاہے آجائے کوئی بے اعتباری نہیں، مگر یہ جائز نہیں۔ تو وہ نادم ہوئے اور انہوں نے کہا کہ میں فاضل دارالعلوم ہوں اور یہ دکان پر بیٹھنے والے ان پڑھ۔ انہیں اتنے مسئلے معلوم اور مجھے اس کا پتہ بھی نہیں بہت مذمت ہوئی۔ کہا کہ حاجی صاحب میں غر مند ہوں۔ واقعی مجھے ذہول ہوا۔ مسئلے کی طرف التفات نہیں میں دو تین میں آؤں گا اور نقد خرید کر لے جاؤں گا۔

حاجی صاحب نے کہا کہ ایسی صورت نہ ہمیں بتا دوں کہ نقد بھی ہو جائے اور ادھار بھی ہو جائے اور جائز بھی ہو جائے۔ سب کہنے لگے کہ وہ کیا صورت ہوگی۔ حاجی صاحب نے کہا کہ تم تیس روپے مجھ سے قرض لے لو۔ ٹوپیاں نقد خرید لو اور قرض چاہے دو مہینے میں ادا کر دیجئے، کہنے لگے کہ میں فاضل دارالعلوم ہو کر بھی ان مسائل کی طرف التفات نہیں اور یہ تجارت دکان پر بیٹھ کر اتنے مسائل جانتے ہیں۔ یہ اثر تھا اہل اللہ کی صحبت کا۔ خود عالم نہیں تھے مگر علماء کی صحبت میں بیٹھنے والے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے اندر حرام و حلال کی تمیز کا استعداد مادہ تھا اور حرام سے بال بال بھی بچنے کی کوشش کرتے تھے اور یہی جذبہ تھا کہ مسائل پر اتنی نظر تھی تو وہی کام ادھار بھی ہو گیا اور جائز بھی ہو گیا صرف تھوڑے تغیر سے۔ تو ایسا کیوں نہ کیا جاتے کہ اس لاکھ ڈیڑھ لاکھ کو باقی رکھنے کی صورت کو ذرا سی رائے تبدیلی کر کے حید جواز میں لے لیا جائے تاکہ حرام سے بچا جائے۔

تو مسلمان کا تو کام ہی یہ ہے کہ معاطہ ہو۔ طاعت ہو۔ عبادت ہو، اس میں حرام و مکروہ سے بچکر

مسلم اور غیر مسلم میں فرق

حید جواز کی طرف آتے ہی معنی اس کے اسلام کے ہیں ورنہ تو مسلم اور غیر مسلم میں فرق کیا گیا۔ وہ بھی سود خوار تم بھی سود خوار، وہ بھی حرام خور اور تم بھی حرام خور۔ تو ہم تمہیں حلال خور بھی نہیں بنانا چاہتے ہیں و بر سبیل لطیفہ فرمایا، اور حرام خور بھی نہیں بنانا چاہتے۔ آدمی اکل حلال پر رہے۔

مشورہ | تو میں عرض کرتا ہوں کہ نیت بھی نیک ہے، جذبہ بھی نیک، اور قومی خدمت کا جذبہ مبارک، فوراً سائیز کر کے اس کو مدِ جواز میں لے لیں، کیوں حرام کی طرف جارہے ہیں کہ قوم کی روح کو بھی گندہ کریں اور خود بھی گندے نہیں اور آخرت کا مواخذہ الگ، کوئی بنک قائم کر دیں یا کوئی ایسی صورت قائم کر دیں کہ اپنی تجارت میں لگائیں، یا کوئی کمپنی تجارت کی بنادیں، اور اس میں شرکاء ہوں نفع نقصان کے شریک رہیں، اور پھر وہ رفاه عام کے لئے خرچ کریں تو اس سے راس المال بھی محفوظ رہے گا اور بڑھتا بھی رہے گا تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ کیوں ایسا کر رہے ہیں اور کس قسم کا وہ اسلام ہے جو اس پر آمادہ کر رہا ہے۔

ایک اور سوال اور جواب | دورانِ گفتگو میں ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت! کہا جاتا ہے کہ اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً

ربو اسے صرف ربوا حرام نہیں ہے۔ اسپر حضرت نے دریافت فرمایا کہ یہ علماء کہتے ہیں یا تاجر کہتے ہیں۔ سائل نے کہا کہ حضرت یہ بات ڈاکٹر فضل الرحمن نے کہی تھی۔ رسالوں میں لوگوں نے دیکھ لی ہے۔ اس کو بہانہ بنایا جا رہا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ رسالوں میں تو بہت سے مضامین آتے رہتے ہیں۔ اہل حق کے بھی اور اہل باطل کے بھی مؤلفین کے بھی و مکذبین کے بھی کہیں ان میں سے چھان بین کر کے حق اور صواب کو نکالنا یہ تو متدین علماء کا کام ہے اور تاجر جو متم ہوں پیشہ کمانے کی خاطر ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں وہ تو ایسی چیزوں سے تلاش کریں گے کہ ان کا نفع ہاتھ سے نہ چلے وہ جائز ناجائز کی پر وہ نہیں کرتے ہیں یا تو فتویٰ لیا جائے ایسے علماء سے جو متدین ہوں۔ ملک و قوم کو جن کے دین و دیانت پر اعتماد ہو اور علم ان کا مستند ہو۔ قوتِ مطالعہ سے جو علم آتا ہے اسمیں امام اپنا نفس ہوتا ہے جو چاہے وہ کرے اور نفس ہے نا تہذیب یافتہ اس لئے یہ مجتہد نہیں کہ فلاں وکیل صاحب نے یہ کہہ دیا اور فلاں ڈاکٹر صاحب نے یہ کہہ دیا اور فلاں فسر صاحب نے یہ کہہ دیا، تو جس کے آخیں "ڈر" جو ہم اسکی بات نہیں مانیں گے دبر سیل لطفہ فرمایا، کوئی عالم متدین کہے یا فتویٰ دے مستند اداروں سے فتویٰ حاصل کیا جائے وہ اجازت دیدیں تو آپ بے تکلف کریں، فلاں نے کہہ دیا، اسکی کہہ دیا یہ قابلِ اعتبار بات نہیں ہے۔

ایک سودی معاملہ مسلم اور حربی کے درمیان بھی جائز نہیں | صاحب

نے سوال کیا کہ حدیث لا ربا بین المسلم والحربی کے تحت مسلم اور حربی کے درمیان سود کا معاملہ ہو سکتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ حدیث ربا بین المسلم والحربی کہاں ہے؟ اور اس حدیث کے ساتھ جو دوسری حدیث ہے وہ آپ کے سامنے نہیں۔ یہ آئمہ میں خود مختلف فیہا مسئلہ ہے قطعی بات یہ ہے کہ سود کسی حالت میں جائز نہیں، اب جو کہتے ہیں لا ربا اس کا یہ مطلب نہیں کہ ربا جائز ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ربا ہوتا ہی نہیں۔

دار الحرب کا مطلب | مسلم اور کافر کے درمیان دار الحرب میں معاملہ اور ہوتا ہے اور پھر دار الحرب میں یہ بھی قید ہے کہ جنگ

جاری ہو، حالت راہ نہ دے اس وقت کا یہ مسئلہ ہے، ایک دار الحرب کا یہ معنی ہیں کہ شکار اسلام وہاں بلند نہ ہوں۔ اسکی مسائل دوسرے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر دار الحرب مان لیا جائے تو دار الحرب کے دوسرے احکام سامنے نہیں؟ دار الحرب جب ہو تو ہجرت کرنی واجب ہے کلک چھوڑ کر دارالاسلام کی طرف جائیے۔ اسکی توجرات کرتے نہیں کہ یہ دار الحرب ہے۔ اُسے چھوڑ کر دارالامن اور دارالاسلام میں جانا چاہیے اس کا دھیان کسی کو نہیں جاتا۔ جب دھیان جاوے تو پیسہ کی طرف جاوے گا۔ تو دار الحرب کا جیل مل گیا ہے۔ پیسہ بٹورنے کو۔ یہ جیل جوئی اور پیسہ بٹورنا ہے تدبیر اور تقویٰ جسے کہتے ہیں وہ نہیں ہے۔

دار الحرب سے ہجرت ضروری ہے | اگر دار الحرب مانتے ہیں تو دوسرے مسائل پر کیوں نہیں عمل کرتے ہیں۔

مثلاً ہجرت ضروری ہے۔ وہ قوت پیدا کرنی ضروری ہے جس سے دار الحرب دارالاسلام بنے۔ کفار سے جنگ کرو۔ اسکی تیاری کرو اور پیسہ اس میں لگاؤ جہاد کے لئے، تمہارا فراہم کرو۔ اس کے لئے کوئی صاحب تیار نہیں، کوئی صاحب آمادہ نہیں، دار الحرب صرف اسکی رہ گیا ہے کہ سودی لین دین جائز ہو جائے اور اب تک اس سود جائز ہو جائے اس وقت

دارالحرب کے متعلق یہی ایک مسئلہ نہیں۔ بلکہ ہجرت بھی ہے، جہاد بھی ہے، قومی معاملات بھی ہیں۔ کتنے ہی مسائل دارالحرب کے متعلق ہیں تو پھر آخر پیسہ ہی کیوں سامنے آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ جذبہ پیسے کا ہے اور دارالحرب جیلہ ہے اور جذبات دوسرے ہیں۔ دارالحرب کی آڑ لیکر پیسہ بٹورنا چاہتے ہیں سودی لین دین کے۔

دارالحرب اور سود لازم ملزوم نہیں | ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت شاہ

عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کا فتویٰ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے بارے میں ہے۔ پھر اس کا کیا جواب ہوگا اسپر حضرت نے فرمایا کہ ہمارے اکابر کا بھی فتویٰ ہے تو کیا ان کا یہ بھی فتویٰ ہے کہ سودی لین دین بھی کر دو۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتویٰ دیا تھا اس زمانے میں جبکہ انگریز کا کامل تسلط تھا لیکن کیا انہوں نے یہ بھی فتویٰ دیا تھا کہ سودی لین دین بھی شروع کر دو۔

سود پر ایک دلچسپ مباحثہ | حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری لاہور تشریف لے گئے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ حضرت مولانا طفیل احمد صاحب زندہ تھے جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں رجسٹرار تھے اور صحیح دین دار لوگوں میں سے تھے۔ بی اے بھی تھے ان کی رائے یہ تھی کہ سودی لین دین جائز ہونا چاہیے بغیر اسکی قوم تڑپ نہیں کر سکتی۔ انہوں نے اس سلسلے میں ایک رسالہ بھی نکالا تھا "سود مند" نام کا۔ سود کے جواز کے جتنے جیلے مل سکتے تھے اس میں وہ سب موجود تھے اور باقاعدہ اسکی اشاعت و طباعت کی گئی۔ اس پر مجھے ایک لطیف یاد آیا۔ حضرت تھانویؒ سے کسی نے ان کا ذکر کیا کہ حضرت اودہ سود کے جواز کی فکر میں ہیں حضرت نے فرمایا کہ لونڈے کی بات کا کیا اعتبار۔ ذکر کرنے والے نے کہا کہ حضرت اودہ لونڈا ہے؟ تو مولانا طفیل احمد صاحب بوڑھے آدمی ہیں۔ حضرت نے فرمایا جس کا نام طفیل ہے۔ طفیل کے معنی ہیں چھوٹا سا بچہ، تو وہ لونڈا نہیں تو اور کیا ہے تو خیر اس زمانے میں یہ قصہ چل رہا تھا اور یہ سب حضرات لاہور پہنچے۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب و ایڈیٹر زمیندار، اور ڈاکٹر اقبال صاحب اور دو مسکے بڑے بڑے لوگ ملنے

کی خاطر حاضر ہوئے۔ اتفاق سے مولانا ظفر علی خاں صاحب بھی کچھ اسی خیال کے تھے جو خیال مولانا طفیل احمد صاحب کا تھا۔ انہوں نے سود کے جواز پر آدھ گھنٹہ بڑی مدلل تقریر کی اور اقتصادی دلائل وغیرہ سے ثابت کیا۔ مقصد یہ تھا کہ یہ حضرات ذرا کچھ مائل ہوں گے۔ ڈھیلے پٹیں گے سود کے سلسلے میں۔ حضرت شاہ صاحب نے جو جواب دیا وہ تو صرف دو لفظوں کا تھا۔ ان کی بات تو ایسی تھی۔ فرمایا کہ بھائی ہم پل بننا نہیں چاہتے۔ جسے جہنم میں جانا ہو خود جائے ہماری گردن پر پیر رکھ کر نہ جاتے۔ "یہ جواب سن کر سب چپ بیٹھے رہے۔ علامہ اقبال بھی آؤ مولانا ظفر علی خاں صاحب بھی کسی کو بولنے کی ممت تک نہ ہوئی۔ پھر علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے آدھ گھنٹہ مفصل تقریر کی جس میں انہوں نے دلائل سے ثابت کیا کہ سود ہر حالت میں حرام ہی ہے کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

قومی ہمدردی کا صحیح طریقہ | یہ سلسلہ بہت دنوں سے چل رہا ہے اور قومی ہمدردی کے نا اہل پر چل رہا ہے اور ایسے ہمدرد

پیدا بھی ہوئے اور گزر بھی گئے اور دوسرے ہمدرد بھی پیدا ہوئے وہ بھی گزر گئے۔ اور بھی پیدا ہوں گے وہ بھی گزر جائیں گے مگر مسئلہ اپنی جگہ اٹل رہا ہے اور رہے گا اس سلسلہ میں اگر خیال ہے تو سیدھی ہی بتا ہے کہ جو معتد اور مستند ادارے ہیں۔ ان سے استفادہ کر لیں۔ اس میں منشا ظاہر کر دیں کہ ہم نے اتنی رقم جمع کی ہے اور ہمارا منشا یہ ہے کہ قوم کی خدمت ہو اور رقم محفوظ رہے۔ اسکی منافع سے قوم کو فائدہ پہنچے۔ اسکی جائز صورتیں کیا ہو سکتی ہیں ایک صورت یہ ہے کہ سود لیا جائے ایک صورت یہ ہے کہ تجارت میں لگا دیا جائے تو اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جو وہاں سے مستند فتویٰ آجائے اس پر عمل کیا جائے اجر بھی ملے گا اور قوم کا فائدہ بھی ہوگا۔

دین کا مدار حجت پر ہے کثرت پر نہیں | ایک صاحب نے پوچھا کہ اگر جہاں کی اکثریت نے فیصلہ کر دیا

کہ سود کا رد یہ لے لیا جائے۔ اس میں کچھ حجت نہیں تو اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ دین کا مدار بجا ریٹی پر یا سروں کی گنتی پر نہیں، یہ کوئی کونسل یا اسمبلی کے فیصلے محفوظ ہی ہیں۔ اسمبلی میں سرگنے جاتے ہیں سروں کی تعداد پر فیصلہ ہوتا ہے۔ سروں کے اندر کی چیز نہیں دیکھی جاتی یعنی عقل بھی ہے یا نہیں۔ اس کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا ہے

بلکہ تعداد کی زیادتی پر فیصلے ہوتے ہیں اور دین کا مدار حجت پر ہے اسکی بارے میں
تو علامہ اقبال صاحب نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں۔
بترس از طرز جہوری اسیر پیر دانا شو !!
کہ از مغیرہ و صد خسر فکر انسانی سے نمی آید

اگر اس جہوری طرز کو چھوڑ دو اور کسی پیر دانا کے قیدی بن جاؤ اگر دو سو گدھے جمع ہو جائیں
تو انسانی فکر تھوڑا ہی ان کے دماغ میں سے نکلے گی دو سو، چار سو گدھے جمع ہو جائیں تو گدھے
کا خیال ہی نکلے گا۔ انسانی فکر کہاں سے نکلے گا۔ انسانیت ہو تو جو جسم ہی انسانیت کی
بات ذہن سے نکل سکتی ہے اور انسانیت وہاں مفقود ہے تو جو قوتی کا خیال ذہن سے
برآمد ہوگا۔ اسی کو قرآن کریم نے کہا ہے **وَإِنْ نَطَعُ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ لَيُضِلُّوكَ عَنْ**
سَبِيلِ اللَّهِ زمین پر بیشتر لوگوں کی جواکثریت ہے اس کا اتباع مت کرو و تم کو گمراہ کر کے رہیں
گے حق کے راستے سے ہٹا کر چھوڑ دیں گے۔ اسکی اگر اکثریت فیصلہ کرے تو وہ دینی
حجت کے مقابلے میں کوئی کارگر نہ ہو سکے گا خواہ پوری دنیا کے انسان اس فیصلے کو مل کر پاس
کریں اور دینی حجت اسکی خلاف ہو۔ لہذا سود حرام ہی رہے گا۔ جیسے شریعت نے
حرام قرار دیا ہے۔ کسی کے حلال یا جائز کرنے سے جائز نہیں ہوگا۔ پانخانے کو کتنا ہی دھو لو،
صاف کر لو وہ پاخانہ ہی رہے گا۔ پاک تو ہونے سے رہا۔ ناپاک ہی رہے گا، اور اس پانی
کو بھی ناپاک کر دے گا۔ جس پانی سے اس کو پاک کرنے کی کوشش کی جائے گی تو ایسے ہی
ایک حرام قطعی چیز خود کو حلال نہیں ہوگی اور یہ ان اذہان کو بھی اپنی رو میں بہا کر گندہ کر دے
گی جن اذہان میں اس قسم کے تصورات آتے رہتے ہیں کہ اپنے مفاد کی خاطر ایک حرام
شے کو حلال کریں اسکی ایسے تصورات ذہن میں نہ جمانے چاہیے اور وہی ایسے الادبے کرنے
چاہئیں۔ جب کوئی شے حلال طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہے تو اسکی حصول میں حرام طریقہ
کو کیوں استعمال کریں۔ اللہ ہمیں محفوظ فرمائیں اس قسم کے خیالات سے۔

دعا پر غلصہ ختم ہوتی

دوسری مجلس

انبیاء اولیاء اور اطفال کی عصمت میں فرق ہے۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام باجماع امت معصوم ہیں ان کی عصمت میں کسی کو کلام نہیں اور قبل البلوغ بچے بھی از روئے شرع معصوم ہیں۔ کیونکہ شریعت نے قبل البلوغ ان کے کسی فعل شیعہ پر واروگیر نہیں کی۔ لہذا ان کی عصمت بھی متفق علیہ ہے اور اولیاء اللہ بھی گناہ سے بہت بچتے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ بھی معصوم ہوتے تو اب حضور والا وضاحت فرمادیں کہ ان کی عصمت میں کچھ تفاوت ہے یا سب کی عصمت ایک ہی قسم کی ہے؟

اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہاں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ بچوں کے اندر جو قوت ہے گناہ کی وہ اس وقت بیدار نہیں وہ ابھار جس کا تعلق فعل سے ہے وہ ابھری ہوئی نہیں ہے۔ صرف مادہ موجود ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں مادہ بھی موجود ہے اور نفس بھی موجود ہے، اور پھر نفس کا مقابلہ کر کے گناہ سے بچتے ہیں اور یہ کمال ہے۔

فرمایا کہ انسان میں گناہ کا انتشار صرف دو چیزیں ہیں حُبّ اور حُبّ گناہ کا انتشار | باہ۔ اسی لئے بعض گناہ تو سرزد ہوتے ہیں جاہ طلبی سے۔ مثلاً آدمی اقتدار چاہتا ہے۔ اس کے لئے دوسروں کی توہین کرتا ہے۔ تذلیل کرتا ہے، زبردستی دباتا ہے جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں استحصاال عوام کہتے ہیں۔ یعنی عوام کو حاصل کر کے ایک شخص لیڈر بناتا ہے۔ پھر چاہے دوسروں کا خون ہو۔ مگر اسے کرسی ملی۔ اُسے عزت ملی، ہزاروں غلوں برباد ہوتی، کٹ جاتی ہے مگر اس کی لیڈری چمک جاتی ہے۔ اس کا انتشار ہوتا ہے حُبّ جاہ اور حُبّ اقتدار۔

حُبّ جاہ | ایک شخص اپنے کو بڑا جانتا ہے تو ظاہرات ہے کہ وہ کسی کو سلام کرنے میں اپنے لئے عار محسوس کرے گا۔ وہ چاہے گا کہ دوسرے مجھے سلام کریں۔ میں بڑا آدمی ہوں۔ یہ چھوٹے ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ یہ میرے آگے جھکیں، تو بکر کے معنی فقط بڑے بننے کے نہیں ہیں بلکہ تحقیر ناس یعنی لوگوں کو حقیر سمجھنا اور ذلیل جانا اور اپنے کو ان سے بالاتر اور بڑا جانا یہ حقیقت ہے کہ بکر کی، اور یہ جذبہ انسان میں موجود ہے۔ اسکی میکانیوں گناہ متعلق ہیں، لطائی جھگڑا، گالم گلوچ، مار پیٹ، قتل و غارت گری اور دنیا بھر کے سپیکرلوں گناہ اعضا جاہ کی وجہ سے عمل میں آتے ہیں آدمی اپنے کو چھوٹا سمجھے تو اس قسم کے گناہ کا انسداد ہو سکتا ہے۔

حُبّ باہ (شہوت رانی) | ایک جذبہ انسان میں باہ کا ہے یعنی شہوانی توت ہے ہزاروں گناہ اسکی متعلق ہیں۔ یہ شہوتیں دو ہیں۔ ایک شہوت بطن کو پورا کرنے کے لئے کھانے پینے کی چیزیں جمع کرنا ہے اور شہوت فرج سے اس کو نکالنے کی کوشش کرنا ہے تو ہزاروں گناہوں کا مرکز شہوت یہ بھی ہے۔ اس قسم کی شہوت کو پورا کرنے کے لئے حلال و حرام کی کوئی تمیز نہ رہے گی مال حاصل کرنے میں جائز ناجائز کی پرواہ نہ کرے گا چوری ہو، رشوت ہو، سود ہو، بہر حال کسی طرح سے پیسہ جمع ہو اور اسکی نفس کے اندر وہ قوت بڑھے جس سے شہوانی جذبات پورے ہو سکیں تو شہوت بطن کا حاصل ہے مرغوبات نفس کو بھورنا اور جمع کرنا، مال ہو، لباس ہو، سامان ہو۔ آدمی اسے حاصل کرے جس طرح سے بھی ہو سکے۔ جب اس قوت میں آدمی غرق ہو جاتا ہے اس کو حرام حلال کی کوئی پرواہ نہیں رہتی جیب کترے۔ جیب کترتے ہیں، چوری کرنے والے چوری کرتے ہیں ڈکیتی ڈالنے والے ڈکیتی ڈالتے ہیں۔

قانونی ڈکیتی | ایک خاص قسم کی ڈکیتی ہے قانونی جس میں قانون کی آڈلیک مال بڑھا جاتا ہے، خواہ ٹیکس لگا کر خواہ کسی کو ڈرا دھکا کر جیسے پولیس والے مرکیا کرتے ہیں کہ جرم ہو نہ ہو اسے ڈرا یا دھکا دیا۔ اسکی کچھ رشوت دی، اسے چھوڑ دیا تو مال کی تحصیل میں آدمی حرام حلال کی پرواہ نہیں کرتا اور ہزاروں گناہ اس سے سرزد

ہوتے ہیں۔

شہوتِ فرج | بدکاری، زنا کاری، اغش عریانی وغیرہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ جیسے شہوتِ بطن سے ہزاروں گناہ متعلق ہیں اسی طرح شہوتِ فرج سے بھی ہزاروں گناہ متعلق ہیں۔

گناہِ شیطان اور لغزشِ آدم | عالمِ ازل میں ایک گناہ شیطان نے کیا اور ایک لغزش حضرت آدمؑ سے سرزد ہوئی۔ شیطان کے گناہ کا منشاء تھا جاہِ طلبی، جب اس کا حکم دیا گیا کہ آدم کو بچو کہو، تو اس نے کہا کہ میں آدم کے سامنے سجدہ کیوں کروں۔ یہ حکم عدولی کی اور یہ ہی نہیں کہ صرف اتنا ہی کہہ کر بس کر دی ہوا بلکہ حق تعالیٰ کے حکم میں میں۔ یہ سن بھی نکالی اور کہا کہ دعاؤ اللہم آپ کا یہ حکم خلافِ فطرت ہے خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَ مِنْ طِينٍ اپنے مجھے آگ سے بنایا اور آدم کو مٹی سے اور آگ کی فطرت ہے سر اوں پنجانا اور مٹی کی خاصیت ہے پست ہونا۔ تو اپنے سر بلند ہونے والے کو پست کے سامنے ذلیل ہونے کا کیوں حکم دیا۔ میں ادنچا ہونے والا اس پست کے آگے کیسے جھک جاؤں۔ یہ گناہ حکمِ عدولی کا تو سرزد ہوا ابلیس لعین سے جس کا منشاء تھا جاہِ طلبی، عزت، حسب، اکبر، رعوت، فرعونیت اور ایک لغزش سرزد ہوئی حضرت آدمؑ سے وہ حقیقتاً گناہ تو نہیں تھی بلکہ غلط فہمی تھی، اور وہ یہ کہ شجرِ ممنوع کے کھانے سے روکا گیا تھا اور باقی جنت کی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا حکم تھا اور اس درخت کے پاس تک جانا ممنوع تھا۔ کھانا تو درکنار، وہ درخت حضرت آدمؑ نے کھایا لیکن حکمِ عدلی کا کوئی دہمہ تک بھی نہ تھا۔

شیطان کی تبلیغ | حضرت آدم کے ذہن میں شیطان نے اولاً و سوسہ ڈالا اور تدبیر بکھائی اور تبلیغ کر کے تاویل بکھائی کہ اسکی ممانعت ابدی نہیں ہے۔ بلکہ خاص وقت تک تھی وہ وقت نکل گیا۔ اب تمہارا معذہ اس نعمت کو ہضم کرنے کا متحمل ہے اور اسکی خاصیت یہ ہے کہ جو اس درخت کو کھالے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہے گا۔ اس نعمت سے نہیں نکل سکے گا۔ جھوٹ بھی بولا اور

دھوکہ بھی دیا اور قسم بھی کھائی۔ وَقَالَتْ هُمَا إِنِّي لَكَ مَلَكٌ مِّنَ النَّاصِيحِينَ۔ تمہیں کھا کھا کر کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ تم کھا لو گے تو ابوری طویر جنت میں رہو گے اور اگر اس کو نہ کھایا تو ممکن ہے کہ جنت سے نکال دیئے جاؤ، اور ان کو سمجھایا کہ ابدی حکم نہیں، بلکہ ایک وقت تک کے لئے تھا۔ اب جنت کی آب و ہوا آپ میں اثر کر گئی۔ پوری طرح پرچ گئی ہے۔ اب آپ کھالیں گے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ابتدائی حالت میں کھانے میں مفرت تھی۔ حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اسکی ممانعت کی گئی ہے۔ میں کیسے کھاؤں اور حکم خداوندی کے خلاف کیسے کروں۔ مگر ادھر تو اس بکثرت نے قسم کھائی اور آدم پاک قلب میں پچے قلب ہیں۔ نہ دھوکے سے واقف نہ فریب سے واقف اور اشر کا نام لے کر ایک شخص فریب کرے تو گویا ان کے دہم میں بھی یہ نہیں آ سکتا تھا کہ کوئی آدمی خدا کا نام لے کر بھی جھوٹ بول سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ہی بات ہو اور یہ واقعہ ہے کہ جو شخص سچا ہوتا ہے اسے دھوکہ ہی یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص جھوٹ بھی بول سکتا ہے، وہ تو جھوٹ کو بہت بری چیز سمجھتا ہے اسی لئے سچا آدمی دوسروں کو بھی سچا سمجھتا ہے۔ اس کا دہم بھی نہیں جاتا کہ یہ جھوٹ بول کر دھوکہ دے رہا ہے اسی واسطے محدثین لکھتے ہیں اِنَّ الْكَذَّابَ الْحَدِيثُ حَدِيثُ الصَّالِحِينَ کہ صوفیاء کی حدیثیں جھوٹی ہوتی ہیں۔ اسکی وجہ یہ نہیں کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں (معاذ اللہ) وہ تو اتنے پچے ہوتے ہیں کہ اللہ کے رسول کا نام لے کر کوئی راوی روایت کرے کہ اللہ کے رسول نے یہ فرمایا ہے تو ان کو دہم بھی نہیں گذرتا کہ کوئی آدمی اللہ اور رسول کا نام لے کر جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ وہ تو صحیح سمجھ لیتے ہیں۔ تو کچھ آدمی بعض دفعہ دوسروں کے قسم کھانے کی وجہ سے اور یقین دلانے کی وجہ سے مبتلا ہو جاتے ہیں اس لئے کہ ان کا قلب تو جھل سے، فریب سے پاک ہے تو ابلیس نے فقط تاویل ہی نہیں سمجھائی بلکہ قسم بھی کھائی اور آدم پاک قلب ہیں۔ دھوکے سے فریب سے واقف نہیں اور پھر جنت میں وہ کہ کوئی قسم کھائے کہ اللہ کی قسم میں آپ کا خیر خواہ ہوں تو حضرت کا دہم بھی نہیں جھوٹ بولنے پر۔ ادھر تو ابلیس نے دھوکہ دیا اور حضرت حوا نے کہا کہ اجمی کھا بھی لو۔ ایک دانہ میں کیا حرج ہے۔ بیوی کی آدمی سنا ہے اور جلدی سے

اسکی خلاف نہیں کرتا۔ اتنا کہنے سننے سے حضرت آدم کے قلب میں یہ بات بھی بیٹھ چکی تھی کہ ممکن ہے یہ ہی بات ہو کہ اسکی ممانعت ابدی نہ ہو۔ ابتداء میں ہو۔ اب جبکہ یہاں کی آب و ہوا اثر کر گئی تو ایک آدھ دانہ کھالینے میں کیا حرج ہے۔ اوپر سے شیطان لعین نے قسمیں کھائیں اور بیوی نے دیا سہارا تو کھایا اور نعت اسکی حقیقتہً یہ گناہ نہیں تھا۔ گناہ کہتے ہیں جان بوجھ کر کسی حکم کی خلاف ورزی کرنا۔ حضرت آدم جان بوجھ کر خلاف ورزی کرنے سے پاک تھے یہ سمجھے کہ ہو سکتا ہے کہ حکم خداوندی کے معنی اور مطلب یہی ہو جو یہ شخص قسم کھا کر بیان کر رہا ہے ممکن ہے کہ میں غلط فہمی میں ہوں۔ اس قسم کے فریب میں اگر مبتلا ہو کر وہ کھایا۔ یہ لغزش ہوتی صورتاً اور حقیقتہً گناہ نہیں بلکہ غلط فہمی ہے۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ غلط فکری ہے۔ یا خطا اجتہادی ہے، یہ سرزد ہو گئی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے خطا اجتہادی ہو سکتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ان کو غلطی پر باقی نہیں رکھا جاتا ہے فوراً حق تعالیٰ مطلع کر دیتے ہیں، دوسرا کوئی مجتہد خطا اجتہادی کرے تو ہو سکتا ہے کہ عمر بھر اسے ثواب بکھتا رہے اور ہو وہ حقیقت میں خطا تو غرض ان چیزوں میں مبتلا ہو کر حضرت آدمؑ نے درخت کھایا۔

لغزش آدم کا منشاء کبر نہ تھا | مگر اس کا منشاء کبر اور جاہ نہیں تھا خود ہی کہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کیسے کروں لیکن معنی حکم کے قسم کھا کر بیان کرنے والے نے غلط بیان کر دیئے اور چیز تھی کھانے پینے کی اور کھانے پینے کی چیزوں میں قوت باہ اور شہوانی قوت اُگے بڑھتی ہے۔ کبر و نخوت اس میں نہیں ہوتا شیطان کے گناہ کا منشاء کبر تھا اور بکر تھا اور آدم کی لغزش کا منشاء حرص تھا اور حرص آدمی کی چیز ہے اور کبر و حقیقت شیطان کی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں کبر کا گناہ بہت سخت ہے وہ معاف نہیں ہو سکتا جب تک منکر پوری توبہ نہ کرے، اسکی توبہ نہ کی ابتداء کے لئے ملعون قرار دیدیا گیا اور ابدی جہنمی بنا دیا گیا اور آدم سے جو لغزش سرزد ہوئی اس میں کبر اور نخوت کا مدعا اللہ کوئی شبہ ہی نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ حرص تھی اور اوپر سے غلط فہمی اسکی جو گناہ شہوت سے یا جاہ سے سرزد ہو وہ شدید نہیں ہوتا، وہ تو آدم کی خصوصیت ہے اور کبر سے سرزد ہو تو وہ بکر ہے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی شان ہے

اس میں گویا اپنے کو اللہ کا شریک بنا رہا ہے اور یہ کھلا ہوا شرک ہے۔ لازمی بات ہے کہ یہ کتاب بڑا گناہ ہے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْكِبْرِ۔ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس میں ذرہ برابر بھی تکبر موجود ہو۔ جب تک کہ اس سے توبہ نہ کرے۔

کبر اور حرص | ایک گناہ وہ ہے جس کا منشا کبر و نخوت ہے اور ایک لغزش وہ ہے جس کا منشا حرص ہے حرص سے مراد دہونایہ تو عالم کی جبلت ہے، اور کبر سے مراد دہونایہ شیطان کا کام، کبر میں ٹھیک مقابلہ ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ شائد لاکھ آپ بڑے ہیں، میں بھی بڑا ہوں اور باہ سے جو گناہ ہوتا ہے اس میں آدمی خود اپنے کو بے سرح سمجھتا ہے کہ میں حرص میں مبتلا ہوں۔ اس کی بڑائی میں دل کے اندر کوئی کمی نہیں آتی۔ اب نتیجہ نکالئے کہ آدم علیہ السلام سے جو لغزش ہوتی وہ جاہ سے ہوتی یا باہ سے ہیں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آدم کے قلب میں عظمت خداوندی بدستور موجود تھی اور دوسری عظمت جب ہی ہو سکتی ہے جب اپنے آپ کو کم سمجھے لہذا حضرت آدم کی لغزش میں کبر کا شائبہ تک بھی نہ تھا اور اُدھر اس کج فہمت کے دل میں حق تعالیٰ کی عظمت تھی ہی نہیں اس لئے وہ ابدالآباد کے لئے ملعون ہو گیا اور ادھر ان کے سر پر خلافت کا تاج رکھا گیا جبکہ توبہ کی اور چالیس برس تک برابر روتے رہے اور بعد توبہ واستغفار کیا۔ حالانکہ وہ گناہ نہ تھا بلکہ وہ ایک نگرہ لغزش تھی۔ بہر حال میں نے عرض کیا کہ وہی قوتیں ہیں ایک جاہ طلبی کی ایک باہ طلبی کی۔

بچوں میں دونوں قوتیں بیدار نہیں | بچوں میں جاہ طلبی اور باہ طلبی کی دونوں قوتیں بیدار نہیں ہوتیں، نہ ان میں بچہ ہوتا ہے کہ وہ لیڈر بنیں، صرف کیل کو دکر تے رہتے ہیں۔ اسی طرح سے شہوانی مادہ تو ہوتا ہے مگر ابھڑ ہوا یا بیدار نہیں ہوتا۔ بلوغ سے قبل اس میں ابھار نہیں ہوتا۔ لہذا وہ نہ ہونے کے برابر ہے پس معلوم ہوا کہ بچوں میں جو معصومیت ہے وہ اس لئے ہے کہ ان میں وہ قوت ہی ابھی ابھری ہوئی نہیں ہے جو گناہ کا منشاء ہے۔

عصمت انبیاء | انبیاء علیہم السلام کی تمام قوتیں کامل ہوتی ہیں پھر وہ بچتے ہیں
 نفس کی مخالفت کر کے اپنے صبر سے، جبر سے، کمال نیت
 سے اور کمال استقلال سے اور کمال عظمت خداوندی سے یہ بات نہیں کہ انبیاء علیہم السلام
 مجبور ہیں گناہ کرنے سے، وہ گناہ کر ہی نہیں سکتے۔ اگر مجبور ہوتے تو گناہ سے بچنا ان کے
 حق میں کوئی کمال نہ ہوتا۔ کمال یہی ہے کہ ہر قوت ہے اور پھر بچتے ہیں، حکم خداوندی کی عظمت
 میں، اور نفس کا مقابلہ کرنے کی ان میں اتنی قوت ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوتا اور
 بالکل عصمت ہی رہتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے معنی مجبوری کے نہیں بلکہ ان میں
 سارے مادے بدرجہ اتم موجود رہتے ہیں مگر سارے مادوں کو وہ کلیتہً تابع کر لیتے ہیں۔ حق
 حق تعالیٰ کے بھی کہ جہاں آپ فرمائیں گے۔ وہاں ہم ان مادوں کو استعمال کریں گے اور جہاں
 سے آپ روک دیں گے وہاں سے ہم رک جائیں گے تو انبیاء میں قوتیں اور مادے اور سب موجود
 رہتے ہیں پھر ان کا گناہ سے بچنا ارادی، اور اختیاری ہے۔ اس لئے ان کے حق میں کمال ہے
 اگر ان کا گناہ سے بچنا مجبور ہوتا تو یہ ان کے حق میں کوئی کمال نہ تھا کیونکہ یہ ایسا ہی ہے کہ ایک
 نامزد ہو اور وہ یوں کہے کہ میں بڑا متقی ہوں کہ میں عورت کے پاس نہیں جاتا ہوں کوئی دوسرا
 کہے گا کہ بخت تیرے اندر جانے کی طاقت کیا ہے تو مجبوری میں بچا ہوا ہے۔ تیرے
 اندر وہ مادہ ہے ہی نہیں بچنا اسے کہتے ہیں کہ شہوانی مادہ پورا موجود ہو اور پھر آدمی
 خوف خداوندی کی وجہ سے بچے۔ ایک ننگر اولاد آدمی جو چار پائی سے مل بھی نہیں سکتا وہ یوں
 کہے کہ میں چوری نہیں کرتا ہوں اس کے پاس ہوں۔ لوگ کہیں گے تو پاک کیا ہے تو مجبور
 ہے۔ تجھے آج قوت مل جائے تو ڈکیتیاں ڈالے گا۔ اب تیرے اندر طاقت ہی نہیں تو تو
 کرے گا کیا عضو چار پائی پر پڑا رہے گا۔ بچنا اسے کہتے ہیں کہ طاقت موجود ہو اور کہ تب پورا
 جانا ہو اور پھر بچتا ہے کہ اللہ کے حکم کے خلاف ہے تو ارادے اور اختیار سے سوچ سمجھ کر
 علم و عقل کی روشنی میں آدمی بچے اُسے تو بچنا کہتے ہیں، اور جہاں روشنی ہی موجود نہ ہو اور
 بچے، اسے بچنا نہیں کہتے ہیں۔

عصمت انبیاء اور عصمت اطفال | بچوں میں جو معصومیت ہے وہ

اسکے ہے کہ ان میں گناہ کرنے کی قوت بیدار نہیں ہوتی۔ صرف مادہ موجود ہوتا ہے۔ اور انبیاء میں وہ ساری قوتیں موجود ہیں پھر وہ معصوم ہیں۔ ارادے سے، اختیار سے تو عصمت دونوں میں موجود ہے مگر فرق اتنا ہے کہ انبیاء اختیار معصوم ہیں اور بچوں میں غیر اختیاری عصمت ہے، یہ علم کے ساتھ معصوم اور بچے لاعلمی کے ساتھ معصوم وہ نا طافی سے معصوم اور انبیاء کمال طاقت اور قوت کے ساتھ معصوم ایک کی عصمت کمال میں داخل ہے۔ ایک کی عصمت کمال میں داخل نہیں۔ اگر دو برس کا بچہ گناہ نہ کرے تو اسے کامل نہیں کہتے اس لئے کہ نہ اس میں ارادہ ہے اور نہ وہ قوت ہے۔ لہذا اس کے معصوم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے اُسے مجبوراً گناہ کرنے سے روک دیا ہے۔ وہ طاقت اس میں خدا نے ابھاری نہیں۔ اس لئے وہ بیچارہ اپنے ارادے سے کچھ نہیں کر سکتا اور انبیاء میں ساری قوتیں موجود ہیں اور پھر بچتے ہیں۔ یہ ہے کمال اور اصول بھی یہی ہے کہ رکاوٹیں اور موانع ہوتے ہوں اور پھر نیکی کرے تو وہ زیادہ قابلِ قدر ہے اور ایک یہ ہے کہ کوئی رکاوٹ موجود نہیں اور نیکی کرنے کے لئے دوائی موجود ہے تو وہ بھی نیکی ہی مگر زیادہ عجیب و غریب نہیں زیادہ قابلِ قدر نہیں۔ اس قسم کی ایک حدیث بھی ہے۔

حدیث اِیْمَانُ اَعْجَبُ اِیْمَانًا کِی تَشْرِیْح | ایک حدیث میں آپ نے صحابہ کو خطاب

کرتے ہوئے فرمایا کہ تِلَاوَةُ اِیْمَانُ اَعْجَبُ اِیْمَانًا سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ سب سے زیادہ عجیب ایمان ملائکہ کا آپ نے فرمایا کہ ملائکہ کو کیا ہو گیا جو وہ ایمان نہ لادیں گے عرش ان کے سامنے، اُرسی ان کے سامنے، جنت ان کے سامنے۔ وہ بھی ایمان نہ لادیں گے تو اور کون ایمان لاتے والا ہوگا۔ یعنی ان کا مان لینا کوئی زیادہ کمال نہیں کیونکہ وہ اس چیز کو مان رہے ہیں جس کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے نہ ماننے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ پھر عرض کیا یا رسول اللہ انبیاء کا ایمان زیادہ عجیب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء کو کیا ہو اجودہ ایمان نہ لادیں۔ وحی ان کے اوپر آ رہی ہے۔ فرشتے انہیں نظر آ رہے ہیں، مشائخہ حق میں وہ مشغول ہیں جلال و جمال کا دروازہ ان پر کھلا ہوا ہے۔ تجلّی حق ان کے سامنے ہے۔ وہ بھی انکار کریں گے

تو کون اقرار کرے گا اس شخص ان کا ایمان کیا عجیب؟ پھر عرض کیا گیا کہ ہمارا ایمان عجیب ہے فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا کہ تم ایمان نہ لاؤ پیغمبر تمہارے سامنے موجود۔ وحی تمہارے سامنے اتر رہی مگر آتم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ تم بھی ایمان نہ لاؤ گے تو اور کون ایمان لائے گا اس لئے تمہارا ایمان بھی عجیب نہیں ہے۔

پھر عرض کیا کہ اللہ اور رسول ہی بہتر جانتے ہیں کہ سب سے زیادہ عجیب ایمان

پھر کس کا ایمان زیادہ عجیب ہے؟

کس کا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عجیب ایمان اُن لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد میں آئیں گے نہ رسول ان کے سامنے نہ معجزے ان کے سامنے نہ ان کے سامنے نہ وحی اتر رہی ہوگی۔ بلکہ رکاوٹ و موانع اتنے ہوں گے کہ کوئی ایمان میں شک ڈال رہا ہے۔ کوئی اسلام سے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ کوئی دامنِ تردد پیدا کر رہا ہے۔ کہیں کفار، کہیں منافقین، کہیں نفس کے جذبات۔ ہزاروں رکاوٹیں موجود اور دوائی جو تجھے ایمان کے کہ وحی اور رسول کا سامنے ہونا دہ ہے نہیں۔ پھر بھی ایمان پر جمے ہوئے ہیں تو ان کا ایمان زیادہ عجیب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کثرت موانع

موانع کا مجموعہ عمل کو قیمتی بنا دیتا ہے

کرے وہ زیادہ قابلِ قدر ہے۔ نسبت اس کے کہ کوئی رکاوٹ ہی نہیں بلکہ دوائی اور عرق کا پتہ ہی موجود ہوں اور پھر خیر اور نیکی کے تور ہے گی تو وہ خیر ہی اور نیکی ہی مگر زیادہ عجیب و غریب نہیں ہوگی، تو بچے اگر گناہ سے بچتے ہیں اس شخص نہیں کہ وہ سمجھتے بوجھتے ہیں اور نفس کا مقابلہ کر کے بچتے ہیں، ایسا نہیں۔ بلکہ نفس میں تو ان کے جذبہ ہی گناہ کا نہیں ہے۔ نہ شہوت کا جذبہ ہے۔ نہ کد و نخوت کا جذبہ ہے۔ لہذا اب جو وہ گناہ سے بچ رہے ہیں کہ اسے بچنا نہیں کہتے ہیں وہ تو گناہ سے الگ تھلگ ہیں۔ بچنا اسے کہتے ہیں کہ توت ہو۔ ارادی بھی۔ توی کی بھی اور اس پر قدرت ہو کہ اس کام کو کر گزرے اور پھر بچے۔ تو بچوں میں عصمت ہے مگر مجبوری کی ہے اور وہاں انبیاء کے اندر عصمت ہے ارادی اور اختیار کی۔ تو معصوم دونوں ہیں مگر فرق رہے گا علم کا اور لاعلمی کا ارادے کا اور غیر ارادے کا خیر اور بے خبری کا۔

اولیاء اللہ گناہ بچتے ہیں

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت حکیم الاسلام دامت برکاتہم نے فرمایا کہ رہے اولیاء اللہ صلیا، متعین جو گناہ سے بچتے ہیں۔ ابھی عرض کیا گیا ہے کہ گناہ سے انبیاء بھی بچتے ہیں اور بچے بھی اور اولیاء اللہ بھی فرق اتنا ہے کہ انبیاء میں تو عصمت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اس معنی سے وہ معصوم ہیں، اور بچوں میں مادہ موجود ہے مگر بیدار نہیں اس معنی میں گناہ کرنے کی قوت نہیں لہذا وہ بھی معصوم ہیں۔ اب رہے اولیاء اللہ ان سے گناہ ہوتے بھی ہیں اور نہیں بھی ہوتے۔ حتی الامکان وہ بچتے ہیں اسلئے ان کو معصوم تو نہیں کہیں گے بلکہ عفو لا کہیں گے۔ منجانب اللہ ان کی حفاظت ہوتی ہے اور بنا حفاظت کی کثرت ذکر ہے۔ رات دن ذکر اللہ میں مشغول رہتے ہیں، اور مشاہدہ رہتا ہے ان کو جلال و جمال حق کا اور قلب کا رابطہ اور نسبت اتنی قوی ہے کہ کسی وقت بھی حق تعالیٰ کا تصور اور دھیان ان سے اوجھل نہیں ہوتا۔ اس واسطے وہ بچتے ہیں۔ لیکن اگر ذرا اوجھل ہو جائے تو امکان ہے کہ انفرش کر سکیں اور ایسا ہوا بھی ہے کہ بعض اولیاء کبار میں بعض دفعہ غلبہ ہوا اور معصیت سرزد ہو گئی۔ خواہ حکمت اسکی کچھ ہی ہو مگر اس کا امکان ہے۔

حضرت شبلیؒ کا عبرتناک واقعہ

حضرت شبلیؒ اکابر اولیاء میں سے ہیں اور یوں کہنا چاہیے کہ سردار اولیاء میں سے ہیں اور ہزاروں خانقاہیں حضرت شبلیؒ کی خانقاہ سے آبا و تھیں۔ ان کے خلفاء ان کے مریدین اکثر تعداد میں تھے، اور تقویٰ و طہارت کا ایک کارخانہ پھیلا ہوا تھا۔ وقت کے تمام اولیاء ان سے استفادہ کرتے تھے۔ ایک روز وہ مریدین کے ساتھ سیر و تفریح کو نکلے جب ایک بستی پر گذر رہا ہوا جو نصاریٰ و مجوسیوں کی بستی تھی۔ دیکھا کہ وہ لوگ خنزیر چرا رہے ہیں۔ دل میں خیال آیا کہ یہ کیا انسان ہیں نہ ان میں ایمان ہے نہ انہیں گندگی اور پاکی کی تمیز سوچ رہا ہے ہیں شراب پی رہے ہیں اصل میں مومن ہم لوگ ہیں کہ ہر برائی سے اللہ نے ہمیں بچالیا ہے اور ہم گناہ سے بچے ہوئے ہیں اور دین کے اندر ہم غرق ہیں۔ دل میں یہ خیال پیدا ہوا ایک وسوسہ کے درجہ میں تھا غلط نزدیکیاں رابیش بود حیرانی کے اصول سے

جو خفا مقرب ہوتا ہے اس کے دل میں اگر خطرہ بھی آتا ہے تو اس پر بھی گرفت ہوتی ہے۔
یوں کہتے کہ عمل پر اتنی گرفت نہیں ہوتی۔

بقنی کہ مقررین کے خطرات پر ہوتی ہے اور عتاب ہو سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ
اس بستی میں جب یہ پہنچے تو دیکھا کہ کنویں پر چند لڑکیاں پانی بھر رہی ہیں ان میں عیسائی
کی ایک لڑکی بہت ہی حسین و جمیل تھی۔ شیخ کی طبیعت اس پر مائل ہو گئی اور اتنی مائل ہو گئی
کہ ضبط نہ کر سکے جا کر اسے نکاح کا پیغام بھی دیدیا۔ اس نسل جواب دیا کہ میں نکاح جب
کروں گی جب میرا باپ اجازت دیدے۔ شیخ نے پوچھا تیرا باپ کہا ہے اس نے کہا کہ گھر میں ہے
تو اس گھر پہنچے۔ اس سے جا کر درخواست کی اس نے کہا کہ میں ایک شرط پر نکاح کر سکتا
ہوں وہ یہ کہ اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کرنی ہوگی۔ شیخ نے کہا منظور ہے اور اسلام
ترک کر کے عیسائیت قبول کر لی، اور مرتد ہو گیا۔ مقتدین و مریدین نے اگر شیخ سے
منت، حاجت کی لیکن شیخ کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا اور شیخ مبہوت سے رہ گئے خدام نے
پوچھا کہ نلاں آیت آپ کے ذہن میں ہے شیخ نے کہا کہ میرے ذہن میں کوئی آیت نہیں گویا
پورا قرآن ذہن سے نکل گیا۔ کوئی آیت ہی یاد نہیں آتی۔ پھر مریدین نے حدیثوں کے حوالے
دے کر سمجھانا چاہا۔ شیخ نے اسپر بھی یہی کہا کچھ کوئی حدیث بھی معلوم نہیں۔ گویا حدیث بھی
ذہن سے نکل گئی اور اس کے عشق میں مستغرق ہیں جتنی کہ کل جس لکڑی سے سہارا دے کر جمعہ
لا خطبہ پڑھتے تھے۔ آج دیکھا گیا کہ اسی لکڑی سے خنزیر چرا ہے ہیں۔ شیخ کی ایسی حالت
دیکھ کر لوگ رو دیئے۔ چیمیں نکل گئیں اور پورے ملک میں خافا ہیں غیر آباد ہو گئیں اور
جہاں جس مرید کو پتہ چلتا رہا وہیں وہ سکتے کے عالم میں رہ گئے۔ بہت لوگ برداشت
نہ کر سکے خبر سنتے ہی اچانک انتقال ہو گیا۔ یہ صدمہ کچھ معمولی صدمہ نہ تھا کہ ایک شیخ وقت
مرند ہو گیا۔ مگر تھی کہ دوسروں کے ایمان کا کیا ہوگا۔ اس سب لوگ دعا میں کر رہے ہیں
کہیں انفرقا۔ کہیں اجتماعاً اور ایک خاصی تعداد تو ہر وقت شیخ کے پاس ہی خدائے مالک
الملك کے دربار میں دعاؤں میں مشغول رہتی تھی۔ کچھ دن گذرنے کے بعد شیخ کو تفتہ ہونا
شروع ہوا کہ میں کس حالت میں ہوں اور مریدین سے دریافت فرمایا کہ میں کس حالت میں ہوں

لوگوں نے جواب دیا کہ آپ عیسائیت میں ہیں شیخ نے کہا معاذ اللہ۔ استغفر اللہ۔ توبہ و
استغفار کی اور اسی وقت کہا کہ مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان بناؤ کلمہ تو تھا ہی ذہن میں بس ایک
چیز غالب آگئی۔ اب جو دھیان دیا تو پورا قرآن شریف ذہن میں موجود ہے پوری احادیث محفوظ
کہا کہ میں یہاں اگر کیسے پھنس گیا ہوں لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ واقعہ ہے فوراً توبہ کر کے وہاں
سے واپس ہوتے اور استغفار میں مصروف رہے۔ تمام خانقاہوں میں خوشیاں منائی جاتے
لگی، اور پورے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ اللہ نے شیخ کو پھر اسلام میں لوٹا دیا۔

کشمیر کی قدرت

ادھر تو یہ واقعہ ہوا اور اُدھر یہ ہوا کہ اس عیسائی گھرانے پر یہ اثر ہوا
کہ وہ خود اپنی بڑی کو لے کر حاضر ہوا کہ حضرت اس کو مسلمان
کر لیں اور اپنے نکاح میں قبول فرمائیں حضرت نے فرمایا کہ مجھے تو نکاح کی ضرورت نہیں۔ میرے
پاس تو بیوی موجود ہے نہ وہ عشق، نہ وہ محبت بعد میں سوچا تو معلوم ہوا کہ قلب میں وہ جو خطرہ
آیا تھا ایک زعم کا تھا کہ اصل میں ہم ہیں انسان یہ عیسائی کیا کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا جس
سے معلوم ہوا کہ بڑے سے بڑے ولی سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔

اولیاء اللہ گناہ پر دیر تک باقی نہیں رہتے

چونکہ اولیاء اللہ میں
تقویٰ کا غلبہ زیادہ ہوتا
ہے اس لئے اس غلبہ ہی کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ بہت جلد رجوع نصیب فرماتے ہیں
اور قرآن کریم میں اسی لئے فرمایا گیا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اَلْقَوْا اَمْثَلَهُمْ طَائِفًا مِّنَ
الشَّیْطٰنِ تَذٰکُرُوْا فَاِذَا هُمْ مُبْصِرُوْنَ جن لوگوں کی عادت تقویٰ اور طہارت کی ہے
اور وہ تقویٰ دل میں جما ہوا ہے اور پھر شیطان کی کوئی جماعت ان کو درغلاقی ہے تو تھوڑی دیر
تو وہ مبتلا ہوتے ہیں اس کے بعد اچانک وہ تقویٰ ابھرتا ہے اور فوراً وہ قوت ایمانی سامنے
آتی ہے تو لا حول پڑھتے ہیں اور اس سے بچتے ہیں۔

ماحول سے متاثر ہو کر گناہ کرنے کی حقیقت

یہاں سے ایک بات
یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک
گناہ تو وہ ہے کہ قلب میں اس کا مادہ جمع ہے اور مسلسل گناہ کرتا جا رہا ہے۔ جیسے معاذ اللہ

زنا کاری کا مادہ ہے اور وہ شخص مبتلا بھی ہے اس میں اور ایک وہ ہے کہ قلب بالکل پاک ہے، مادہ ہی نہیں گناہ کرنے کا۔ البتہ ماحول سے متاثر ہو کر گھر گھر اگر اتفاق سے کوئی غلطی مرزد ہوگئی تو وہ ہزار توبہ کرے گا اور وہ اتنی بڑی توبہ ہوگی کہ اگر وہ یہ گناہ نہ بھی کرتا، اور ہزاروں نیکیاں کرتا تو شاید اتنے درجات بلند نہ ہوتے جتنے اس توبہ و استغفار سے بلند ہوتے اور لیار کرام میں گناہ کا مادہ بھی موجود ہے اور امکان بھی ہے کہ وہ گناہ میں مبتلا ہو جائیں اور کھلی معصیت مرزد ہو لیکن جب تک وہ توبہ نہ کر لیں چین نہیں آتا اور بہت بڑی توبہ نصیب ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا خمیر | مگو انبیاء علیہم السلام میں یہ نہیں کہ کھلی معصیت مرزد ہو جائے۔ ہاں خطا فکری ہو سکتی ہے، لیکن اس کے تقاضوں پر کوئی عمل ہو۔ اسگ وہ بری ہیں اور اسکی وجوہات بھی ہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا جو بدن تیار کیا گیا ہے اس میں غالب حصہ جنت کی مٹی کا ہے۔ تو مٹی جب پاک شامل ہے تو خمیر بھی پاک ہے۔ پہلی چیز تو پاکی کی ہی ہے کہ بدنوں کے مادے جب ان کے پاک پیدا کئے گئے ہیں اس سے جو طبیعت بنے گی قدرتی طور پر اس طبیعت میں پاکی ہوگی اور ظاہرات ہے کہ جب طبیعت ایسی ہے تو بالطبع خیر ہی کی طرف جائیں گے۔ شر کی طرف کبھی نہ جائیں گے۔ لا محالہ اس میں خیر ہی خیر ہوگا اور کوئی گناہ مرزد تو کیا ہو کسی گناہ کا خطرہ تک بھی ان کے قلب پر نہ گذرے گا۔ تو مادہ پاک ہے۔ بدن بھی پاک ہے لازمی بات ہے ان بدنوں سے جو اعمال اور افعال صادر ہوں گے وہ بھی پاک ہی ہوں گے۔

ظاہر پاک، باطن پاک لہذا گناہ عادی ممکن نہیں | جب ابدان ظاہر پاک اس لئے انبیاء علیہم السلام کے بدن بھی اتنے پاک ہیں کہ ہماری رگوں میں بھی اتنی پاکی نہیں ہے اور پھر جب ان کی رگوں میں اتنی مقدس ترین ہیں اور ان رگوں کے اندر

مشاہدہ ہے کمالات حق کا ہر وقت حق تعالیٰ کے سامنے حضوری ہے کوئی آدمی گھر میں بیٹھ کر گناہ کا تصور کرے یہ تو ممکن ہے لیکن بادشاہ کے دربار میں ہو۔ اسکی عظمت اس کا جلال دیکھ رہا ہو۔ وہاں ممکن نہیں کہ بادشاہ کی خلافت ورزی کرے۔ انبیاء علیہم السلام تو ہر وقت مشاہدہ کی حالت میں ہیں۔ ملائکہ ان کے سامنے۔ وحی ان پر آ رہی ہے تو وہ بیچارہ نفس کرے گا کیا۔ گو مادے سارے موجود ہوں نفس مغلوب ہی رہے گا۔ تو مادہ بھی پاک، روح بھی پاک اور اوپر سے احوال بھی پاک کہ مشاہدہ ہے عالم غیب کا اور وحی کا نزول اور علم الہی براہ راست آ رہا ہے اور اوپر سے پھر حفاظت خداوندی بھی شامل ہے۔ چونکہ ان سے دنیا کی ہدایت کا کام لینا ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کو معصوم رکھا گیا ہے کہ اگر ان سے ایک گناہ بھی سرزد ہو تو مخلوق ان کی بات نہیں مان سکتی کہ جب آپ ہی ان چیزوں میں مبتلا ہیں پھر ہمیں کیوں نصیحت کرتے ہیں۔ اسلئے ان حضرات کو بری رکھا گیا ہے۔ ان کے مادے پاک، روح میں پاک، احوال پاک، ماحول پاک اور اوپر سے مشاہدات اور ہر وقت حضوری شاہی دربار میں اس لئے وہاں عادت ممکن نہیں کہ کوئی گناہ سرزد ہو۔ زیادہ سے زیادہ عقلی امکان رہ جاتا ہے۔

اولیاء اللہ سے گناہ عقلاً بھی ممکن ہے اور عادتاً بھی | اولیاء اللہ سے عقلاً بھی گناہ کا امکان ہے اور عادتاً بھی اس لئے کہ جو رکاوٹیں انبیاء کو دی جاتی ہیں من جانب اللہ وہ نہ ان کے مادے میں ہیں۔ نہ ان کی ارواح میں وہ چیزیں ہیں۔ نہ ملائکہ ان کے سامنے حاضر ہیں اور نہ وحی ان پر آ رہی ہے اس لئے گناہ کرنے کا امکان ہے اور بہتوں سے گناہ ہوا بھی ہے بعض عامۃ صحابہ سے گناہ سرزد ہوا۔ جیسے ماعز ابن مالک ہیں ان سے گناہ سرزد ہوا اور ان کو رجم کیا گیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قلب تو پاک ہے اور گناہ جڑ پکڑے ہوئے بھی نہیں۔ ماحول سے متاثر ہو کر ایک حرکت سرزد ہو گئی لیکن پھر اتنی توبہ کی، اتنی توبہ کی کہ حدیث پاک میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ماعز ابن مالک نے اتنی بڑی توبہ کی ہے کہ اگر وہ توبہ عالم کے اندر پھیلادی جلتے تو سب کے گناہ معاف ہو جائیں اس ایک

توبہ کے اثر سے، تو اولیاء کے اندر فقط امکان عقلی ہی نہیں بلکہ ایک درجہ میں امکان عادی بھی ہے کہ گناہ سرزد ہو جائے مگر حفاظت خداوندی شامل ہوتی ہے تو گناہ ہوتا نہیں اور اگر ہو جائے تو اتنی بڑی توبہ نصیب ہوتی ہے کہ سو برس کی عبادت سے شاید وہ درجہ بلند نہ ہوں جو اس توبہ سے اُن کے بلند ہوتے ہیں۔

امیر معاویہ کا عجیب واقعہ | امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ رات کو لیٹے اور شیطان نے کچھ اثرات پھیل کر قلب اور دماغ میں پہنچائے۔ تہجد کے لئے آنکھ نہ کھل سکی اور تہجد چھوٹ گیا حالانکہ ترک تہجد کوئی معصیت نہیں اس لئے کہ امتی کے اوپر نہ فرض ہے نہ واجب مگر جو اہل اللہ تہجد کے عادی ہوتے ہیں ان کا اگر ایک تہجد بھی قضا ہو جائے تو جگتے ہیں کہ ساری عمر اکارت ہو گئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ سر پر اُڑا۔ تو حضرت امیر معاویہؓ اس تہجد کے قضا ہونے پر تمام دن روئے استغفار کیا۔ دعائیں مانگی اور کہا کہ یہ پہلی بار قضا ہوا ہے۔ غرض اگلے دن جب سوئے ہیں تو عین تہجد کے وقت ایک شخص نے انگوٹھا ہلایا کہ حضرت تہجد کا وقت ہو گیا ہے اٹھئے تہجد پڑھ لیجئے۔ حضرت امیرؓ نے اجنبی آواز محسوس کر کے اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ میری محل سرائے میں تو کون اجنبی ہے جو مجھے میرے زمانہ خانے میں تہجد کے لئے اٹھانے آیا ہے۔ انہیں کہا کہ میں شیطان ہوں۔ تہجد کے لئے اٹھانے آیا ہوں فرمایا کہ کجبت تو اور تہجد کے لئے اٹھائے۔ اس نے کہا کہ جی ہاں خیر خواہی کا جذبہ ابھرا اور مجھے گوارا نہ ہوا کہ آپ کا تہجد قضا ہو۔ فرمایا کہ تو اور خیر خواہی کرے۔ اللہ نے فرمایا اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔ شیطان تمہارا دشمن ہے تم اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ کبھی دوست نہیں بن سکتا ہے۔ اس لئے تو اور دوستی کرے یہ نا ممکن ہے۔ سچ سچ بتا کہ لو کیوں آیا ہے ورنہ میں بھی صحابی ہوں اور اتنی قوت رکھتا ہوں۔ تیری گردن مردوٹوں گا اور اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ تب وہ اصلیت کھلی۔ انہیں کہا کہ اصل قصہ یہ ہے کہ کل میں نے ہی ایسی حرکت کی تھی کہ آپ کا تہجد قضا ہو گیا۔ میں نے کچھ ایسے دساؤس اور آثار دماغ اور قلب پر ڈالے کہ آپ کو گہری نیند آگئی اور وقت پر آنکھ نہ کھلی آپ نے

سارا دن استغفار کیا تو اتنے درجے بلند ہوئے آپ کے کہ سو برس بھی تہجد پڑھتے تو شاید اتنے درجے بلند نہ ہوتے۔ جتنے اس توبہ سے بلند ہوئے اسی لئے میں نے آپ کو اٹھایا کہ اگر آج قضا ہو گیا، پھر توبہ کریں گے پھر درجے بلند ہوں گے تو سو درجوں کے بجائے ایک ہی درجہ بلند ہو ہی اچھا ہے کچھ تو درجات میں کمی ہوگی۔ جب یہ اتنی بات اس نے سچ کہدی تب حضرت امیرؓ نے اس کو چھوڑا، فرمایا کہ صحیح ہے یہ خیانت تیرے دل میں چھپی ہوئی تھی بہر حال اولیاء کا ملین سے گناہ کے مرزد ہونے کا امکان بھی ہے اور عادۃً بھی ممکن ہے اور وہ تقویٰ کے منافی بھی نہیں ہے۔ اسکی کہ تقویٰ جڑ پکڑے ہوئے ہے۔ گناہ جڑ پکڑے ہوئے نہیں۔ وہ کچھ بیرونی اثرات سے گھر گھر کر شاذ و نادر واقع ہو سکتا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام سے یہ چیز ممکن نہیں ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ہر قلب کے حضور کا شیطان مسلمان ہو گیا | دائیں جانب فرشتے کا مقام ہے

ادبائیں جانب شیطان کا مقام ہے۔ یہ خیر کے وعدے دیتا ہے اور شیطان شر سمجھاتا ہے۔ دونوں کی جنگ ہوتی ہے۔ صدیقہ عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے قلب کے بائیں جانب بھی شیطان کا مقام ہے فرمایا کہ ہاں وَلَکِنَّہُ اَسْلَمَ۔ لیکن وہ شیطان خود مسلمان ہو گیا اس کا اثر مجھ پر کیا پڑتا میرا اثر اس پر یہ پڑا کہ اسکی ماہیت بدل گئی اور بعض روایتوں کے الفاظ ہیں وَلَکِنَّہُ اَسْلَمَ کہ ہے وہ شیطان ہی مگر میں اس سے بچا لیا جاتا ہوں۔ اس کا کید و مکڑ مجھ پر اثر نہیں کرتا۔

شیطان انبیاء پر اثر نہیں ڈال سکتا ہے اور نہ انکی صورت

اختیار کر سکتا ہے

شیطان انبیاء علیہم السلام پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا اور انکی صورت بھی اختیار نہیں کر سکتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اگر خواب میں کسی نے مجھے دیکھا تو اس نے مجھے ہی دیکھا شیطان کو قدرت نہیں کہ میری صورت میں آئے اور میرا نام لے کر کہے

کہ میں ہوں۔ ایسا نہیں کر سکتا ہے۔ وہ صورت بھی نہیں پاسکتا ہے۔ چہ جائیکہ ان کے حقائق میں اثر انداز ہو سکے۔

شیطان اولیاء اللہ کے
 اولیاء اللہ پر شیطان اثر ڈال سکتا ہے

ہے اور امکان بھی ہے کہ وہ کسی وقت بہک جائیں اور امکان ہے کہ کوئی معصیت بھی ان سے کسی وقت سرزد ہو جائے لیکن چونکہ تقویٰ غالب ہے اس واسطے وہ غالب اگر یا تو اس گناہ سے بچا دیتا ہے اور اگر سرزد ہو جائے تو عظیم الشان توبہ نصیب ہوتی ہے کہ وہ سو عبادتوں سے بڑھ کر عبادت ہوتی ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں عصمت اختیاری کے
 ساتھ اور اولیاء اللہ محفوظ ہیں۔ حفاظت خداوندی کے ساتھ اور

حفاظت کے معنی یہ ہیں کہ گناہ عادتاً ممکن ہے اور انبیاء علیہم السلام میں عادتاً ممکن نہیں صرف عقلی امکان ہے مگر ان سے گناہ ہوگا نہیں اگر ہو تو وہ گناہ نہیں بلکہ خطاء فکری ہے۔ جس پر ان کو بہت جلد متنبہ کر دیا جاتا ہے، ان کو اس پر باقی نہیں رکھا جاتا ہے اور بچے معصوم ہیں عصمت اضطرری کے ساتھ کیونکہ ان میں مادہ اُبھرا ہوا نہیں ہے جو سرچشمہ ہے گناہ کا۔ نہ شہوانی قوتیں اُبھری ہوتی ہیں اور نہ جاہ طلبی کی قوتیں اُبھری ہوتی نہ فکر و دیکھ کی قوتیں اُبھری ہوتی ہیں کہ شیطانی حرکت کریں۔ صرف ایک طبیعت کی شغفی ہوتی کھیل کود کرتے ہیں۔ لیکن کوئی ارادی چیز نہیں ہوتی کہ ارادے سے کچھ کر دفریب کر کے دنیا کو دھوکہ دیں بچوں کی طبیعتیں بالکل سادہ ہوتی ہیں تو عصمت دونوں میں ہے مگر ایک میں خلقی عصمت ہے ایک میں ارادی عصمت ہے۔ ایک میں علم کے ساتھ عصمت ہے ایک میں ناواقفی کے ساتھ عصمت ہے۔ ایک میں قوت و تمام و کمال کے ساتھ عصمت ہے اور ایک میں قوتوں کی ناتمامی اور خامی کے ساتھ عصمت ہے۔ تو عصمت دونوں میں ہے بچوں میں بھی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بھی، مگر یہ فسر ق ہے اور اولیاء اللہ معصوم نہیں بلکہ محفوظ ہیں۔

اسرار اتاریں جو اطاعت پر مرتب ہوتے ہیں طلب نہیں کئے جاتے

ایک صاحب نے اسی مجلس میں ایک پرچہ پر ایک سوال لکھ کر حضرت کے خدمت میں پیش کیا حضرت حکیم الاسلام مدظلہ نے اس پرچہ کو پڑھا۔ سوال یہ تھا کہ کفار و مشرکین کی نابالغ اولاد جو انتقال کر جائے ان کا حشر کیا ہوگا آخر وہ بھی تو معصوم ہیں اس میں شریعت کا کوئی فیصلہ ہو تو مع اسرار و حکم بیان کیجئے۔ سوال کا آخری جز مع اسرار و حکم بیان کیجئے۔

حضرت کو ناگوار معلوم ہوا۔ اس لئے تلخ مزاجی کے ساتھ جواب ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ کیا لفظ ہے مع اسرار و حکم بیان کیجئے۔ اسرار و حکم ہم پر کب ضروری ہیں۔ ہم تو ناقص ہیں احکام کے حکم بیان کر دیں گے یہ اسرار و حکم کا مطالبہ ہی غلط ہے۔ طالب اسرار کو اسرار کبھی نہیں مل سکتے ہیں۔ خادم اور مطیع پر اسرار منکشف ہوتے ہیں اگر بادشاہ کے سامنے کوئی جا کر یوں کہے کہ حضور اپنی سلطنت کے سارے راز مجھے بتلا دیجئے اور بیگمات شاہی کا پردہ بھی اٹھا دیجئے اور یہ بھی بتلا دیجئے کہ آپ کے خزانے میں کتنے جواہرات ہیں تو حکم یہ ہوگا کہ اس نامعقول کو کان پکڑ کر نکال دو۔ یہ کون ہے ہمارے اسرار پوچھنے والا، اور ایک شخص بادشاہ کا مطیع و فرمانبردار ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کھڑے ہو جاؤ وہ کہے بہت اچھا۔ حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ کہے کہ بہت اچھا، حکم ہوا کہ گھر چلے جاؤ وہ کہے کہ بہت اچھا، حکم ہوا کہ فلاں وقت حاضر ہو جاؤ، وہ کہے کہ بہت اچھا، ہر کام اور ہر بات کو ہر وقت ماننے کو تیار ہے۔ بس حکم کا بندہ ہے۔ سال بھر تک اطاعت کرتے کرتے جب بادشاہ کو اعتماد قائم ہوگا تو کہے گا کہ بڑا مخلص ہے، بڑا مطیع ہے تو حکم دیا جائے گا کہ آج سے تم شاہی محل سرائے میں ہر وقت آ سکتے ہو۔ تم معتمد علیہ ہو کوئی روک ٹوک نہیں۔ تو بیچے بیگمات کا پردہ اٹھ گیا۔ اب وہ گھروں میں آ رہا ہے اور اسکی اطاعت اسی طرح جاری رہے اور بالکل حکم کا بندہ ہے۔ اسی طرح دو برس گزر گئے۔ تو بادشاہ کو پورا اطمینان ہو گیا کہ بڑا مخلص اور مطیع ہے اس پر بادشاہ خوش ہو کر کہے گا، کہ آؤ آج ہم تمہیں اپنے

خزانے دکھلائیں گئے۔ خزانہ کھول کر اس کو اندر لے جائے گا اور دکھلائے گا کہ یہ جواہرات ہیں یہ سونا ہے، یہ چاندی ہے لیکن اسکی اطاعت پھر اسی طرح جاری و ساری ہے۔ چار پانچ برس بعد بادشاہ کہے گا کہ آؤ ہم تمہیں اپنی حکومت کی پالیسیاں سمجھاتے دیتے ہیں۔ ایک پالیسی حکومت کی یہ ہے اور ایک یہ ہے اور یہ بھی ہے، اور حکمت عملی ہے۔ تو خادم اور مطیع پر ساری چیزیں منکشف ہو جاتی ہیں اور جو طلب کرے کہ جناب پردہ اٹھا دیجئے۔ بیگمات کا تبادشاہ کہے گا کہ اس کا کان پکڑ کر باہر نکال دو، اس کو پھانسی دیدو۔ یہ کون ہے طلب کر کے والا تو اسرار کی طلب نہیں کی جاتی۔ اسرار تو اُنڈ ہیں جو اطاعت پر مرتب ہوتے ہیں۔ اسٹس آدمی کو چاہیے کہ مکمل معلوم کرے یہ کیا سوال ہے کہ اسکی حکمت بھی بتاؤ۔ اس کا راز بھی بتاؤ آپ کون ہیں راز پوچھنے والے۔ جب اللہ کا حکم آگیا تو اسکے بڑھ کر راز اور کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ حکم نہ مانیں گے جب تک راز معلوم نہ ہو۔ تو آپ اللہ کے مطیع نہیں بلکہ اپنی عقل کے مطیع ہو گئے کہ عقل میں راز سمجھ میں آگیا تو مان لیا، نہ سمجھ میں آیا تو رہ گئے۔ یہ تو نہایت لغو سوال ہے کہ اسرار بتائیے حکم بتائیے۔ سوال یہ ہونا چاہیے کہ حکم کیا ہے اور بس۔ اسرار معلوم کرتے ہیں تو پہلے اطاعت کیجئے۔ دین پر مضبوطی سے قائم رہئے۔ فرائض و واجبات ادا کر کے ثابت کر دیجئے کہ ہماری طبیعت بھی خادم عقل بھی غلام، ارادہ بھی اللہ کا غلام، مشیت بھی غلام، پھر اسرار منکشف ہوں گے اسرار تو اُنڈ ہیں اور اُنڈ کی طلب نہیں کی جاتی ہے احکام کی طلب کی جاتی ہے۔ تو حکم پوچھئے کہ مشرکین کی نابالغ اولاد کا حکم کیا ہے۔

ذرائع مشرکین کے بارے میں علماء کے مذاہب | اولاد مشرکین کا شرعاً جو حکم

ہے اور بس میں محدثین ذرائع مشرکین کے الفاظ سے باب باندھتے ہیں کہ مشرکین کی نابالغ اولاد آیا جنتی ہے یا جہنمی اس میں علماء کے اٹھ مذاہب ہیں، ایک مذہب یہ ہے کہ انکی فطرت پر حکم لگا دیا جائے گا چونکہ یہ بڑے نہیں ہوتے۔ فطرتوں میں سادگی تھی اور عمل واقع نہیں ہوا اور جنت و نار عمل کے اوپر ہے اور وہاں عمل ہے نہیں اس لئے فطرت پر حکم

مقبور ہوگا جب وہ عقل و ارادے اور اختیار سے قبول کرے تو نابالغ اولاد ماں باپ کے
توابع میں سے ہے۔ لہذا جو ان کا حکم ہے وہی ان کے تابع بچوں کا حکم ہے۔ ایک مذہب
یہ ہے کہ نہ وہ جنتی ہیں نہ دوزخی بلکہ وہ بیچ میں اعراف کے اندر رکھ دیئے جائیں گے کہ وہ
نہ جنت ہے نہ دوزخ ایک مذہب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کی آزمائش کی جائے گی
اور ایک آگ روشن کی جائے گی اور حق تعالیٰ کی جانب سے ان بچوں کو کہا جائے گا
کہ آگ میں کود پڑو تو جن کے مزاج میں سلامتی ہوگی خطروں کی وہ کود پڑیں گے۔ وہ آگ حکم
خداوندی سے باخ و بہار بن جائے گی اور بعضے تامل کریں گے کہ ہم آگ میں کیسے چلے
جائیں۔ ڈریں گے جھجکیں گے۔ ادھر سے حکم ہے کہ آگ میں کودو، اور وہ کودتے نہیں
معلوم ہوگا کہ اگر یہ جو ان چوتے تو یہ ہی سرکشی ان کے اندر ہوتی، ان کی فطرت ہی کے اندر
سرکشی داخل ہے۔ انکی فطرت میں سلامتی نہیں۔ ایک مذہب یہ ہے اور بعض حضرات اس
کے قائل ہیں کہ وہاں امتحان لیا جائے گا عمل سرزد نہیں ہو صرف جانچ کر لی جائے گی کہ فطرتوں کا
رخ کیا ہے۔ اسی اعتبار سے وہ جنتی یا جہنمی ہوں گے۔

اسلم ترین مذہب | بہر حال اسی میں آٹھ مذہب ہیں لیکن جو اسلم ترین مذہب
ہے وہ صرف توقف کا ہے کہ حکم نہیں لگاتے حق تعالیٰ
جانتے ہیں چاہے وہ فطرت پر حکم لگادیں چاہے وہ عمل پر حکم لگادیں۔ ہم اس کے بارے میں کچھ
نہیں کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ شریعت ظواہر پر حکم لگاتی ہے اور وہاں ظاہر کچھ ہے نہیں تو کاہے
پر حکم لگادیں۔ رہی فطرت تو وہ باطنی چیز ہے اور باطن کی ہمیں خبر نہیں کہ ہے کیا، اور ہم کون ہیں
حکم لگانے والے تو اسلم طریق یہی ہے کہ توقف کیا جائے۔ یا پھر زیادہ سے زیادہ یہ کہو جو
اکثر علماء کہتے ہیں کہ وہ اہل جنت کے خدمت میں داخل ہوں گے۔

تیسری مجلس

سوال: آج کل مسلمانوں میں ضبط ولادت نسبندی کا رجحان پایا جا رہا ہے شرع میں کیا اس کے لئے کچھ گنجائش ہے؟

نسبندی شرعی اصول کے تحت ممنوع ہے | اس لئے کہ شریعت کا منشاء تکثیر اولاد

ہے اسی بنا پر آپ نے ارشاد فرمایا تزدوجوا الولود والود دخی مکتوبہ الامم یعنی ایسی عورتوں سے نکاح کر جن سے اولاد زیادہ پیدا ہوتا کہ قیامت کے دن اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں۔ اسی لئے قانون عام تکثیر نسل ہے اور اسلام چونکہ جامع اور معتدل مذہب ہے اسی لئے اس نے دوسری جانب کی بھی رعایت رکھی ہے وہ یہ کہ اگر خاوند اور بیوی اتنے کمزور ہو جائیں کہ اور اولاد ہوگی تو جان کا خطرہ ہے اور وہ آپس میں ملے کر لیں اور اولاد نہ ہونے کی دوا کھالیں تو دہرے کر سکتے ہیں۔ مگر یہ ایک استثنائی شکل ہے اور استثناء خاص حالت کے تحت ہوتا ہے اور قانون ہر حالت میں ہوتا ہے اولاد کا بڑھنا قانون ہے اور جان کے خطرے کی وجہ سے آپس میں معاہدہ کر کے دوا کھالیں یہ استثناء ہے خاص افراد کے لئے خاص حالت میں اسکی اجازت ہوگی عام قوم کے لئے اسکی اجازت نہ ہوگی۔

اگر استثناء | استثناء کو قانون عام کی شکل میں پیش کرنا خیانت ہے | کو کوئی قانون

عام کی شکل میں پیش کر کے یہ کہہ کہ اسلام نے نسبندی کو جائز قرار دیا ہے تو یہ خیانت ہوگی اور یہ ایسے ہو گا جیسے کہ شراب حرام ہے اور نجس العین ہے اور نص قطعی سے اسکی حرمت ثابت ہے لیکن مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر ڈاکٹریہ کہہ دے کہ اسکی جان بچ نہیں سکتی جب تک یہ شراب نہ پی لے تو شراب پلانے کی اجازت ہے اس لئے کہ جان بچانا فرض ہے یہ ایک استثنائی

حکم ہے لیکن اگر کوئی اس کو قانون عام کی شکل میں پیش کر کے یہ کہے کہ اسلام نے شراب جائز قرار دی ہے یہ ایمان داری نہیں بلکہ خیانت ہوگی، اسی وجہ سے قانون عام اپنی جگہ ہوتا ہے اور استثنائی حکم اور ہوتا ہے مثلاً قرآن کریم میں موجود ہے کہ اپنی زبان سے کلمہ کفر مت نکالو اس قسم کا کلمہ اپنی زبان سے نکالنا شرعاً ممنوع ہے لیکن آگے فرماتے ہیں **اَلَا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ** کہ اگر وہ کیوں وقت کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے مگر دل میں اطمینان کے ساتھ ایمان موجود ہو مثلاً کسی نے گلے پر تلوار رکھ دی اور کہنے لگایا تو کفر کا کلمہ زبان سے کہہ دو ورنہ ابھی ذبح کر دوں گا تو قرآن اجازت دیتا ہے کہ کفر کا کلمہ کہہ دو اور دل میں ایمان رکھو اور مطمئن رہو، تمہاری کوئی گرفت نہ ہوگی اب کوئی کہے کہ اسلام میں کفر کا کلمہ کہنا جائز ہے اور قانون عام بنا کر پیش کرے تو سرا سر خیانت ہے یہ صرف ایک استثنائی حکم ہے خاص حالت میں اسکی اجازت ہوگی اسی بنا پر حکم عام اور قانون عام اور ہوتا ہے اور استثنائی احکام الگ ہو جاتے ہیں، استثناء کو استثناء رکھا جائے گا اور قانون کو قانون عام رکھا جائے گا، اسلام میں فرض ہے کہ نماز کھڑے ہو کر پڑھو اگر بیماری غالب ہے اور کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو لیٹ کر پڑھو اب اگر اس کو کوئی قانون کے طور پر یوں کہے کہ اسلام کا قانون ہے کہ نماز بیٹھ کر پڑھ لیجئے تو یہ خیانت ہوگی حکم عام دی رہے گا کہ کھڑے ہو کر پڑھو اگر کوئی خاص حال پیش آجائے تو اسکی وجہ سے اجازت ہے مگر وہ شخصی بات ہوگی عام حکم نہ ہوگا یہی صورت یہاں بھی ہے کہ ایک تو کثیر نسل ہے یہ تو قانون عام ہے اور ایک ہے استثناء وہ شخصی حالت کے تحت ہوتا ہے اس کے لئے بھی فتویٰ ہوتا ہے اگر مفتی اجازت دیدے تو وہ حکم عام سے نکل کر اجازت شخصہ کر کے اندر آ جاتا ہے قانون عام اپنی جگہ پر برقرار رہے گا یہ تمہی واقعہ کی قانونی بحث !!

دلچسپ واقعہ میرے پاس سہارنپور کے دو ڈپٹی کلکٹر آتے اور سبندی کے سلسلے میں گفتگو کوئی شروع کی اس بار سے میں انہوں نے سوال کیا جس کا ایک جواب میں نے ہنسی کا دیا اسکی وہ بے حد شرمندہ ہوئے وہ یہ تھا کہ میں نے ان سے کہا کہ آپ کو جو یہ فکر لاحق ہے کہ اولاد اور آبادی بڑھتی جا رہی ہے اور روٹی

گھٹتی جا رہی ہے اس سے بحث نہیں کی کہ یہ بات صحیح ہے یا غلط بہر حال آپ کو فکر آبادی کے
 بڑھنے سے روٹی گھٹنے کی ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کو یہ مصیبت پیش آرہی ہے موجودہ
 افراد سے یا آنے والوں سے خطرہ ہے کہنے لگے کہ موجودہ ہی سے پیش آرہی ہے اس پر میں
 نے کہا کہ آنے والوں کا راستہ تو بعد میں انکی پہلے دن میں کمی شروع کر دو اور اسکی عمدہ صورت
 یہ ہے کہ جو ملک میں فسادات پیش آ رہے ہیں ان کو منظم اور باقاعدہ کر دیجئے ہر ایک شہر
 میں روزانہ ایک دوفاد ہوتے رہیں اور ایک دولاکھ قتل ہوتے رہیں تو دس برس
 میں انشاء اللہ کافی کمی ہو جائے گی اور آپ کی روٹی بچ جائے گی اس جواب سے وہ
 جھینپ گئے اس کے بعد میں نے کہا کہ جو کام آپ کے کرنے کا ہے وہ تواصل میں آپ لوگ
 کرتے نہیں اور نہ کرنے کے کاموں میں آپ لوگ چل رہے ہیں روٹی کی کمی اسلئے نہیں کہ آبادی
 بڑھ رہی ہے آج تو زمینوں میں اتنی کاشت ہو رہی ہے کہ پہلے ہزاروں ایکڑ زمین اضافہ
 پڑی رہتی تھی آج ان میں بھی کاشت ہو رہی ہے جتنے افراد بڑھ رہے ہیں رزق بھی بڑھ رہا
 ہے پھر بھی جو کمی ہے اسکی تلافی ہے کہ آپ کے ملک میں دولت کی تقسیم صحیح نہیں ہے جو غریب
 ہے وہ بے حد غریب ہے اور جو امیر ہے وہ بے حد امیر ہے ملک کے ہر میدان جو بار بار
 کھربوں کے مالک ہیں قانون پر ان کا قبضہ ہے پارلیمنٹ کے ممبران کے ممنون کرم ہیں وہ
 قانون ایسا بنواتے ہیں کہ ان کا سرمایہ بڑھتا رہے اور غریب فنڈ پاتھ پر پڑنے کے قابل بھی
 نہ رہے اس سے منہ موڑ کر دولت کی تقسیم صحیح نہیں ہے اگر آپ دولت کی تقسیم صحیح
 کر دیں کہ امیر اور سرمایہ دار کو ذرا نیچے آ کر دیں اور غریب کو ذرا اونچا اٹھائیں اس سے تو
 وزن پیدا ہو جائے گا اور یہ شکایت رفع ہو جائے گی یہاں ہزاروں غلے بھرے سمندریں
 ڈالے جاتے ہیں جب وہ غلہ برانا ہو جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ غلہ اور رزق کی کمی نہیں بلکہ نیتوں
 کی خنق ہے یا طرز عمل کی خرابی ہے آپ ان دولت مندوں پر اور سرمایہ داروں پر پابندی
 عائد کر دیں اور ان کی دولت میں الے راستے نکالیں کہ غریب پولیس اور ملک میں ایک بھنڈ
 پاتھ پر پڑنے والا نہ رہے آج بھی کے فنڈ پاتھ پر آٹھ لاکھ آدمی سوتے ہیں جن کے نہ گھر ہیں
 نہ دریں وہیں ان کے بچے روتے رہتے ہیں بارش ہوتی ہے تو ایک طرف سے کھانے

ہیں کوئی کھلی اور ساتھ لیتا ہے کوئی کسی کا سہارا لیتا ہے تو ایک ایک شہر میں آٹھ آٹھ لاکھ آدمی فٹ پاتھ پر پڑنے والے ہیں اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ملک میں غم بار کتنے ہیں انکی کیا حالت ہے نہ ان کے پاس روٹی نہ کپڑا نہ گھر نہ دروازہ دوسری طرف دیکھو۔ برلا، ٹانٹا، باٹا، وغیرہ کو کہ اسے یہ بھی یاد نہیں کہ میری دولت کتنی ہے وہ بڑھ رہا ہے میں دولت میں اور یہ بڑھ رہے ہیں غربت میں یہ نظم کی خرابی ہے۔ آپ اس خرابی کو ڈالنا چاہتے ہیں مادیوں کے پیشوں کے اوپر کہ آنے والوں کو روک دو، اس کا ان سے کیا تعلق اپنا نظم صحیح کیجئے، اس قسم کی باتیں ہوتی رہیں وہ چاہتے تھے کہ مجھ سے کچھ بیان حاصل کریں میں ان کو بیان تو کیا دیتا، مگر وہ وہاں سے چپ ہی ہو کر اٹھے، میں نے ان سے کہا کہ بس دو ہی صورتیں ہیں یا تو فسادات کو منظم کرو کہ لاکھ دو لاکھ ہر روز قتل ہوتے رہیں دس بار سال میں کمی آجائے گی اور یہ نہیں کرتے تو نظام صحیح کرو، دولت کی تقسیم صحیح کرو، اور میں نے یہ بھی کہا کہ اصل قصہ یہ ہے کہ ان سرمایہ داروں نے اپنی بد کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ شوشے چھوڑ رکھے ہیں کہتے ہیں کہ نسبندی کرو یہ کرو یہ کرو اور وہ کہتا کہ انکی دولت پر زور نہ آئے، اور ان کے پیسے میں کمی نہ آئے یہ اس کو چھپانے کے لئے چالاکی کرتے رہتے ہیں تاکہ پبلک دھوکہ میں مبتلا رہے ہم دھوکہ میں آنے والے نہیں ہیں اپنی نظم درست کیجئے آپ کا نظام صحیح نہیں ہے میں نے کہا کہ اگر ایسا ہی کیا تو بیس برس کے بعد سر پکڑ کر روئیں گے جب اولاد کی کمی ہوگی، نہ فوج میں آدمی ڈھنگ کا ملے گا اور نہ پولیس میں اور پھر بعد از خرابی بیسار اضافہ نس پر سوچیں گے۔

بعض ممالک میں کثرت اولاد پر انعام | میں نے کہا کہ آپ یہاں نہ

پر پابندی عائد کرنا چاہتے ہیں اور بعض ملکوں میں یہ قانون ہے کہ جتنی اولاد زیادہ ہوگی اتنا ہی مال دیا جائے گا اور بارہ ہیں تو اتنا یہ رزق کی کمی وہاں کیوں نہیں؟ وہاں لوگ کیوں فاتے نہیں بھرتے ہیں اس لئے کہ دولت کی تقسیم میں نابرابری نہیں ہے نتیجہ یہ کہ وہ اس مصیبت سے دوچار نہیں ہوتے ہیں۔

سوال؟ استثنائی شکل میں نسبندی کراسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب! استثنائی شکل دوسری بات ہے اس میں نسبندی ہی کیا بعض دوائیں ایسی ہیں جن کے کھانے سے اولاد نہیں ہوتی جب آدمی سونے کے حال پر پہنچ جاوے اور جوی اس قابل نہ ہو اور اسکی جان کا خطرہ ہو اور وہ کہے کہ مجھے تحمل نہیں اور آئندہ بچہ پیدا ہونے کی تکلیف سے جان جانے کا اندیشہ ہے تو اسے شریعت کی جانب سے اجازت ہے کہ کوئی ایسی دوا کھالے جس سے بچہ پیدا نہ ہو مگر استثنائی حکم استثنائی ہی رہے گا اس کو قانون عام کی شکل نہیں دی جاسکتی ہے!!

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

چوتھی مجلس

خطبہ مسنونہ!

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى
اما بعد !!

بزرگان محترم! خیال یہ تھا کہ اس وقت کالج کی جو جدید عمارت تیار
کرائی جا رہی ہے، اس کو دیکھنا اس سے مستفید ہونا اور سرور ہونا
ہے، اسی غرض سے حاضری ہوئی تھی، جلسہ کا کوئی تصور اور اس میں بھی کسی تقریر اور خطاب
کا کوئی گمان حاشیہ خیال میں نہیں تھا۔ بہر حال جب جلسہ کی صورت بن گئی ہے تو اس کے
کچھ نہ کچھ لوازم پورے کرنے پڑیں گے۔ اور ذمہ داروں نے اپنے محبت اور خلوص سے جو
شکل پیدا کر دی ہے اس کا احترام تو کرنا ہی پڑے گا واقعہ یہ ہے کہ کالج کی جدید عمارت میں
حاضر ہو کر غیر معمولی مسرت ہوئی اور و شام کے زندہ دل مسلمانوں کے حوصلے اور جذبات
خیر سامنے آئے اس سے بھی بے انتہاء خوشی ہوئی۔

حسّی تعمیر علامت ہوتی ہے معنوی تعمیر کی | ظاہر میں یہ ایک تعمیر
ہے جو اینٹ اور
بتھر سے کی جا رہی ہے اور سینٹ اور چونا اس میں ڈالا جا رہا ہے لیکن اگر حقیقت پر
نگاہ کی جائے تو یہ علم کی بنیاد ڈالی جا رہی ہے تعمیر دراصل علم کی ہے درگاہ کا وجود حقیقتہً
علم کے لئے ہے اس لئے یہی حسّی تعمیر علامت ہے معنوی تعمیر کی جو اس کے اندر کی جگہ

گی ظاہری تہمیر سے قلوب کی ایک ہیئت بنائی جا رہی ہے اور محضی تعمیر سے قلوب کی ہیئت بنائی جاتی ہے اس ہیئت ظاہری میں نفسانی اخلاق و جذبات کی اصلاح کی جائے گی۔ اس اعتبار سے یہ بہت مستحسن اقدام اور مبارک عمل ہے۔

علم کی دو قسم ہیں علم ابدان اور علم ادیان

اما شافعی کا ایک مشہور
مقولہ ہے العلم

علمان العلم الادیان و العلم الابدان یعنی اللہ کی طرف سے جو علوم دنیا کے اندر آتے ہیں وہ دو طرح کے ہیں ایک ادیان کا علم۔ کہ جس کا نام علم شریعت ہے اور ایک ابدان کا علم جس کا تعلق انسان کے ظاہر بدن اور اس کے عوارض بدن سے ہے لیکن حقیقت میں یہ دونوں علم جڑ میں شریعت کے علم اسلامی نے جس طرح سے شریعت اور دین کے علم کی طرف توجہ دلائی ہے اسی طرح ہے ابدان کا علم اور ضروریات زندگی کے علم مثلاً سائنس اور فلسفہ وغیرہ کی طرف بھی توجہ دلائی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ادیان کا علم اصل مقصود ہے اور ابدان کا علم اس کے لئے ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا گیا ہے اور دونوں کا مقصد ہے معرفت خداوندی حدیث میں ہے راس العلم معرفت اللہ۔ یعنی علم کا راس اللہ اور غلام خدا کی معرفت اور اس کی پہچان ہے۔ علم کے راس و حق نہ نمایاں جہالت است۔ جو علم حق کا راستہ نہ دکھائے وہ حقیقت میں جہالت ہے اس کو صورتِ علم کہا جائے گا حقیقت علم نہیں کہا جاسکتا !

دونوں علم ضروری ہیں

جس طرح حقائق کا علم ضروری ہے اسی طرح معاشیات و معاشرت اور کائنات کے علم کے سلسلہ میں ان علم کی بھی ضرورت ہے جن کو اُجکل علم سائنس، فلسفہ، اور ریاضی وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں قرآن کریم میں جو آیت ہے انما یغشی اللہ من عبادہ العلماء اس میں حصر کر دیا گیا ہے کہ علماء ہی اللہ سے ڈرتے والے ہیں یعنی خوف و خشیت انہیں کے قلوب میں ہے یہاں علماء مراد علماء فقہری نہیں ہیں جو جائز و ناجائز اور حلال و حرام کے مسائل سے واقف ہوں۔ بلکہ قرآن کے ان نشانوں سے بھی واقف ہوں جو ضروریات زندگی کے سلسلہ میں دینی علوم کی طرف توجہ دلاتے ہیں اس میں ستاروں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے اس میں زمین کے غنی عجائب

کی طرف توجہ دلائی گئی ہے قرآن خلا و فضاء کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے اور ان کی طرف اشارات بھی کئے گئے ہیں۔

ہر اثر ذی اثر کا پتہ دیتا ہے

ان سب کا مقصد بھی درحقیقت معرفت الہی اور اللہ کو پہچاننا ہے اس لئے کہ آثار کو دیکھ

کر ذی اثر کا پتہ چلتا ہے آپ کہیں دھواں دیکھیں گے تو پہچان جائیں گے کہ وہاں آگ موجود ہے ورنہ دھواں نہ ہوتا کہیں آپ رطوبت اور ٹھنڈک محسوس کریں گے تو ضرور یقین کریں گے کہ قریب میں کوئی دریا موجود ہے ورنہ بردہ نہ ہوتی تو آثار کو دیکھ کر مؤخر کا پتہ لگایا جاسکتا ہے اس کائنات کے نظام حکم اور عجیب و غریب انتظامات کو دیکھ کر دل خود بخود شاہد ہوتا ہے اور گواہی دیتا ہے کہ کوئی بہت بڑا اصناع اور حکیم ہے جس نے یہ نظام کائنات بنایا ہے اور عجائبات قدرت کو نمایاں کیا یہ محض مادہ اور اس کی حرکت کا کام نہیں ہے اس لئے کہ مادہ خود اندھا اور بہرہ ہے نہ اس کو اپنی خبر اور نہ دوسرے کی خبر تو ظاہرات ہے کہ ایک اندھی بہری اور اپنا چیز کوئی نظام حکم تیار نہیں کر سکتی اور مادہ کی حرکت بھی وہ ہے کہ بغیر محرک وہ واقع نہیں ہو سکتی ہے حرکت ایک وصف ہے وہ اسی وقت پایا جاتے گا جب اس کا موصوف موجود ہو اور اگر وہ ذات موجود نہ ہو جو موصوف ہے تو صفت یعنی وہ حرکت بھی نہیں پائی جائے گی تو چونکہ مادہ اپنا پنج اور لا یقصل ہے اس لئے اگر حرکت کا تعلق مادہ سے ہوگا تو وہ عجائبات اور نظام عالم کی نئی نئی چیزیں نہیں پیدا ہوں گی جب تک کہ علم اللہ قدرت الہی اس کے اندر شامل نہ ہو بہر حال عجائب کی طرف بھی قرآن کو اس کی ارشاد کیا ہے جیسے روحانی عجائبات ہیں جن کو ارباب حقیقت نے کھولا ہے اور معرفت و بصیرت سے ذات خداوندی کا پتہ چلایا ہے اسی طرح سے مادیات میں عجائبات رکھے ہوئے ہیں وہ تدریجاً کھلتے ہیں اور کھل رہے ہیں جس طرح سے قرآن کے عجائبات دور نبوت میں ظاہر ہوئے وہ سب اصول کا درجہ رکھتے ہیں ان کے عقدے صحابہؓ نے کھولے ان کے بعد تابعین نے ان کو کھولا اور اس میں شاخیں پیدا ہوئیں تابعین کے بعد تبع تابعین متوجہ ہوئے ان عجائبات میں سے علمی عجائبات نکالے یہاں تک کہ بے شمار تصانیف

وجود میں آگئیں کہ جن میں ان علوم کو مدون کیا گیا جن کے اندر یہ عجائبات اور حقائق الہیہ تھے اسی طرح سے کائنات کے سلسلے میں بھی ابتداء سادہ سادہ تحقیقات تھیں، ان سادہ تحقیقات پر اگلوں نے دوسری تعمیر کھڑی کی کہ اس کے اندر سے اور عجائبات نکلے جہاں تک کہ صدیاں اور قرون گزرنے کے بعد اب اس میں اتنی شائیں پیدا ہو گئیں کہ انسان زمین میں ہی نہیں بلکہ فضا میں گھوم رہا ہے فضا میں ہی نہیں بلکہ آسمانوں کے قریب پہنچ رہا ہے اور چاند تک اسکی پرواز ہو چکی ہے تو فضا کے عجائبات بھی قرآن شریف کی روشنی میں سامنے ہیں یہ اسکا جو کچھ ہوا یہ کھلوں کی تحقیقات پر تعمیر کی گئی ہے اگر پچھلے بنیاد نہ رکھتے تو اگلی تعمیریں نہیں ہو سکتی تھیں جس طرح سے حقائق الہیہ کے بارے میں بھی پچھلوں نے بنیادیں رکھیں اسپر بعد والوں نے تعمیریں کیں اور نئے نئے حقائق کھولے اسی طرح مادی حقائق کے بارے میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ بھی درحقیقت انہیں پچھلوں کا طفیل اور صدقہ ہے اور انہیں کے فکر کا ثمرہ ہے انہوں نے بنیادیں قائم کیں اور اس سے آگے ہم نے دیوار اٹھائی اور دیوار پر چھتیں ڈالیں پھر دو منزل اور سہ منزل تعمیر کی اگر بنیاد رکھنے والے بنیاد نہ رکھتے تو آج ہم یہ تعمیریں نہیں بنا سکتے تھے تو اس پوری گفتگو سے معلوم ہوا کہ دونوں علم کا حقیقی نکتہ یہ ہے کہ بنائے والے کو پہچانا جائے اور یہ تمام اثرات و آثار دلالت کرتے ہیں اس موثر حقیقی کی معرفت پر تاکہ اسکی طرف جھکا جائے اور اس کے قانون پر چلا جائے اسی لئے قرآن کریم نے دو تنوں کے قریب آئیں ذکر کی ہیں جن میں عجائبات کائنات ذکر کئے ہیں کہ زمینوں سے لے کر فضاؤں اور آسمانوں تک اور زمین کی گہرائیوں میں اور آسمانوں کی بلندیوں میں عجائبات قدرت پھیلے ہوئے ہیں دوسری قسم کی آیتوں میں حقائق الہیہ کا ذکر کیا گیا ہے دوسری قسم کی آیتوں میں احکامات خداوندی کو بیان کیا گیا ہے اور چوتھی قسم کی آیات میں قصص و عبرت اور امثال بیان کی گئی ہیں تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں۔

مدارس اور کالجوں میں صرف ایک قسم کی تعلیم پر اکتفا کر لینا کافی نہیں ہے!
 بہر حال مقصد یہ ہے کہ کسی اسکول یا کالج میں صرف ایک چیز کا ہونا کافی نہیں اس

لئے کہ شریعت اسلام اور اس کے حقائق کا تعلق کائنات کے ساتھ چولی اور دامن کا ہے اگر ان عجائبات قدرت کی طرف توجہ نہ کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ان دوسری آیتوں کو نہیں سمجھ سکیں گے جن میں مادی کائنات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور علماء نے اس میں تحقیقات کی ہیں علم ابدان اور علم ادیان میں سے ہر ایک کے مختلف گوشے ہیں مثلاً مختلف ضروریات بدن ہیں جن کا ایک علم بن گیا کہ اگر بدن کو بیماری یا کوئی روگ لاحق ہو جائے اس کے علاج کا کیا طریقہ ہے اس کے لئے علم طب ہے تاکہ اصل بدن کی اصلاح کی جائے اگر اس کا اصلاح نہ ہوگی تو ظاہر بات ہے کہ بدن جو روحانیت کا سفر کر رہا ہے وہ نہیں کر سکتا ہے بدن ہی تو اس کے لئے سواری ہے بدن کا یہ گھوڑا اگر چلنے والا نہ ہو تو شرعی اعمال بھی انجام نہیں پا سکتے ہیں، پھر طب کے سلسلے میں ہرگز حقائق ہیں جو انسان کی تکوین سے متعلق ہے کہ کس طرح انسان پیدا ہوا اور باری تعالیٰ کے عجائبات میں سے ہیں اور وہ چیزیں سامنے ہوں تو بہت سی حقائق شریعت نہیں کھل سکتیں جن کا مدار ان طبی تحقیقات کے کھلنے پر ہے تو انسان میں سب سے پہلے بدن کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ صلاح اور صحت ہے اور وہ موقوف ہے علم طب پر اس بنا پر اس کے لئے علم طب ضروری ہے اور علم طب انبیاء علیہم السلام پر یہی اترا ہے وحی کے ذریعہ اس کے اصول آتے ہیں اور پھر تجربہ کاروں نے اسکو بڑھایا اسی طرح بدن کے دوسرے عوارض ہیں مثلاً تن دھانپنے کا قصہ ہے اس کے لئے کپڑا بنانا یا بنانا ہے اسی طرح سے اثاثہ الیت ہے کہ انسان کی بہت سی ضروریات ہیں کھالے پینے سے رہنے سے مکان بنانے سے متعلق قرآن میں ان چیزوں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے اور احکامات خداوندی کے تحت مکانات کا بھی ذکر ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے **وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ بُيُوتِكُمْ مَسْكَناً وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ جُلُودِ الْاَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ مِنْهَا وَكُنْتُمْ فِيْهَا كَافِرًا هَٰذَا اَشْعَارُهَا اَتْثَاثٌ وَمَعَٰنَا اِلٰى حَبِیْنِ۔** یعنی کپڑوں کے گھر اور اینٹوں پتھر کے گھر اور پہاڑوں کے گھر دیئے گئے تاکہ ان میں سکونت حاصل کرو تم اسی طرح قرآن کریم نے ہر چیز کی طرف توجہ دلائی ہے خواہ

بہا س ہو خواہ کھانے پینے کی شے ہو خواہ رہن سہن اور صحت و مرض اور تمام چیزیں سے مستقل فن بن گئی ہیں اور ہر فن ایک مستقل موضوع پر مشتمل ہے اور ان کے احکام الگ ہیں اس کے عوارض الگ ہیں اس کے احوال الگ ہیں تو کالج کے اندر جہاں اسکی ضرورت ہے کہ کائناتی اشیاء کو سمجھا جائے وہیں اسکی بھی ضرورت ہے کہ اس کا آخری نقطہ خدا کی معرفت ہو اسلام نے ان چیزوں کی طرف توجہ محض عیش کرنے کے لئے نہیں دلائی عیش و عشرت کوئی دوا می چیں نہ نہیں یہ تو چند روزہ قصہ ہے۔

آدمی دنیا میں آیا ہے دنیا رہ گزر رہے اور آخرت کا مخرج ہے

اس کو ایک بڑی منزل تک جانا ہے اگر وہ اصل منزل کو گنوا بیٹھا تو اسکی کائنات کی حقیقت کو نہیں سمجھایہ تو راستہ اور رہ گزر رہے مگر چونکہ راستے کے نشیب و فراز کا جاننا ضروری ہوتا ہے اسکی بغیر آدمی راستہ نہیں چل سکتا ہے اور نہ ہی آدمی منزل تک پہنچ سکتا ہے اس لئے اس دنیا کے عجائبات کا دیکھنا اور سمجھنا بھی ضروری ہے کہ یہ وہی تو راستہ ہے کہ جس پر چل کر آدمی اپنے خدا کی معرفت تک پہنچتا ہے تو ہماری جتنی بھی آخرت ہے وہ اسی دنیا میں سے بنتی ہے یہ تصور غلط ہو گا کہ آخرت کا کوئی مکان الگ ہے اور دنیا کا مکان الگ ہے بلکہ اسی دنیا میں سے آخرت نکلتی ہے اور اسی میں سے وہ اعمال پیدا ہوتے ہیں کہ جسکی آدمی اپنے خدا تک پہنچتا ہے مثلاً دولت کمائے گا تو اسی دولت کے ذریعہ وہ زکوٰۃ و صدقات دے گا اور دیگر کار خیر انجام دے گا تو دولت میں سے ہی اسکی آخرت نکل رہی ہے اگر دولت سامنے نہ ہوتی تو یہ آخرت کا عمل کیسے تعمیر ہوتا اسی طرح دوسری چیزیں ہیں بدن کی صحت ہے اگر بدن صحیح نہ ہو گا تو آخرت کے اعمال کیسے انجام پائیں گے۔ اسی لئے دنیا کو رہ گزر رہا یا ہے اسی بنا پر رہ گزر کے نشیب و فراز سے واقفیت بھی ضروری ہے رہنے کا طریقہ جاننا بھی ضروری ہے اور ان اخلاقیات کا جاننا بھی ہے کہ جس سے اس دنیا کے اندر امن قائم ہو اسکی کہ اگر ساری چیزیں مہیا ہوں اور ان کے دل میں امن اور اخلاقی قوت نہ ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک بہترین

بلڈنگ بنا کر اس میں سانپ اور بچھروں کو پال دیا جائے تو اس بلڈنگ بنانے سے کیا فائدہ!

انسان اخلاق سے بنتا ہے | بلڈنگ انسانوں کے لئے بنتی ہے اور انسان اخلاق سے بنتا ہے جب

تک انسان کا اخلاق اور کیرکٹر اچھا نہ ہو اور اونچا نہ ہو اور اسکی اخلاقی حالت بلند نہ ہو اس وقت تک وہ انسان نہیں ہے انسان اچھے کپڑوں کا نام نہیں ہے انسان نام ہے اچھے کردار کا اچھے کیرکٹر کا اور جس میں سب سے پہلی چیز ہے انسانیت اور انسانیت کی سب سے پہلی بنیاد ہے انس اور مودۃ اور امت کا باہمی سلوک کہ تمام آدمی بھائی بھائی بن کر رہیں اور آدمی ایک دوسرے کی ہمدردی میں غرق ہو اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کے لئے مستعد ہو اس میں ایشاء و قسربانی کا جذبہ ہو کہ میں خود تکلیف اٹھاؤں گا مگر اپنے بھائی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا دوسروں کو تکلیف میں مبتلا کر کے خود راحت اٹھانا انسانیت نہیں اور نہ وہ حقیقت میں راحت ہے بلکہ اس کا نام خود غرضی ہے۔

معرفت الہی موقوف ہے معرفت نفس پر | غرض فرج تمام چیزوں

کا مقصد معرفت الہی ہے اور معرفت الہی ہو نہیں سکتی جب تک کہ معرفت نفس نہ ہو اسلئے کہ مرفیہ کا ایک مشہور مقلد ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ، کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس کو پروردگار کی معرفت حاصل ہو گئی اسی ذیل میں ایک مستقل علم وجود میں آیا جس کا نام علم النفس ہے جس سے نفس کے آثار و چٹھاؤ نشیب و فراز کو پہچانا جائے کہ کیا کیا چیزیں اس میں چھپی ہوئی ہیں ان علوم سے نفس کی کمزوریوں اور انسانی طبائع کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اسلئے اسلامی نقطہ نظر سے ان کا حاصل کرنا مفید ہے اگر نقطہ نظر صحیح ہو اور کسی علم و فن کی اصل بنا۔ میں کوئی فساد نہ ہو تو اس علم کو کارآمد بنایا جاسکتا ہے لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان علوم کو حاصل کریں اور اصل نقطہ کو سامنے

رکھ کر ان علوم کو وہاں تک پہنچنے کا ذریعہ بنائے۔

اظہارِ مشر! بہر حال اسکی بہت زیادہ مستر اور خوشی ہوئی کہ مسلمانانِ میل وشارم نے اپنی حوصلہ مندی سے اور اپنے ظرف کی وسعتوں سے ایک اتنی بڑی تعمیر کھڑی کر دی یہ علامت ہے اس بات کی کہ وہ معنوی تعمیر کو بھی اونچا دیکھنا چاہتے ہیں انسانیت اور علم کی تعمیر کو اونچا لے جانا چاہتے ہیں حق تعالیٰ شانہ ان کے ارادوں میں برکت دے آئین۔ اور جو جوان کے مقاصد ہیں انکی تکمیل فرمائے اور اسکے نہ صرف میل وشارم کے لوگوں کو خواہ وہ کسی بھی قوم سے تعلق رکھتے ہوں بلکہ اُس پاس کس علاقہ اور تمام لوگوں کو توفیق دے کہ وہ اسکے فائدہ اٹھائیں تعلیم گاہ درحقیقت سب کے لئے ہوتی ہے علم کسی خاص قوم کی وراثت نہیں بلکہ علم سارے انسانوں کی ایک مشترک پونجی ہے مسلم ہو غیر مسلم ہو کسی بھی ملت کا ہو علم سب کی ایک مشترک متاع ہے کسی کالج یا اسکول کا قیام اسی لئے ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچایا جائے۔ خواہ وہ کسی بھی قوم سے تعلق رکھتے ہوں تو ایک بڑی خوشی کی بات ہے کہ میل وشارم میں اس قسم کا کالج قائم ہوا اور جہاں تک میرے علم میں آیا اس کا فیضان عام ہے کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بلا امتیاز مذہب و ملت ہر قوم کے انسان اسکے فائدہ اٹھائیں گے۔ اسکی ضرورت بھی ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مقاصدِ حسنہ میں کامیاب کرے اور ان مقاصد کی تکمیل فرمائے آئین۔

اظہارِ شکر اور اقرارِ عجز! میں آخر میں شکریہ ادا کرتا ہوں و تمہ دارانِ کالج کا کہ انہوں نے مجھ جیسے ناچیز کو یاد فرمایا میرا تعارف اسکو سو اچھ نہیں کہ میں دارالعلوم دیوبند کا ایک طالب علم ہوں اس کے سوا اور کچھ میری اصلیت نہیں اور نہ کوئی تعارف ہے اگر کوئی کام بن پڑتا ہے تو وہ درحقیقت اثرانِ اکابر کا اور ان بزرگوں کا ہی ہے مقبول غالب کے علماء کے لئے ان کا ایک شعر کافی ہے اسنل کہا ہے ۛ

بننا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگر نہ شہر میں غالب کی آبر دکیا ہے !!

توحیقت یہ ہے کہ ہماری ذاتی اور شخصی کوئی آبرو نہیں ہے البتہ بڑوں کی ایک جماعت ہے اور وہ جماعت بین الاقوامی بزرگوں کی ہے انکی شخصیتیں بہت بلند ہیں ان سے وابستگی اور ان سے نسبت ایک بڑی چیز ہے ذرے کی کوئی وقعت نہیں ہوتی ہے لیکن چونکہ اس کو نسبت ہے آفتاب سے اور وہ نسبت بڑی ہے اسلئے اس درجہ کی بھی بڑی حیثیت ہوتی ہے اور وہی ہم بھی کہتے ہیں

اگرچہ خورد ہم نسبت است بزرگ

ذرة آفتاب تابا نیست !!

ہم تو خود لاشی ہیں لیکن نسبت ایک بڑی چیز سے قائم ہے اور وہ نسبت بڑی ہے جو اسکی لپیٹ میں آجائے گا وہ بڑا دکھائی دے گا حقیقت میں بڑائی نہیں بزرگوں کی ہے ہماری کوئی بڑائی نہیں مخلص بزرگوں کی ایک جماعت ہے وہ بہت سچے لوگ تھے ان کی سچائی آج تک چل رہی ہے اخلاص سے جو روح انہوں نے پھونکی وہ اسی شان سے قائم ہے اسکی چمک اور روشنی میں جو آگیا بن گیا اس کے نتیجے میں اہل علم بنے اہل فضل بنے اہل کمال بنے تو ہمارا اسکی زیادہ تعارف کچھ نہیں کہ دارالعلوم دیوبند سے اور وہاں کے بزرگوں سے ایک تعلق ہے آپ نے جو کچھ بھی قدر دانی اور قدر افزائی فرمائی درحقیقت ان ہی کی فرمائی ہیں صرف ایک واسطہ ہوں میں سمجھتا ہوں کہ یہ قدر دانی انہیں بزرگوں کی طرف جارہی ہے آپ نے جو کچھ اچھے اور اچھے کلمات فرمائے درحقیقت میں واسطہ ضرور ہوں میرے ذریعہ سے یہ کلمات خیر وہاں تک پہنچ جاتے ہیں اور میں آخر میں پھر مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں آپ حضرات کا کیا د فرمایا اور کچھ خیالات ظاہر کرنے کا بھی موقع عنایت فرمایا۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

احب الصالحین ولست منهم

لعل الله یورثنی صلاحاً

نشا را احمد قاسمی سہارنپوری

خادم مدرس مدبرہ خادم العلوم باغونوالی ضلع مظفرنگر (دیوبند)

امارتِ شیعہ کے قیام کی ضرورت قرآن و حدیث کی روشنی میں،

خطبہ ہستونہ

نَعْمَدُكَ وَنُسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنُتَوَكَّلُ عَلَيْكَ
وَنَعُوذُ بِكَ يَا اللَّهُ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا صَبْرٌ
بِحَمْدِكَ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَكَ وَمَنْ تَضَلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٌ عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ
أَرْسَلَهُ اللَّهُ إِلَى كَافَّةِ النَّاسِ بِشَيْءٍ أَوْفَدَ وَأَعْيَا إِلَى اللَّهِ بِأَدْنَى
وَسِرِّهِ أَجْمَعِ صَلَّي اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْكَ وَعَلَى آلِكَ وَأَهْلِكَ وَيَا بَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا
كَثِيرًا كَثِيرًا أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ مَنَّا عَنْكُمْ
فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ
وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا هَذَا صَدَقَ اللَّهُ الْعَظِيمُ

تمہید

بزرگانِ محترم! میرے لئے خصوصیت سے آج بہت ہی مسرت و خوشی کا دن ہے
کہ اس مقدس مجمع میں کہ جس میں اس نواح کے امیرِ شریعت اور دوسرے بزرگانِ دین
تشریف فرما ہیں مجھے ان کی معیت کا بھی شرف حاصل ہوا اور ان کی برکات سے مستفیض ہونے
کا بھی موقع ملا اور دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ ان کی رعیت ہونے کا فخر حاصل ہوا اس
لئے کہ امیرِ شریعت کے سامنے تو سب علیا ہی ہوتی ہے وہ باہر کے ہوں یا اندر کے ہوں۔ بہر حال
ایک رعایا کی حیثیت سے اپنے امیر کی خدمت میں حاضر ہونا ایک مستقل سعادت اور برکت ہے
اسلئے میں چاہتا ہوں کہ اس امارت کے سلسلے میں چند طالبِ علمانہ باتیں آپ کی خدمت میں گذارش
کروں زیادہ دیر تک تو عرض پڑے کہ اس لئے کہ کچھ تو طویل ہوں اور باعتبارِ علم کے قلیل ہوں
اور اسی کے ساتھ ساتھ صبح سے دماغی کاوش کا بار بھی اوپر پڑا ہوا ہے جس وجہ سے تعب اور تکان
بھی پیدا ہو گیا۔ معالجوں کی طرف سے بھی مجھے ہدایت ہے کہ حشرام کے بعد نہ کسی جلسے میں
تقریر کروں اور نہ شرکت کروں لیکن بہر حال بزرگوں کا حکم ڈاکٹروں کے حکم سے زیادہ اوجھا ہے
کیونکہ ڈاکٹر معالجِ جسمانی ہیں اور یہ بزرگانِ دین معالجِ روحانی ہیں اور روح کو جسم پر قدرتی طور پر

فضیلت حاصل ہے اس لئے معالجین روح کا حکم زیادہ واجب الاطاعت ہے
 بر نسبت معالجین جسم کے اس لئے تعیل حکم کے طور پر بھی کچھ عرض کرنا ضروری تھا مگر میں
 زیادہ نہیں لے سکوں گا صرف تھوڑی دیر چند طالب علمانہ باتیں مختصر طور پر گزارش کروں گا
 تعمیر اسلام | پانچ شعبوں پر قائم ہے | اسلام وسیع ترین اور عالمگیر دین ہے اور ساری
 دنیا کی اقوام کے لئے پیغام ہے اور اسکی عہد
 پانچ شعبوں پر قائم ہے گویا اسلام کی پانچ بنیادیں ہیں کہ جس پر اسلام کی تعمیر کھڑی ہے ع
 اعتقادات ع عبادات ع اخلاقیات ع معاملات ع اجتماعیات۔

پہلا شعبہ اعتقادات | پہلا شعبہ اعتقادات کا ہے کہ آدمی کے عقائد درست ہونے
 چاہئیں اور عقیدے کی تین بنیادیں ہیں ع مبادی ع معاد
 ع نبوت۔ مبادی کے معنی یہ ہیں کہ ہم کہاں سے کہاں آتے ہیں۔ ہماری اصل کیا ہے۔ ہم کس
 طرح دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ معاد کا حاصل یہ ہے کہ ہم عمر گزار کر جاتیں گے کہاں اور
 نبوت کا حاصل یہ ہے کہ اس آمد و شد کے درمیان ہم زندگی کیسے گذاریں۔ یہ تین بنیادیں ہیں
 عقائد کی۔ مبادی ظاہرات ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات ہے کہ جس سے ہمیں سستی ملی ہے
 اور وجود ملا ہے اور وہی ہمارے وجود کی اصل ہے اور معاد بھی وہی ہے کہ اسی کی طرف
 لوٹ کر جانا ہے وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَهِيَ ہے کہ جسکی ابتدا
 کی خلقت کی اور وہی ہے جو اپنی طرف خلقت کو لوٹا کر لے جائے گا۔ تو مبادی بھی وہی ہے اور
 معاد بھی وہی ہے اور ہدایت کرنے والا بھی وہی ہے کہ ہم زندگی کیسے گذاریں تو سب سے پہلی چیز
 عقائد ہے کہ جسکی قلب انسانی میں جمع ہو جائے۔ کیونکہ تمام اعمال عقائد ہی کے تابع ہیں۔ عقیدہ
 اگر غلط ہے تو عمل خود بخود غلط ہو جائے گا خواہ آدمی اچھی نیت ہی سے کرے۔ اگر عقیدہ درست
 ہے تو سارے اعمال خود بخود صحیح ہو جائیں گے جب اعمال صحیح ہوں گے تو احوال بھی صحیح
 ہوں گے اور جب احوال صحیح ہوں گے تو انجام بھی صحیح ہو جائے گا تو ابتداء سے انتہا تک انسان
 عقائد کی صحت کی بنا پر صحیح ہو گا۔ اسلئے سب سے بڑی بنیادی چیز اسلام میں عقائد کا درجہ ہے جو
 قلب کے اندر پیوست کیا جاتا ہے۔

دوسرا شعبہ عبادات کا ہے کہ ان عقائد کے تحت اللہ کو کس طرح سے یاد کیا جائے عبادت کس طرح سے کی جائے۔ عبادت

کے معنی ہیں غایت تذلل یعنی معبود کے سامنے ایسی ذلت اختیار کر لینا جس کے بعد ذلت کا کوئی درجہ باقی نہ رہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ کی عزت لا محدود ہے کوئی عزت کا درجہ نہیں جو اس کی ذات میں موجود نہ ہو اس کے یہاں عزت کامل ہے اسی لئے اس کے یہاں ذلت کامل عیسائی ایسی ذلت پیش کرنی چاہیے کہ اس کے بعد ذلت کا کوئی درجہ باقی نہ رہے کہ آدمی اس کے سامنے ذلیل نہ ہو جائے۔ تو عبادت کا مطلب یہ ہے کہ اس عزیز مطلق کے سامنے ذلیل مطلق بن جائے۔ اس کی عزت کسی حد پر رُکی نہیں۔ ہماری ذلت کسی حد پر رُکی ہوئی نہ ہو اور یہ غایت تذلل اور انتہائی ذلت اللہ کے سامنے اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ آدمی میں انتہائی محتاجی ہو کیونکہ غنی کسی کے سامنے نہیں جھک سکتا ہے۔

آنکھ شیراں را کندرو باہ مزاج

احتیاج است احتیاج است احتیاج

جو شیروں کو بھی لومڑی بنادے وہ حاجت مند ہے۔ غنا کے ساتھ کوئی کسی کے آگے نہیں جھک سکتا ہے حق تعالیٰ شانہ غنی مطلق ہیں رفیع المرتبت ہیں انسان اس کے سامنے ذلیل مطلق ہے اس کا کام ان کے سامنے ہر وقت جھکنا ہے کہ دل سے بھی جھکے۔ روح سے بھی جھکے۔ بدن سے بھی جھکے قول سے بھی جھکے فعل سے بھی جھکے ہر اعتبار سے اپنی ذلت و پستی کا اظہار کر دے۔ یہ ہے عبادت عبادت کے معنی فقط نماز روزہ کے نہیں ہیں بلکہ قانون اسلام کے تحت ذلت کے ساتھ اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے وہ اگر کہیں کہ گھر میں فلاں کام کرو تو ہمارا فرض ہے کہ اسی طرح کریں۔ وہ اگر فرمائیں کہ مسجد میں جاؤ تو ہمارا فرض ہے کہ مسجد میں جاویں اگر وہ کہیں کہ تخت سلطنت پر امیر شریعت بن کر بیٹھ جاؤ۔ ہمارا فرض ہے کہ امیر بن کر بیٹھ جاؤں اگر وہ کہیں کہ غلام بن جاؤ فلاں کے تو ہم غلام بننے کو تیار ہیں تو اظہار ذلت کے یہ معنی ہیں کہ عمل سے قول سے فعل سے حال سے۔ چال سے۔ ہر اعتبار سے آدمی اپنی پستی اپنی احتیاج اور اپنی حاجت مندی کا اظہار کر دے۔ اسی کا نام عبادت ہے۔

تیسرا شعبہ

تیسرا شعبہ اخلاقیات کا ہے۔ عبادات اور عقیدہ درست نہیں ہو سکتا

ہے جب تک کہ قلب کی حالت درست نہ ہو اور قلب محل اصل

ہے لہذا جب تک اخلاق انسانی صحیح نہ ہوں گے یعنی جب تک صبر نہ پیدا ہو حیا نہ پیدا ہو شکر

نہ پیدا ہو سخا نہ پیدا ہو۔ شجاعت نہ پیدا ہو۔ توکل علی اللہ نہ پیدا ہو۔ امانت الی اللہ نہ پیدا ہو۔

یہ ملکات جب تک ذہن میں نہ جمیں گے عقیدہ درست نہ ہوگا۔ اور جب تک عقیدہ درست

نہ ہوگا تو غسل درست نہ ہوگا اور عبادات درست نہ ہوگی تو مودار اگر ٹھہر جاتا ہے اخلاق پر اسی

لئے اسلام میں اہم ترین شعبہ اخلاق کا ہے لہذا اخلاق کی تربیت کی جاتے۔ اخلاق کو بلندی پر

پہنچایا جاتے۔ اور انسان جلی طور جو بد اخلاقیوں کے روگ لگے ہوتے ہیں یہ دور کر کے پاکیزہ

اخلاق سے بدلا جاتے جلی طور پر انسان میں حرص بھی ہے بخل بھی ہے حسد بھی ہے بکرو عیونت

بھی ہے یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو انسان کو مخلوق کے آگے ذلیل کرتی ہیں ان کو نکال کر کبر کے

بجائے تو اضع پیدا کی جاتے۔ بخل کے بجائے سخاوت پیدا کی جاتے خود غرضی کے

بجائے ایشیاء پیدا کیا جاتے۔ جو س رانی کے بجائے قناعت کا جذبہ پیدا کیا جاتے جب

یہ اخلاق درست ہوں گے تو عقیدے درست ہوں گے پھر اعمال درست ہوں گے

اور جب اعمال درست ہوں گے تو انجام درست ہوگا پھر زندگی بھی صحیح ہو جائے

گی اور موت بھی صحیح ہو جائے گی اسلئے اسلام میں اہم ترین شعبہ اخلاقیات کا ہے۔

چوتھا شعبہ معاملات

چوتھا شعبہ معاملات کا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے کس طرح

برتاؤ کریں۔ معاملات میں نزاع ہو۔ جھگڑا ہو۔ اس کا سلحاؤ

کس طرح سے۔ ہم ایک دوسرے سے جھگڑنے پر آمادہ ہو جائیں تو اس کا فیصلہ کس طرح

سے کریں۔ بین دین کس طرح سے ہو۔ قرض ادھار کے طریقے کیا ہوں گے۔ امانت رکھنے

کے طریقے کیا ہیں اور ادائیگی کے طریقے کیا ہیں۔ اجارہ کے احکام کیا ہیں اور زمین کے

احکام کیا ہیں۔ تو معاملات کا شعبہ بھی ایک اہم شعبہ ہے جس میں ایک انسان کو دوسرے

انسان سے واسطہ پڑتا ہے۔ اگر دیانت نہ ہو۔ امانت نہ ہو۔ لازمی طور پر دنیا میں فساد پیدا ہوگا

اور جب فساد پیدا ہوگا تو بد امنی پیدا ہوگی۔ جب بد امنی پیدا ہوگی تو نہ جان کی خیر رہے گی

نہ مال کی خیر رہے گی ہر شخص غیر مطمئن رہے گا۔ پریشان رہے گا اضطراب اور بے چینی قلب کا جوہر بن کر رہ جائے گا۔ اسی لئے معاملات کی صحت اور خوبی یہ بھی اہم ترین شعبہ ہے اسلام کا۔

پانچواں شعبہ اجتماعات | پانچویں چیز اپنی قومیت کو سنبھالنا ہے یعنی اجتماعی حالت کو درست کرنا ہے کہ قوم میں اجتماعی طور پر ایک تنظیم ہو۔ قوم ایک نظم کے تحت زندگی گزارے۔ بد امنی نہ ہو کہ ایک کا رخ ادھر ہو اور ایک کا رخ ادھر ہو۔ ایک مشرق کو جا رہا ہے اور ایک مغرب کو جا رہا ہے یا ایک ادھر سے اُ رہا ہے اور ایک ادھر سے اور دونوں اگر ٹکرائیں آپس میں اور جھگڑیں اور خونم خون ہوں، بلکہ ایک نظم کے اندر پوری قوم جڑی ہوئی ہو۔ ایک نظام کے تحت چل رہی ہو۔ ہر ہر چیز اپنے محل کے اوپر قائم ہو۔ یہ پانچ شعبے ہو گئے ہیں۔ اعتقادات، عبادات، اخلاقیات، معاملات اور اجتماعات۔ ان پانچ شعبوں کو علماء کے ایک ایک طبقے نے سنبھالا ہے اور لاکھوں علماء ایک شعبے کو سنبھالنے کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں۔ انہوں نے سنبھالا اور اپنا فرض منصبی پورا کیا۔

حکماء متکلمین | اعتقادات کو سنبھالنے اور ان کو ثابت کرنے کے لئے حکماء اسلام کا ایک طبقہ کھڑا ہوا جنہیں متکلمین کہتے ہیں۔ انہوں نے عقلی اور نقلی انداز سے عقائد کو حق ثابت استدلال سے عقائد کا فطری ہونا ثابت کیا کہ سب عقیدے فطرت کے مطابق ہیں۔ کوئی عقیدہ فطرت کے خلاف نہیں ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ عقل کے خلاف ہو اور اسلام میں اس کو زبردستی ٹھونس دیا گیا ہو بلکہ فطرت تقاضا کرتی ہے کہ یہ ہی عقیدہ ہونا چاہیے فطرتیں مطمئن ہیں کہ یہ ہی عقیدہ درست ہے۔ ان حکماء اسلام نے حسی، عقلی، نقلی، فطری۔ ہر طریقے سے ثابت کر دکھایا۔ ایک ایک عقیدے کے لئے ہزار ہا دلائل قائم کئے اور اس سلسلے میں بڑی بڑی ضخیم ضخیم، عظیم عظیم کتابیں لکھی گئیں اور عقائد مضبوط ہو گئے حجت دہر بان سے۔ اس لئے کوئی قوم کامیاب نہیں ہو سکتی ہے نہ مسلمانوں کے سامنے ورنہ ان کے عقائد کے سامنے۔ اللہ جزا خیر دے متکلمین حکماء اسلام کو کہ انہوں

نے اس سلسلہ میں خدمت کی اور اس دائرہ اعتقادات کو سنبھالا اور ثابت کر کے دکھایا کہ حق یہی ہے جو اس کے خلاف ہے وہ باطل ہے۔

فقہائے اسلام

دوسرا شعبہ عبادات کا ہے اس کو سنبھالا ہے فقہائے اسلام نے اور ائمہ مجتہدین نے اور پھر ان کے نیچے دوسرے ائمہ کھڑے ہو گئے اور فقہ کے بڑے بڑے اکابر نے اس کو مدقون کیا اور مرتب کیا۔ باب دار فضل دار مسائل مقرر کئے۔ اپنی ترتیب کے ساتھ مسائل کو ترتیب دیا۔ ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھی گئیں اور فقہ ایک مستقل فن بن گیا جس کے اندر ہزار ہا فروغ داخل ہوئیں۔ ائمہ اجتہاد نے اپنے تفرقہ کے اصول سے قرآن و حدیث سے مسائل کا استخراج کیا خود مسائل کو نکال کر پیش کیا اگر کہیں اصول تفرقہ میں اختلاف ہو تو فرعی مسائل میں بھی اختلاف ہوا مگر سب ائمہ ہیں دین حق پر ہی اور حق ان میں دائرہ سائر ہے۔ اگر امام ابو حنیفہ۔ امام شافعی۔ امام مالک و امام احمد بن حنبل میں اختلافات ہیں تو وہ حق و باطل کے نہیں کہ ایک سمت حق ہو اور ایک سمت باطل ہو۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ خطا اور صواب کے اختلافات ہیں کہ ایک طرف صواب ہے اور ایک طرف خطا ہے لیکن ساتھ میں یہ تید بھی لگی ہوئی ہے کہ یہ صواب ہے مگر احتمال ہے کہ خطا بھی ہو اور یہ خطا ہے مگر احتمال ہے کہ صواب بھی ہو۔ اسی لئے حق دائرہ سائر ہے تمام ائمہ کے اندر اور تمام کے تمام نجوم ہدایت ہیں جس کا دامن آپ تمام لیں گے انشاء اللہ نجات ہو جائے گی اگر کوئی شافعی مسلک ہے تو وہ بھی نجات یافتہ ہے۔ اگر کوئی حنفی ہے تو وہ بھی نجات کے مراتب ملے کر رہا ہے اور اگر کوئی مالکی یا حنبلی ہے تو وہ بھی نجات کے راستے پر جا رہا ہے اور سب اللہ و رسول کی طرف دوڑ رہے ہیں اس لئے کہ بنیاد سب کی ایک ہے وہ ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ البتہ استخراج مسائل میں اصول الگ الگ ہو گئے ہیں اور یہ خود شریعت کی حکمت ہے اس لئے کہ ائمہ اختلاف سے امت کے اندر آسانیاں پیدا ہو گئیں ہیں اتنے راستے نکلی آئے ہیں کہ جو جس ذوق کا ہے اسی راستے پر چل کر حق کو پا سکتا اگر ایک دیر یا ہو اور بہت بڑا یا جوڑا تھا سمند ہو لیکن پانی پینے کا گھاٹ ایک ہی ہو تو لوگ ہزاروں میل سے سفر کر کے آئیں گے جب ہی پانی مل سکتا ہے ورنہ پانی سے محروم رہیں گے لیکن دیر یا اگر ایسا ہے کہ ہزاروں مشرب

اور گھاٹ موجود ہیں جس سمت سے آئے وہی پانی۔ وہی مزہ۔ وہی ذائقہ ہے صرف سمت بدل
 ہوئی ہے ایک مشرق کی طرف ہے ایک مغرب کی طرف ہے تو کچھ آسانی کی دریا بڑا ہے اور مشرب
 اور گھاٹ بہت ہیں ہر طرف سے پانی مل سکتا ہے تو اسلام ایک انتہاء سمندر ہے اس کے مشرب
 بہت ہیں۔ ایک مشرب حنفی ہے اور ایک مشرب مالکی ہے۔ ایک مشرب حنبلی ہے اور ایک
 مشرب شافعی ہے۔ اور یہ چار آئمہ وہ ہیں کہ حسن تدبیر کہتے یا تقدیر خداوندی کہتے کہ چار مذہب
 دنیا کے اندر رائج ہو گئے درنہ انہما اجتہاد سیکڑوں پیدا ہوئے۔ امام بخاری خود مجتہد ہیں۔ عبداللہ
 بن مبارک خود مجتہد ہیں۔ حماد بن سلمہ خود مجتہد ہیں۔ سفیان ثوری مجتہد ہیں۔ سفیان بن عیینہ مجتہد
 ہیں۔ ہر ایک کا فقہ الگ الگ۔ لیکن یہ خدا کی طرف کی بات ہیں کہ بقیہ فرقہ مندرس ہو گئے
 اور باقی نہ رہے اور یہ چار فقہ دنیا کے اندر رائج ہو گئے

امام ابو حنیفہ | کوفہ میں پیدا ہوئے خراسان کی طرف ان کا فقہ چلا تو پورا خراسان حنفی۔ پورا
 افغانستان حنفی۔ ہندوستان کا اکثر حصہ حنفی۔ پورا ترکستان حنفی جہاں
 جہاں ان کا فقہ پھیلا وہاں وہاں حنفی ہو گئے چونکہ اللہ و رسول کی محبت انتہا پر تھی اسی لئے آدہ
 بھی بے حد تھا چنانچہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے مدینہ منورہ
 روزہ اقدس پر بھی حاضری دی تو سات دن کے بعد واپسی کا ارادہ کیا مگر تمام اہل مدینہ سر
 ہو گئے کہ ہم نہیں جانے دیں گے جب سارے مصر ہو گئے تو ٹھہر گئے دس دن ہو گئے
 تو پھر اجازت چاہی مگر اہل مدینہ نے پھر گھیر ڈال یہ کہ ہم بھی اجازت نہ دیں گے گیارہویں
 دن آپ نے فرمایا کہ اب مجھ میں طاقت نہیں ہے اپراہل مدینہ نے معلوم کیا کہ نا طاقتی کی کیا بات
 ہے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ جبکہ مدینہ میں آئے ہیں استنجاء نہیں فرمایا ہے نہ پیشاب نہ پاخانہ
 نہ کہ مناسب نہیں مدینہ کی ارض مقدس کو نجاست سے آلودہ کرنا اس لئے اب میرے
 اندر طاقت نہیں تو پھر اہل مدینہ نے خود باعزت و احترام رخصت کیا یہ تھا آئمہ کا ادب و احترام
 کہ جتنی محنت غالب تھی ان حضرات میں اتنا ہی ادب و احترام تھا۔

امام شافعی | آپ کی پیدائش ہوئی مصر میں مقام غزا میں ابتدائی زمانہ مصر میں گذرا
 اور عمر کا اکثر حصہ حجاز میں گذرا اور عمر کا آخری حصہ بھی مصر میں گذرا مصر میں

ہی وفات بھی ہوئی۔ مصغر تقریباً سب کا سب شافعی مسلک ہے مجاز میں بھی تقریباً سب فقہ شافعی پر چل رہے ہیں محبت و ادب میں ان کا بھی وہی حال تھا جو دیگر ائمہ کا ہے خوف و خشیت غالب محبت غالب اور تقویٰ ادنیٰ درجے کا۔

امام مالک رحمہ اللہ | امام دارالبجۃ کے لقب سے طقب ہیں مدینہ سے ان کو شغف تھا اور مدینہ کے ذرہ ذرہ سے ان کو محبت تھی اور ادب کا یہ حال تھا کہ مدینہ شہر میں کبھی جو تہہ بن کر نہ چلے اس کے معلوم نہیں کہاں حضور کا قدم مبارک پڑا ہو اور وہاں میرا جونا گزرے اور مدینہ منورہ میں کبھی پاخانہ پیشاب بھی نہیں کیا بلکہ اسکے لئے مدینہ منورہ سے کئی میل دور نکل جاتے تھے یہ ادب تھا اور تمام ائمہ میں اسی طرح سے ادب کی اتہار تھی۔ مدینہ منورہ کو ہی اپنا وطن قرار دیا اور وہیں ہجرت فرمائی انکی تمنا یہ تھی کہ مجھے مدینہ کی زمین قبول کر لے اور میں وہیں دفن ہو جاؤں۔ نفلی حج بھی نہیں کرتے تھے اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں باہر میری وفات نہ ہو جاتے اور میں مدینہ کی زمین سے الگ ہو جاؤں۔

امام مالک رحمہ اللہ | امام مالک نے ایک روز خواب دیکھا کہ بنی کریم کا دربار مبارک قائم ہے اور امام مالک حاضر ہیں عرض کیا یا رسول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ مدینہ کی زمین مجھے قبول کر لے اور مجھے معلوم ہو جائے کہ میری عمر کتنے دن باقی ہیں۔ سال ہے یا دو سال ہیں تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے اور میں عمرہ کر آؤں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ حضور نے اس طرح سے ہاتھ اٹھایا کہ پانچوں انگلیاں کھلی ہوئی تھیں۔ اب امام مالک حیران ہیں کہ پانچ انگلیاں آپ نے اٹھائی ہیں تو آیا یہ مطلب ہے کہ پانچ دن باقی ہیں میری عمر کے۔ یا پانچ مہینے یا پانچ برس ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ امام مالک نے ہم عصر امام احمد بن حنبلہ سے کہا کہ میں اور خواب کی تعبیر یاد انہوں کے مستقل کتاب میں لکھی ہیں۔ جلیل القدر امام ہیں اور ایسی تعبیر دیتے تھے کہ ہاتھ کے ہاتھ تعبیر واقعات کی صورت میں ظاہر ہوتی تھی ان کو یہ مناسبت تعبیر سے تھی۔ اس قسم کے ان کے بہت سے واقعات ہیں۔ تو امام مالک نے ایک شخص سے کہا کہ تم جا کر ابن یسرین سے میرا خواب بیان کرو مگر میرا نام مت لینا۔ یہ کہنا کہ مدینہ میں رہنے والے ایک شخص نے یہ خواب دیکھا ہے اسکی تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ وہ

شخص وہ حاضر ہوا اور انس بن سیرین سے کہا کہ مدینہ کے ایک شخص نے یہ خواب دیکھا ہے
 کہ اس نے حضور سے یہ دریافت کیا کہ میری عمر کے کتنے دن باقی ہیں تو حضور نے ہاتھ اٹھا دیا اب
 سمجھ میں نہیں آتا کہ پانچ دن مراد ہیں یا پانچ مہینے یا پانچ برس مراد ہیں۔ ابن سیرین نے فرمایا کہ یہ
 خواب تو بہت بڑا عالم دیکھ سکتا ہے جاہل کا کام نہیں کہ اس قسم کا خواب دیکھے اور نہ جاہل کو حضور
 یہ جواب دے سکتے ہیں۔ یہ جواب تو بڑے عالم کو ہی دے سکتے ہیں اور مدینہ میں اس وقت
 امام مالک سے بڑا کوئی عالم نہیں تو کہیں یہ خواب امام مالک نے تو نہیں دیکھا اب وہ شخص خاموش
 کیونکہ اُسے تو ردک دیا گیا تھا کہ میرا نام مت لینا انس کہہ کہ اچھا مجھے اجازت دیکھئے کہ میں اُن سے
 اجازت لے آؤں فرمایا ہاں اجازت لیکر آجاؤ۔ پھر ہم خواب کی تعبیر تلاش گئے۔ وہ گیا اور جا کر
 عرض کیا کہ حضرت وہ تو پہچان گئے کہ یہ خواب دیکھنے والے آپ ہیں اور نام بھی لے دیا مگر یہ
 کہا کہ پوچھ کر آجاؤ پھر تعبیر بتاؤں گا فرمایا کہ اچھا جاؤ میرا نام لے دینا کہ مالک بن انس نے یہ
 خواب دیکھا ہے۔ اس شخص نے جا کر عرض کیا کہ حضرت امام مالک نے ہی یہ خواب دیکھا ہے۔
 ابن سیرین نے فرمایا ہاں امام مالک ہی یہ خواب دیکھ سکتے ہیں دوسرے کی مجال نہیں کہ وہ یہ
 خواب دیکھے۔ فرمایا کہ حضور نے پانچ انگلیاں اٹھائیں۔ اس نے پانچ دن مراد ہیں نہ پانچ مہینے
 نہ پانچ برس مراد ہیں بلکہ اشارہ ہے اس طرف ہے کہ حییٰ خُشٌّ لَا یَعْلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ
 یعنی یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے
 کہ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِآتِیْ اَرْضٍ تَمُوتُ کِیْ کو پتہ نہیں کہ میرا انتقال کس نے
 پر ہو گا اور میں کہاں دفن ہوں گا اور کیا وقت ہے میرے انتقال کا قرآن کریم کے اندر فرمایا گیا
 کہ اصول غیب کے پانچ ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَ کَ
 عِلْمِ السَّاعَةِ وَیَنْتَزِلُ الْعِثَّتْ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاُمْنِ حَامِدٌ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ
 مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِآتِیْ اَرْضٍ تَمُوتُ اس کے نظام کو صرف اللہ
 جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ کسی کو پتہ نہیں حالانکہ قیامت کا عقیدہ قطعی ہے قرآن سے
 ثابت ہے ہر مسلمان کا ایمان ہے مگر وقت کا پتہ کسی کو نہیں ہے حتیٰ کہ نبی کریم کو بھی پتہ نہیں چنانچہ
 جبریل امین نے آپ سے پوچھا مَتٰی السَّاعَةُ یَا نَبِیُّ اللّٰہِ قیامت کب آئے گی فرمایا

مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ آپ نے فرمایا کہ اس بارے میں سوال کرنے والے سے زیادہ مجھے علم نہیں ہے ہاں یہ مجھے معلوم ہے کہ قیامت آئے گی مگر یہ مجھے معلوم نہیں کہ کب آئے گی۔ یہ اللہ کے ساتھ مخصوص ہے تو امام ابن سیرین نے فرمایا کہ یہ خواب امام مالک ہی دیکھ سکتے تھے خواب بھی علمی ہے جواب بھی علمی ہے اور حدیث کی طرف اشارہ ہے امام مالک ہی اس کے مخاطب بن سکتے ہیں۔ ابن سیرین نے اس آدمی سے فرمایا کہ امام مالک سے کہہ دینا کہ حضور کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ موت کہاں آئے گی۔ کس زمین میں آئے گی اس کا علم ان پانچ چیزوں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ امام مالک یہ جواب سن کر مطمئن ہو گئے اور پھر گھر سے نہیں نکلے یہاں تک کہ وفات ہو گئی اور مدینہ کی زمین نے قبول کیا اور جنت البقیع میں خزا رہے جو ہر مسلمان کے لئے زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔ تو بہر حال امام مالک امام دارالہجرتہ ہیں اور زیادہ تر ان کا فقہ مغربی ممالک میں پھیلا ہوا ہے جو عرب کے مغربی حصے میں ان میں زیادہ تر مالکی آباد ہیں۔

امام احمد بن حنبل | حنبلی ہیں اور وہاں فقہ حنبلی پر عمل ہے۔

تمام ائمہ حنفی ہیں | تمام ائمہ برحق ہیں جس کا دامن تمام لوگ انشاء اللہ نجات ہو جائے گی۔ یہ سب حضرات حنفی ہیں۔ ان بزرگوں نے اپنے اصول فقہ سے اور اپنے اجتہاد سے کتاب و سنت سے مسائل اخذ کئے اور مسائل نکال کر دین کو باغ و بہار بنا دیا اور ایک لاء اور قانون کی صورت میں فقہ کو مرتب کیا جن کے ابواب الگ الگ ہیں باب الافاضات باب المعاملات۔ باب المساقات۔ باب المناورۃ۔ باب الاراضی وغیرہ۔ سارے مسائل ان ابواب کے نیچے جمع ہیں۔ ساری چیزیں استخراج کر کے جمع کر دی ہیں ان کا بھی اہمیت پر احسان عظیم ہے اللہ تعالیٰ ان کو جزاء خیر دے اور ان کے مقابر کو نور سے منور فرمادے اگر یہ استخراج ذکر تے تو اتنی جزئیات ہمارے پاس فقہ میں موجود نہ ہوتیں بڑی دقت اور دشواری پیش آجاتی۔

عرفاء اسلام | ان کا دوسرا نام صوفیاء کرام ہے ان حضرات نے اخلاقیات کو سنبھالا ہے اس طرح یہ کہ بال کی کھال نکال کر انسانوں کے سامنے پیش کر دی روح کی حکمت بیان کی در بتایا کہ غصہ میں اتنی مکاریاں ہیں ان کا توڑ یہ ہے اگر نفس میں یہ کید

پیدا ہوتا اسکی کاٹ یہ ہے اور نفس میں یہ خواہش پیدا ہوتا ہے کہ دفعیہ یہ ہے اور کوئی رغبت اور تمنا پیدا ہوتا اسکی کاٹ یہ ہے اور اگر یہ تدبیر اختیار کریں تو شیطان پاس تک نہیں آسکتا ہے۔ یہ ان حضرات صوفیاء ہی کا طفیل ہے کہ حکمت قلب کی انہوں نے تعلیم دی اور انہوں نے دلوں کو منور کیا اخلاق سے اور ان ہی اخلاق کے ذریعہ تزکیہ نفس کیا اور انسان کو انسان بنایا

اُمراء اسلام | انہوں نے شعبہ معاملات کو سنبھالا۔ بین دین اور جھگڑوں کے فیصلوں پر امراء اسلام مقرر ہوتے۔ دنیا بھر کے جھگڑے نمٹاتے۔ لوگوں کے مقدمات فیصل کئے فوجداری کے الگ دیوانی کے الگ ہر ہر دائرے کے مقدمات سنبھالے اور اس پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ حافظ ابن تیمیہ کی کتاب ہے التبیان فی الشرعیۃ۔ اور اسی طرح بہت سے ائمہ علوم نے کتابیں لکھی ہیں۔ کسی نے سیاست کے اصول واضح کئے فصل خصومات کے مقدمات کو فیصل کرنے کے لئے اسلئے ان اُمراء اسلام نے بہت اونچا کام کیا ہے کہ اس شعبہ کے حقائق کو واضح کیا ہے فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

خلفاء اسلام | اس پانچویں شعبہ کو سنبھالا ہے خلفاء اسلام نے جیسے صدیق اکبر فاروق اعظم و غیرہ حضرات درحقیقت و مقرر دار تھے ملک کے نظام کے اور تنظیم ملت اور تنظیم امت کے ان حضرات نے پوری امت کو اور مغرب و مشرق کے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پر دیا تھا کہ آپس میں لڑیں نہ جھگڑیں۔ نہ تعصبات برتیں نہ آپس میں گالم گلوچ کریں نہ سب و شتم کریں اگر کسی کو شبہ ہو تو محبت سے پیش کر دیں دوسرا محبت سے جواب دے اگر کچھ میں نہ آئے تو اسے معذور سمجھیں اور یہ خیال کرے کہ ممکن ہے میں ہی غلطی پر ہوں۔ دوسرا حق پر ہو۔ یہ کہنا کہ میں ہی حق پر ہوں دوسرا غلطی پر ہے رائے دہی کے معاملہ میں بالکل غلط چیز ہے۔

ایک پرمغز نصیحت | سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے ایک خلیفہ کو غلط غایت فرمائی اس زمانے کے دستور کے مطابق بگڑی باز صی اور کچھ وصیتیں کیں اور کہہ دیا کہ تم میری طرف سے نائب اور خلیفہ ہو جا کر لوگوں کی تربیت کرو

اصلاح کرو۔ ان خلیفہ نے رخصت کے وقت عرض کیا کہ حضرت کچھ نصیحت فرمائیے تاکہ میں اس نصیحت پر کاربند رہوں حضرت نے دو باتوں کی نصیحت فرمائی اور فرمایا کہ نہ تو نبوت کا دعویٰ کرنا اور نہ خدائی کا دعویٰ کرنا۔ خلیفہ یہ سن کر حیران و پریشان ہوئے کہ حضرت آپ کا خادم غلام برسوں آپ کی صحبت میں رہا کیا مجھ سے یہ ممکن ہے کہ میں خدائی کا دعویٰ کروں جو جہنمی کے غلاموں کا غلام ہو وہ کب نبوت کا دعویٰ کرے گا

تو حضرت نے یہ کہیں نصیحت فرمائی۔ نصیحت فرماتے کہ بھائی عبادت میں ثابت قدم رہنا۔ اخلاق کی حفاظت کرنا۔ مخلوق کی اصلاح کرنا اور یہ کہ خدائی کا دعویٰ نہ کرنا۔ نبوت کا دعویٰ مت کرنا یہ تو ہم لوگوں سے ممکن ہی نہیں۔ اس نصیحت سے کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ فرمایا کہ اس کے معنی سمجھ لو پھر بات سمجھ میں آجائے گی۔

دعویٰ خدائی کا مطلب فرمایا کہ خدا کی ذات وہ ہے کہ جو کہہ دے وہ اٹل ہو اگر وہ چاہے کہ زمین بنے تو زمین بن کر رہے۔ یہ ناممکن ہے کہ نہ بنے ارادہ خداوندی پر مراد کا مرتب ہونا قطعی اور لازمی ہے یہ ناممکن ہے کہ حق تعالیٰ ارادہ فرمائیں اور وہ پورا نہ ہو وہ تو قادر مطلق ہے اِذَا أَمَرْنَا شَيْئًا أَنْ يَكُنْ فَكَانَ اگر وہ ارادہ کرے کہ جہان بنے تو اسے محنت کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ اسباب فراہم کرے وہ اسباب کے محتاج نہیں۔ اسباب کے توہ فاقی ہیں وہاں تو منشا رہے کہ ہو جائیں وہ ہو جاتی ہے تو اللہ کی ذات وہ ہے کہ جو وہ ارادہ کرے اور کہہ دے وہ اٹل ہو ملنے والی چیز نہ ہو۔

دعویٰ نبوت کا مطلب اور دعویٰ نبوت کے معنی یہ ہیں کہ نبی کی شان یہ ہے کہ جو وہ فرمادے وہ حق ہو۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ نبی کی زبان سے کوئی ناحق چیز نکلے جو نبی فرمائیں گے وہ حق ہو گا اور جو کر کے دکھائیں گے وہ بھی حق ہو گا۔ ناحق کا وجود نبی کے ساتھ ممکن نہیں ہے نبی جو کہے گا وہ حق ہو گا اور اس کے خلاف باطل ہو گا نبی کی جانب خلاف کبھی حق نہیں ہو سکتی ہے۔ اگر تم نے جا کر یہ کہا کہ جو میں کہہ رہا ہوں وہی حق ہے اور میری رائے اتنی حق ہے کہ کوئی دوسرا سامنے نہیں آسکتا ہے تو یہ درپردہ نبوت کا دعویٰ ہو گا۔ میں تم کو اسی کی نصیحت کرتا ہوں کہ یہ دعویٰ نہ کرنا نبوت کا دعویٰ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم لوں

کہو کہ میں نبی ہوں ہوں۔ بلکہ اپنے اندر خاص وہ شان پیدا کر کے جو نبی کے اندر ہوتی ہے یوں کہے کہ جو میں کہہ رہا ہوں ہی حق ہے اس کے خلاف سب باطل ہے اس چیز کا مدعی بننا درپردہ نبوت کا دعویٰ ہے۔ اور جو یوں کہے کہ جو میں نے ارادہ کر لیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے مخلوق کٹ جائے خون بہہ جاتے مگر یہ ہو۔ یہ درپردہ خدائی کا دعویٰ ہے۔ یہ خدا کا کام ہے کہ جو وہ ارادہ فرمائے وہ اٹل ہو تو میں نے جو یہ کہا ہے کہ خدائی کا دعویٰ نہ کرنا اس کا یہ مطلب ہے کہ اپنے ارادے کو یوں مت سمجھنا کہ یہ اٹل ہے اور ہونا ہی چاہیے اور اس کے خلاف ممکن نہیں حالانکہ ہر چیز میں تمہارا خلاف ممکن ہے یہ تو ہوا دعویٰ خدائی کا حاصل اور دعویٰ نبوت کا حاصل کہ جو تمہاری زبان سے نکل جاتے اس پر جسے رہو گویا کہ اس کے خلاف باطل ہے عطا لک یہ ناممکن ہے وہ خدا کا مقام ہے اور یہ نبی کا مقام ہے۔ کو حضرت کریمؐ نے بڑے بلیغ پیرائے میں نصیحت فرمائی۔ ظاہر میں تو بڑی وحشت ناک نصیحت تھی کہ خدائی کا دعویٰ نہ کرنا نبوت کا دعویٰ مت کرنا۔ مگر جب نبیؐ بیان کئے خدائی اور نبوت کے تو کچھ میں آگیا۔ معلوم ہوا کہ بہت سے آدمی درپردہ خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور بہت سے لوگ جو موجود کرتے ہیں کہ وہی صحیح ہے جو ہم کہہ رہے ہیں وہ درپردہ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں در نہ ان پر کوئی نیا الہام آ رہا ہے کہ وہی حق کہہ رہے ہیں دوسرا حق کہہ ہی نہیں سکتا ہے۔ وہ مسئلہ جو قرآن و حدیث سے ثابت شدہ ہے اس کے بارے میں تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہی حق ہے اس کے خلاف ہرگز نہیں۔ ہاں اپنی رائے اور فکر کے بارے میں یہ کہیں کہ یہ ہی حق ہے یہ نہیں ہونا چاہیے۔

فصل خصوصیات تنظیم امت پر مخصصہ

ان جھگڑوں کا فیصلہ جب ہی ہو سکتا جب امت کا نظام بنا ہوا ہو پھر اس قسم کے مدعی مغلوب ہو جائیں گے اور واقعی جو حقانی لوگ ہیں وہ غالب ہوائیں گے یہ کام ہے نظام و تنظیم کا جب تک تنظیم نہ ہو نظام نہ ہو اسوقت تک معاملہ نہیں سلجھ سکتا ہے اس خدمت کو انجام دیا ہے خلفاء اسلام نے یہی درحقیقت ملک کے نظام اور تنظیم ملت کے دائرہ دار تھے ان ہی حضرات نے امت کو جوڑا ہے اور ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا ہے۔

پانچوں طبقے ہمارے نزدیک واجب التحظیم ہیں | خلفاء اسلام نے تنظیم ملت کی

ذمہ داری قبول کی۔ امراء اسلام نے جھگڑوں اور فیصلوں کو نمٹایا اور عرفاء اسلام نے اخلاق درست کئے اور فقہاء اسلام نے عبادات کو صحیح کیا اور حکماء اسلام نے عقائد کو درست کیا یہ پانچ طبقے اکابر اہل اللہ کے ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے جنہوں نے ان پانچ شعبوں کو مضبوط کیا اور مضبوط بنیادوں پر کیا کیا اور امت کے سامنے پیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بات اور سمجھ لینی چاہیے یہ کہ یہ ایک مقدمہ ہوا تفصیل اس میں بہت ہے مگر میں زیادہ تفصیل نہیں کر سکتا ہوں اسی لئے میں نے ایک لفظ کہا تھا کہ طالب علمانہ انداز میں کہوں گا یہ تو محض طالب علمانہ انداز ہے جو درس و تدریس میں طالب علموں کے سامنے کہا جاسکتا ہے اگرچہ آپ عرفی طور پر طالب علم نہیں ہیں مگر حقیقتہً تو طالب علم ہیں ورنہ جلسہ میں کیوں آتے علم کی طلب ہی تو آپ کو لے کر آئی ہے آپ بھی طالب علم ہیں اور میں بھی ایک طالب علم ہوں اور آپ کے کم رتبہ ہوں۔ تو کم از کم درس و تدریس بھی مگر کچھ تو سمجھ جائیں گے تھوڑی بہت بات۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ اتنی بات تو آپ سمجھ گئے ہوں گے جو میں نے کہی ہے کہ پانچ شعبے ہیں اور ان پانچ شعبوں کو پانچ طبقات نے اٹھایا ہے اور وہ طبقے سب کے نزدیک معظم و مکرم ہیں اسلئے امراء اسلام بھی ہماری ایک آنکھ

اور فقہاء اسلام بھی ہماری ایک آنکھ ہیں اسی طرح عرفاء اسلام بھی ہماری ایک آنکھ ہیں اور خلفاء اسلام بھی ہماری ایک آنکھ ہیں تو آدمی اپنی کس آنکھ کو چھوڑے سب کو یکساں طور پر ہم کو اپنے سر پر رکھنا پڑے گا اسی بنا پر سب ہمارے نزدیک معظم و مکرم ہیں سب کے آگے گردن جھکنا ہمارا کام ہے اگر کوئی شخص محدث کے آگے گردن جھکا دے اور فقہاء کے خلاف کرے وہ درحقیقت امتی ہونے کا ثبوت نہیں دے رہا ہے امت کا صحیح فرد وہ ہے کہ حکماء فقہاء صوفیاء عرفاء۔ امراء۔ خلفاء سب کو واجب التعظیم سمجھ کر سب کے آگے گردن جھکا دے اسلئے کہ یہ پانچوں طبقے وہ ہیں جنہوں نے نبی کریم کی ایک ایک شان کو سنبھالا ہے آپ کی ایک شان عیتہ سے کی ہے ایک شان عبادت کی ہے ایک شان اخلاق کی ہے۔ ایک شان معاملات کی ہے۔ ایک شان خلافت و تنظیم ملت کی ہے یہ حضور کی پانچ شانیں ہیں انہیں نکرانے کا یہ مطلب ہے کہ حضور کی شانوں میں تعارض پیدا کر رہے ہیں۔ لوگ ان میں باہم ٹکڑے دے رہے ہیں یہ سوائے جہل کے اور کیا ہو سکتا ہے شئون

نبوت میں ٹکراؤ پیدا کرنا علم والے کا کام نہیں ہے اور نہ علم والے کا کام یہ ہے کہ طبقات امت میں ٹکراؤ پیدا کرے حقیقت یہ کہ ہر ایک کے سامنے گردن جھکا دے اور ہر ایک کی تنظیم و تخریم ضروری سمجھے۔

ہر طبقے نے کتاب و سنت سے نظم قائم کیا ہے | ایک دوسری بات اور سمجھ لیجئے وہ بھی طالب علم ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر طبقے نے کتاب و سنت سے نظم قائم کیا ہے یعنی اسلامی مسائل بے شک نہیں ہیں ہر مسئلہ ایک لڑی کے اندر پرویا ہوا ہے اور مسائل کا ایک نظام ہے اور پورے مسائل منظم ہو کر ایسے ہیں جیسے موتیوں کا ایک ہار ہوتا ہے کہ اگر ایک موتی بیچ سے نکال دو تو ہار ناقص ہو جائے گا اور چونکہ ہر لڑی دوسری لڑی کے ساتھ جڑی ہوئی ہے لہذا ہر شعبہ نہایت منظم ہے آپ جانتے ہیں کہ نظم و تنظیم بغیر امام کے نہیں ہوتی |
تتنظیم بغیر امام کے نہیں ہوتی ہے | ہے مثلاً اگر تسبیح میں ایک ہزار دانے ہیں مگر امام نہ ہو جسے اُلقند کہتے ہیں وہ ایک لمبا دانہ ہوتا ہے تسبیح کے درمیان وہ اگر بیچ میں نہ ہو تو وہ تسبیح

نہ ہوگی بلکہ مالا کہلاتے گی۔ اگر تسبیح ہی بنانی ہے تو ایک گروہ بیچ میں ضرور ہونی چاہیے جسے آپ امام کہیں گے اسی سے سارے دانے جڑے ہوتے ہوں گے وہ گروہ اگر آپ کھول دیں تو سارے دانے بکھر جائیں گے۔ جھاڑو میں ہزاروں سنکیں ہوتی ہیں ایک سیجک کو آپ چٹکی سے مل دیں تو وہ ٹوٹ جائے گی لیکن اگر بندھن باندھ کر جھاڑو بنائیں تو گھر کا ٹوڑا کبارا اُدھ گھٹنے میں صاف کر دیں گی۔ ایک سینک یہ کام نہیں کر سکتی ہے ساری سینکیں مل کر پھینکیں گی اور طے کی شرط یہ ہے کہ ان میں بندھن بندھے وہی بندھن ان کا امام ہے اگر ان میں بندھن نہ ہو تو وہ منتشر ہو جائیں گی بکھر جائیں گی کوڑا کو تو کیا صاف کر تیں وہ خود کبار بن جائیں گی۔ لیکن اگر بندھن باندھ دیا اور ایک ڈور سے کنے تابع کر دیا ان کو تو سارے گھر کا ٹوڑا صاف ہو جائے گا اور وہ جھاڑو ایک جگہ رکھی ہوئی موزوں نظر آئے گی۔ گویا کہ صاف کرنے کا آلہ موجود ہے جو بڑے سلیقہ سے رکھا ہوا ہے بغیر امام و بندھن کے نظم قائم نہیں ہو سکتا ہے اسلام ایک اجتماعی مذہب ہے ہر چیز میں اس کے نظم قائم کیا ہے اور بندھن باندھا ہے مثلاً نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے تو اس کا

ایک نظم قائم کیا ہے کہ جماعت سے پڑھو اور جماعت کے اندر بھی پھر ترتیب قائم کی ہے کہ امام کیا کرے گا اور تم کیا کرو گے۔ امام کیا پڑھے گا اور تم کیا پڑھو گے۔ اس میں تمہیں آزادی نہیں بلکہ ایک نظم کے تحت نماز پوری کرنی ہوگی حدیث میں ہے **إِذَا قَامَ الْإِمَامُ صَلَاةَ الصَّائِتِينَ قُولُوا آمِينَ**۔ یہ حدیث کا آخری ٹکرا ہے مطلب یہ ہے کہ جب امام اللہ اکبر کہے کہ سب اللہ اکبر کہو جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو۔ وہ سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو۔ وہ قیام کرے تم سب قیام کرو اور جب امام دلائل الصائین کہے تو تم آمین کہو اور جب وہ سلام پھیرے تم بھی سلام پھیرو۔ تم کھیتہ امام کے تابع ہو ہر نقل و حرکت میں اگر تابع نہ ہوئے اور اطاعت نہ کی تو آپ جماعت سے الگ ہو جائیں گے۔ اگر آپ نے امام سے پہلے سلام پھیر دیا تو بس گئی آپ کی نماز۔ اگر آپ امام سے پہلے سجدے سے خارج ہو گئے بس گئی آپ کی نماز اس لئے کہ آپ امام سے منحرف ہو گئے جماعت کی نماز بن نہیں سکتی جب تک آپ اطاعت کامل نہ کریں لیکن انفرادی طور پر بھی اللہ نے اجازت دی ہے کہ پڑھ لیا کرو جتنی چاہے پڑھو۔ لیکن جماعت سنت متوکدہ ہے۔ اور بعض ائمہ کے یہاں واجب قرار دی گئی ہے اور بعض کے یہاں فرض ہے کہ اگر نماز باجماعت ترک کر دی تو وہ اس کا مستحق ہے کہ ہو قتل کر دیا جیل میں ڈال دو۔ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں یہ سہولت ہے کہ وہ جماعت کو سنت متوکدہ کہتے ہیں جو قریب قریب واجب کے ہوتی ہے تو جماعت بن نہیں سکتی جب تک امام نہ ہو اور امام امام نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ سب طیع نہ ہوں۔ امام بنا دیا اور مقتدی کھڑے ہو گئے لیکن کوئی ٹیکر کتاب ہے تو کوئی ٹیکر کے بجائے اسلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتا ہے کسی نے سجدہ کیا تو کسی رکوع کیا کسی نے مغرب کی طرف منہ کیا کسی نے مشرق کی طرف منہ کیا تو امام امان ہو اور برابر ہے امام جب ہی بتا ہے کہ جب سب طیع ہوں۔

امیر و مامور کے قرآن فی
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **إِصْبَحُوا وَابْتَغُوا**
أَمْرًا عَنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ حَتَّى تَخْرُجَ الْأَطْرَافُ سَوَاءً اور اطاعت
 کرو اگرچہ تم پر امیر مقرر کر دیا جائے کسی ایسے جشی فہم کو جس کے ہاتھ پر بھی کٹے ہوئے ہوں۔ کوئی صورت
 وجاہت کی نہ ہو اور قوم مل کر اُسے امیر بنادے تو مامورین پر سب طاعت فرض ہے اس کے خلاف

مت کر دامت کا نظم جب ہی باقی رہ سکتا ہے۔ نماز فرض کی تو اس میں جماعت کا حکم دیا اور جماعت کے لئے امام بنانے کی لازمی ضرورت پڑے گی۔ سفر میں آپ جائیں تو شرعی حکم یہ ہے کہ اگر پانچ آدمی ہوں تو ایک کو امیر بنا لو اپنی مالی قدرت اس کے پاس جمع کر دو۔ امیر کا فرض ہوگا کہ وہ آپ کو کھانا بھی کھلائے سفر کا انتظام بھی کرے۔ سواری کا بندوبست بھی کرے آپ مطمئن رہیں گے سب کا امیر اور امام انجام دے گا۔

ایک پُر لطف واقعہ

ابنہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما ہیں اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے چند صحابہ کو ساتھ لے کر سفر کیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ بھائی کسی کو امیر مقرر کر لو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ سے زیادہ افضل ہم میں کون ہے کہ جسے امیر بنادیں آپ افضل القحاب ہیں۔ فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں، کوئی اور بن جائے۔ عرض کیا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا ہے آخر کار سب سے مل کر حضرت صدیق اکبرؓ کو ہی امیر بنادیا۔ حضرت نے فرمایا کہ جب میں امیر بن گیا تو اطاعت کر دو گے عرض کیا کہ لازمی طور پر کریں گے۔ عہد و پیمان لیا کہ منحرف تو نہیں ہو گے عرض کیا کہ قطعاً نہیں۔ جب منزل پر پہنچے تو سب کے بستر کھوکڑ پھانے شروع کئے۔ لوگوں نے کہا حضرت پچھائیں گے فرمایا کہ امیر کے کام میں دخل مت دو۔ امیر کی اطاعت واجب ہے کسی کو بستر نہیں پھانے دیا۔ کبھی جگہ صاف کر رہے ہیں کبھی پکڑے پچھا رہے ہیں جہاں کوئی آیا کہ حضرت میں کروں گا یہ کام فرماتے کہ میں امیر ہوں امیر واجب الاطاعت ہوتا ہے۔ لوگ عاجز آ گئے۔ کھانے پکانے کا وقت آتا تو جنگل سے لکڑیاں لا رہے ہیں کبھی بازار میں گوشت خریدنے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت! ہم یہ کام کریں گے۔ فرمایا کہ امیر کے کام میں دخل مت دو۔ لوگ عاجز آ گئے کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔ کہ ہمارے امام، مقتدار، بڑے اور ساری خدمات انجام دے رہے ہیں ہمارے جوتے بھی سیدھے کر رہے ہیں۔ بستر بھی پچھا رہے ہیں کھانا بھی پکا رہے ہیں اور کوئی بول بھی نہیں سکتا ہے اور جہاں کوئی بولا تو انہوں نے کہا کہ میں امیر ہوں واجب الاطاعت ہوں اس لئے لوگ عاجز آ گئے۔ اس سفر میں ایک لطیف بھی پیش آیا وہ بھی سنادوں کو مضمون سے متعلق نہیں مگر اس واقعہ کا جذبہ کہ ایک روز صدیق اکبرؓ نے کھانا وغیرہ پکا دیا مگر کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیا کسی کام سے باہر تشریف لے گئے ایک صحابی کو بھوک

بے تحاشائی۔ انہوں نے کھانے کے نگراں سے کہا کہ بھائی کم از کم مجھے ایک روٹی دے دو مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے مجھ سے تو اٹھا بھی نہیں جاتا نگراں نے کہا جب تک امیر نہیں آئیں گے اور اپنی اجازت نہیں ہوگی تو میں کھانا نہیں دوں گا۔ انہوں نے بہت منت و سماجت کی کہ بھائی مجھے ضعف طاری ہو رہا ہے۔ بھوک ستا رہی ہے ایک آدمی روٹی دے دو کچھ سہارا ہوگا۔ انہوں نے بھرا لگا لیا اور ان کو روٹی نہیں دی۔ تو صاحب جیسے مقدس ہیں ویسے ہی طبائع کے اندر خوش طبعی بھی ہے۔ فرمایا کہ اچھا میں تجھے کھوں گا نہ دے تو روٹی۔ اسی حال میں بھوک کے پیٹھے رہے کچھ دیر کے بعد وہ بچل کی طرف اٹھ کر چلے اچانک دیکھا کہ ایک دیہاتی ادنٹ پر بیٹھا ہوا آرہا ہے وہ گاؤں کا کھیلا تھا۔ لباس سے ہی معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی گاؤں کا بڑا آدمی ہے اور اچھی خاصی بڑی عمدہ ادنٹی پر سوار ہو کر آرہا ہے ان صحابی نے کہا چودھری صاحب کہاں جا رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ مجھے ایک غلام خریدنا ہے۔ کھیتی باڑی کے کام کے لئے انہوں نے کہا کہ میرے پاس غلام موجود ہے اور پانچ سو درہم میں بیچ سکتا ہوں۔ چودھری صاحب نے کہا کہ پانچ سو درہم کوئی بڑی بات نہیں ہے اگر غلام اچھا ہے انہوں نے کہا کہ بہت سمجھدار ہے۔

معاظہ نے ہو گیا اور پانچ سو درہم لے کر ان کی طرف اشارہ کیا جنہوں نے روٹی نہیں دی تھی کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اس کو جا کر پکڑ لو اور یہ بھی کہہ دیا کہ دیکھو اس کے دماغ میں تھوڑی سی تنگ ہے جب کوئی پکڑنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں غلام کب ہوں؟ میں تو آزاد ہوں اس کا خیال نہ کیجیو۔ انہوں نے کہا کہ میں سمجھ گیا بعضوں کے دماغ میں ہوا کرتی ہے۔

انہوں نے کہا کہ چلتے گا بھی کہ میں غلام کب ہوں؟ میں تو خمر ہوں۔ آزاد ہوں اس کا بھی خیال نہ کیجیو۔ یہ اسکی عادت ہے انہوں نے کہا کہ میں سمجھ گیا ہوں چودھری صاحب نے جا کر اس کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ چل میرے ساتھ اسٹس کہا کہ کہاں چلوں چودھری صاحب نے کہا کہ میرے گھر۔ اسٹس کہا کہ کیوں۔ کہنے لگے کہ میں نے تجھے خریدا ہے۔ اس نے کہا کہ والد میں غلام نہیں ہوں میں تو آزاد ہوں۔ اس نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ تیری عادت یہی ہے۔ اب یہ چلا رہا ہے کہ آزاد ہوں۔ چہ ہوں مگر چودھری صاحب نے ایک دکنی۔ چودھری صاحب چونکہ طاقتور تھے اسٹس زبردستی اٹھا کر ادنٹ پر سوار کیا اور لے جانا شروع کیا اور اس نے ہاتے داسے

شروع کی کہ مجھے غلام بنا دیا، تو آزاد ہوں اس نے کہا کہ میں تیری ساری داستان سن چکا ہوں تیری عادت ہی یہ ہے۔ ادھر سے صدیق اکبر چلے آ رہے تھے دیکھ کر یہ چلائے کہ امیر المؤمنین میرا تو نا طبق بند کر دیا ہے اور مجھے غلام بنا دیا ہے اور یہ چودھری مجھے لئے جا رہا ہے صدیق اکبر کا بھی لوگ احترام کرتے تھے چودھری اترا سواری سے اور سلام عرض کیا حضرت نے فرمایا کہ بھائی یہ تو میرا سنا بھی ہے اے تو کہاں لئے جا رہا ہے کہنے لگا حضرت جی میں نے اسے پانچ سو درہم میں خریدا ہے یہ غلام ہے فرمایا کہ یہ غلام نہیں ہے یہ تو آزاد ہے یہ کس نے بیچا ہے۔ اشارہ کیا کہ فلاں صاحب نے بیچا ہے میں نے رقم بھی ان کو ہی دی ہے انہوں نے کہا کہ غلام موجود ہے لے جاؤ۔ حضرت صدیق کچھ گئے کسی نے مذاق کیا ہے ان کے ساتھ جب واپس آئے تو جنہیں روٹی نہیں ملی تھی انہوں نے اُنکے سے اشارہ کر کے کہا کہ اب کہو کیا حال ہے تو نے مجھے روٹی سے عاجز کر رکھا تھا اب بتا۔ صدیق اکبر پہنچے تو فرمایا کہ کیا واقعہ ہے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے بہت بھوک لگ رہی تھی میں نے اسکی بہت منت کی سماعت کی کہ بھائی ادھی ہی روٹی دے دو کچھ سہارا ہو جائے گا اسنے کہا کہ جب تک امیر نہیں آئیں گے میں نہیں دوں گا تو میں نے بھی ایک مذاق کیا کہ اس کو پانچ سو درہم میں بیچ دیا تو حضرت صدیق اکبر بہت ہنسے وہ پانچ سو درہم واپس کئے گئے جب اسکی غلو خلاصی ہوئی یہ واقعہ حضور کے سامنے سنایا گیا تو آپ مسکراتے اور منہ پر دمال رکھ لیا جب بھی اس واقعہ کا ذکر آتا تو حضور مسکراتے اور منہ پر دمال رکھ لیتے۔ گویا یہ عجیب لطیف بن گیا۔

یہ واقعہ اس پر یاد آیا تھا کہ نماز کے اندر بھی جماعت ہر جماعت کا ایک امام مقرر ہے

اور وہ بھی مطاع جسکی اطاعت کی جاتے سفر پیش آئے تو اس میں ایک کو امام بنالیا جاتے تاکہ سفر منظم ہو گھر میں اگر ہو تو ایک کو بڑا سمجھ لو اور اس کے احکام کی تعمیل کر دگھر میں نظام پیدا ہوگا۔ حج رکھا تو اس میں امام الحج مقرر کیا کہ اس کے احکام کی اطاعت کی جاتے زکوٰۃ رکھی تو بیت المال میں ایک کو امام مقرر کیا کہ وہ ہر چیز کی زکوٰۃ وصول کیا کرے تو ہر چیز میں ایک جماعتی اور اجتماعی نظم قائم کیا اور اس کا ایک ایک امیر مقرر کیا اور اسکی سمع و طاعت واجب قرار دی کہ اسکی اطاعت کر

ہر فن کا ایک امام مقرر ہے | عقیدہ میں مرکز حق تعالیٰ شانہ کی ذات ہے اس میں امام مقرر کئے گئے۔ چنانچہ عقائد میں دو دوسے بڑے امام ہیں ایک امام ابو منصور ماتریدی ہیں اور ایک امام ابو الحسن اشعری ہیں یہ دو امام ایسے سمجھے جاتے ہیں کہ جن کی رائے فن عقائد میں فن کا دجر رکھتی ہے۔ اسی لئے بعض لوگ اشعری ہیں اور بعض لوگ اپنی نسبت دوسرے امام کی طرف کر کے اپنے آپ کو ماتریدی کہتے ہیں۔ ان میں آپس میں کچھ ٹھوڑے بہت اختلافات بھی ہیں مگر وہ اختلافات لفظی کے قریب قریب ہیں عقائد سب کے ایک ہیں کہ جب اس فن کا کوئی بڑا مسئلہ پیش آوے تو رجوع کر داکا کی طرف کہ امام ابو الحسن نے یہ کہا ہے۔ فقہ کا مسئلہ ہو تو اسمیں ایک امام مقرر کر داکا مشافہی ہوں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مالک ہوں جب کوئی مسئلہ اختلافی آئے تو کسی ایک کی اطاعت کر لو۔ تاکہ تمہارے اندر نزاع نہ پیدا ہو اسلئے کہ مسئلہ میں نزاع نہیں مسئلہ میں اگر اختلاف ہو تو اختلاف حجت کا ہوتا ہے اور نزاع وجدال جو ہوتا ہے وہ نفائی جذبے کے تحت ہوتا ہے اور وہ بُرا ہے اور حجت سے جو اختلاف ہوتا ہے وہ بُرا نہیں ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ہر اختلاف بُرا نہیں ہے۔

نہ ہر اتفاق اچھا ہے اور نہ اختلاف بُرا | مثلاً چور اور ڈاکو اتفاق کر لیں تو یہ اتفاق اچھا نہیں ہے۔ بُرائی میں اگر لوگ متحد ہو جائیں تو وہ اتحاد بھی بُرا ہوگا اور اگر بھلائی کے اوپر لوگ جمع ہو جائیں تو وہ اتحاد اچھا ہوگا۔ اب اختلاف کو لے لو اگر اختلاف حجت سے ہو اور اللہ و رسول کا حوالہ دیانت سے ہو تو وہ ایک پہلو ہوگا دین کا وہ اختلاف تو ہوگا مگر جھگڑا نہ ہوگا کیونکہ حجت اس میں موجود ہے جھگڑے اصل میں ہم اپنے جذبات سے کرتے ہیں اور مسئلوں کو اڑ بنا لیتے ہیں جس کے کی خاصیت لڑنا نہیں ہے اگر مسئلوں کی خاصیت لڑنا ہوتا تو پہلے تو صحابہ میں لاشعی جلتی کہ کوئی کوئی رفع یدین کر رہا ہے کوئی نہیں کر رہا ہے کوئی آمین بالجہر کر رہا ہے کوئی آمین بالسر کر رہا ہے کوئی فاتحہ کو امام کے پیچھے واجب قرار دیتا ہے اور کوئی ناجائز قرار دے رہا ہے تو سب پہلے تو صحابہ میں لاشعی جلتی اگر مسئلہ کی خاصیت لڑنا ہوتا مگر سب اپنے اپنے مسلک پر عمل کر رہے ہیں اور ایک دوسرے کی عظمت بھی قلب میں لئے ہوئے ہیں پھر اس کے بعد ائمہ مجتہدین میں دُعا چلتا جن میں اختلاف اور

خوب لڑائی ہوتی مگر سارے ائمہ باہم متحد ہیں اس لئے کہ وہ اختلافات فرعی ہیں اور بنیادیں سب کی ایک ہیں اس لئے قلوب میں سب ایک دوسرے کی عظمت لئے ہوئے ہیں

امام شافعیؒ کا واقعہ | حتیٰ کہ امام شافعیؒ جب بغداد میں امام ابو حنیفہؒ کے مزار پر حاضر ہوئے تو فاتحہ پڑھی اور ایصال ثواب کیا وہیں مسجد تھی جب نماز کا وقت آیا تو نماز پڑھی اور اپنا مسلک ترک کر کے امام عظیمؒ کے مسلک کے مطابق نماز پڑھی اور امام شافعیؒ کا مسلک جو کہ مستحب کے درجہ میں تھا یعنی رفیع دین۔ نہیں کیا اور آئین زور سے نہیں کہی۔ پوچھنے پر امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مجھے صاحب مزار سے حیا آتی ہے کہ میں ان کے قریب ہو کر ان کے مسلک کے خلاف عمل کروں جس جس مسئلہ میں گنجائش تھی اس میں فقہ حنفی کے مطابق نماز پڑھی اور جہاں جہاں جائز و ناجائز کا اختلاف تھا اس میں وہ معذور تھے۔ جو کہ انکی عظمت قلب میں موجود تھی اسلئے ایسا کیا تو معلوم ہوا کہ مسئلہ کی خاصیت لڑائی نہیں بلکہ اپنے نفسانی جذبات سے لڑتے ہیں اور مسائل کو آڑ بنا رکھا ہے۔

آئین بالچہریرہ دلچسپ و نادر واقعہ | ہمارا بچپن کا زمانہ تھا ہمارے یہاں سہارنپور میں راجہ نام کا ایک کلکٹر تھا۔ تھائی لینڈ کا رہنے والا۔ نسلاً یورپین تھا مگر خاق و ذوق اس کا ایشیائی تھے اسکی پیدائش ہندوستان کی تھی۔ اس کے زمانے میں ایک جھگڑا پیش آیا کہ ایک حنفی کہیں اہل حدیث کی مسجد میں چلا گیا انہوں نے زور سے آئین کہی اسکی آہستہ سے کہی وہاں سب جھگڑا جمع تھے انہوں نے اسکی مار پٹائی کی کہ اس نے روز سے آئین نہیں کہی پٹتے پٹتے وہ چلا یا کہ حنفی ادھر دوڑ دوڑ تمام حنفی جمع ہو گئے انہوں نے اہل حدیث پر حملہ کر دیا۔ اب اہل حدیث چلائے کہ اے اہل حدیث دوڑو اور صرے اہل حدیث آگئے۔ غرض لاشعری جلی کتنوں کے ہی سر پٹے۔ بلوہ عام ہو گیا۔ فریقین سے ریٹ درج کرائی مار چکا زمانہ تھا اس کے یہاں مقدمہ پیش ہوا فریقین کے وکلاء نے بحث کی آئین کے مسئلے میں اب اسکی سمجھ میں ہی نہ آدے اس نے کہا کہ بھائی کیا آئین کسی جائزہ کا نام ہے یا کوئی جاگیر ہے یا کوئی بڈنگ ہے آخر تم کس چیز پر لڑ رہے ہو انہوں نے کہا صاحب

مسئلہ ہے۔ اس نے کہا کہ مسئلے پر کیوں لڑتے ہو۔ آخر یہ لڑائی کی کیا وجہ ہے انہوں نے کہا کہ صاحب ایک حدیث میں آیا ہے کہ آئین زور سے کہو اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ اہتر سے پڑھو اس نے کہا کہ بھائی جسے زور سے پڑھنے کی حدیث پہنچی ہے وہ زور سے پڑھے اور جسے آہستہ پڑھنے کی حدیث پہنچی ہے وہ آہستہ سے پڑھے۔ آپس میں لڑتے کیوں ہو اپنی حجت پر عمل کرو۔ اسکی سمجھ میں بات نہ آئی کہ آئین پر لڑائی کیسے ہو سکتی ہے۔ بات بھی ایسی ہی سمجھ میں نہ آنے کی تھی۔ اسکی تحقیق کر کے فیصلہ لکھا اور فیصلہ بڑا دانشمندانہ لکھا۔ اس نے لکھا کہ میں روداد مصر کو دیکھ کر اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ مسلمانوں کے یہاں آئین کی تین قسمیں ہیں (۱) آئین بالہر یعنی زور سے آئین پڑھنا (۲) آئین بالسر یعنی آئین آہستہ سے پڑھنا (۳) آئین بالشر یعنی جھگڑا اٹھانے کے لئے آئین پڑھنا۔ یہ جتنا جھگڑا ہے۔ نہ آئین بالہر کا ہے اور نہ آئین بالشر کا کیونکہ دونوں کے بارے میں پیغمبر سے حدیث وارد ہے اور یہ جھگڑے کی چیز نہیں۔ یہ سارا جھگڑا آئین بالشر کا ہے لہذا یہ دونوں فرقہ فاسد ہیں۔ میں دونوں کو سزا کرتا ہوں۔

مسلمان نفعانی لڑائی کے لئے مسائل کو اڑ بنا لیتے ہیں | مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ آپس میں

نفعانی کے جذبے کے تحت لڑتے ہیں اور مسائل کو اڑ بنا لیتے ہیں مسئلے کی خامیت لڑائی نہیں ہے آپ کے ہاتھ میں کتاب و سنت کی حجت ہے اس پر عمل کریں لڑائی کے کیا معنی اور نفرت کے کیا معنی۔ آپس میں مل کر رہو اگر کوئی نہیں مانتا ہے تو جبر ٹھوڑا ہی ہے ان کے پاس بھی حجت ہے وہ اس پر عمل کر رہا ہے یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ وہ فاسق ہے۔ کافر ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ لہذا میری بات مانو۔ دوسرا باطل محض ہے اس لئے وہ حق پر نہیں ہے یہ کہنا غلط بات ہے۔ یہ مسائل صرف اڑ ہیں وہ نہ حقیقی لڑائی تو نفعانی جذبات کی وجہ سے پیش آتی ہے لڑاو کہ مسلمانوں نے حکومتیں بر باد کر دیں۔ اپنی جائیدادیں تباہ کر دیں اپنی بلدی لگیں۔ بر باد کر دیں جب یہ دنیا چلی گئی تو رہ گیا دین اور لڑنا ضروری تھا اسکی ہٹ نہیں سکتے تھے کہا کہ اب دین کو اڑ بناؤ۔ اب جائیدادیں نہیں تو مستلوں پر لڑو۔ فروعات پر لڑو یہ صرف نفعانی جھگڑے اگر حجت ہاتھ میں ہے تو اس میں جھگڑا ہی نہیں امام شافعی کہتے ہیں کہ چونکہ حدیث میں آیا ہے اس

لئے زور سے آئین کہتا ہوں۔ امام ابو حنیفہ کہیں گے کہ آپ منذر میں کیونکہ آپ کے پاس حجت ہے۔ میرے پاس حدیث ہے میں آہستہ سے آئین کہتا ہوں چونکہ میرے پاس حجت ہے۔ امام شافعی کہیں گے کہ آپ بھی منذر ہیں چونکہ آپ کے پاس بھی حجت ہے آپ بھی حق پر عمل کر رہے۔ میں بھی حق پر عمل کر رہا ہوں۔ معاملہ ختم ہوا نہ دوستی گئی نہ نفرت پیدا ہوئی۔ نہ جھگڑا پیدا ہوا اسلئے کہ جتنے جہاں اختلاف بلا حجت ہوتا ہے تعصب سے عناد سے پارٹی بندی سے وہاں اصل میں لڑائیاں نفسانی جذبے کے تحت ہوتی ہیں وہ مسئلے کی لڑائی نہیں ہوتی۔ وہ تو مسئلہ کو اڑ بنا کر اپنا اندرونی بخار نکالنا مقصود ہوتا ہے۔

علاج جسمانی ایک ڈاکٹر کرتا ہے ایسے ہی علاج روحانی میں ایک کوام بناؤ میں عرض کر رہا تھا

کہ فقہ کے مسئلے میں بہر حال کسی کو امام بنانا پڑے گا جہاں اختلافی مسئلہ آدے کسی امام کی طرف رجوع کرے اور یہ فطری چیز ہے مثلاً آپ علاج کرائیں اور چار طبیبوں کی چار رائیں ہو جائیں ایک کہے کہ میں گرم دوائیں دوں گا ایک کہے کہ میں ٹھنڈی دوائیں دوں گا ایک کہے کہ میں خشک دوائیں دوں گا ایک کہے کہ میں تر دوائیں دوں گا کیا کبھی آپ نے یہ کیا ہے کہ چونکہ طبیب آپس میں لڑ رہے ہیں لہذا مجھے انتقال کر کے قبر میں چلا مانا چاہیے۔ میں علاج نہیں کراؤں گا چونکہ جان عزیز ہے اس لئے ان اطباء میں سے آپ انتخاب کرتے ہیں کہ کسی ایک کی طرف رجوع کریں خواہ انتخاب کی کوئی بھی وجہ ہو خواہ یہ وجہ ہو کہ وہ جامعہ طبیہ کا پڑھا ہوا ہے جو بہت بڑا طبی ادارہ ہے لہذا یہ طبیب حاذق ہو گا اس لئے اس کا علاج کراؤں گا۔ یا اس وجہ سے کہ اس کے مطب سے شفا پانے والے بہت ملتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نسخے قیر بہت ہیں لہذا اس کا علاج کراؤں گا یا یہ وجہ ہو کہ یہ طبیب خاندانی طور پر طبیب ہے اس کے یہاں جدی طب علی آرہی ہے لہذا طب سے جو مناسبت اُسے ہے وہ دوسروں کو نہیں ہے اس بنا پر میں اس کا علاج کراؤں کوئی بھی وجہ ہو مگر انتخاب کریں گے اس لئے جان عزیز ہے۔ بعض اس بنا پر کہ اطباء میں اختلاف راتے ہے آپ موت کو ترجیح نہیں دیتے زندگی پر۔ کہتے ہیں کہ زندگی بہتر ہے چاہیے اور علاج ہونا چاہیے ان اطباء میں سے کسی کو منتخب کر لو۔ اگر علماء میں اختلاف راتے ہو

اور آپ یہ کہیں کہ علما۔ تو لڑ رہے ہیں لہذا ہم دین اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں اور ابدی موت کو ترجیح دیتے ہیں اور موت کو قبول کرتے ہیں یہ آج تک کسی نے کیا ہے؟ انتخاب کرنا پڑے گا جس کی طرف آپ جائیں یہ دیکھیں کہ اس کا علم مستند ہے۔ اس کے مشائخ سند صحیح کے ساتھ بنی کریم تک پہنچے ہوتے ہیں۔ اور جو احکام یہ بیان کرتے ہیں ان کی سند کا سلسلہ پیغمبر تک پہنچا ہوا ہے لہذا ہم ان کے مسائل پر عمل کریں گے۔ دوسروں کے مسئلے پر عمل نہیں کریں گے۔ کوئی بھی وجہ ہو مگر انتخاب کرنا پڑے گا۔ اطباء میں اگر اختلاف رائے ہو تو ان میں سے انتخاب کرتے ہیں اور اگر علماء میں اختلاف ہو تو دین سے بدظن ہو جاتے ہیں کہ صاحب کس کی مائیں مولوی تو آپس میں لڑ رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جان زیادہ عزیز ہے ایمان عزیز نہیں ہے۔ وہاں چونکہ جان عزیز ہے اس لئے ڈاکٹروں میں کتنا ہی شدید اختلاف ہو گا کتنا انتخاب ضرور کریں گے۔ یہاں اگر ایمان عزیز ہوتا تو کتنا ہی اختلاف ہوتا علماء میں کسی نہ کسی کا ضرور انتخاب کرتے اور اسکی پیروی کرتے۔ چونکہ ایسا نہیں ہے معلوم ہو کہ جان تو عزیز ہے مگر ایمان عزیز نہیں ہے بہر حال اپنا امام ضرور بنانا پڑے گا اور اشخاص میں سے انتخاب ضرور کرنا پڑے گا اور ایک کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ طب کے اندر ہو تو رجوع کرنا پڑے گا کسی طبیب کی طرف۔ ایک دم چار کا علاج جاری کریں تو آپ کا مزاج فاسد ہو کر رہ جائے گا اور جلد ہی آپ قبر میں تشریف لے جا دیں گے اسلئے کہ ایک طبیب سب کو ٹھنڈی دوا دے گا تو دوسرا شام کو گرم دوا دے گا تیسرا تر دوا دے گا چوتھا طبیب خشک دوا سے علاج کرے گا تو مریض تھمتہ مشق بن جائے گا اور وہ قبر میں جانے کی تیاری شروع کر دے گا اس لئے ایک ہی کا علاج کریں۔

ایک شیخ کی اتباع ضروری ہے | طریقت میں اپنے بیعت کی تو وہاں بھی توحید طلب ہے کہ جس شیخ کے ہاتھ پر بیعت کریں یہ سمجھیں کہ میری دنیا و آخرت کی خوبی اس شیخ میں ہے دوسرے کی طرف رجوع بالکل مت کر د۔ ہاں عظمت سب کی کر د۔ احترام سب کا کر د۔ مگر قلب کا علاج ایک ہی سے کر د۔ صوفیاء کی اصطلاح میں اس کا نام توحید ہے مطلب یہ ہے کہ وحدت ہونی چاہیئے اس شخص کے لئے جس کو

آپ نے شیخ بنالیہ شیخ دو یا تین نہیں ہوں گے۔ بلکہ ایک ہی ہوگا اور ایک ہی کے طریق پر چلنا پڑے گا۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ شیخ واقعی اہل سنت میں سے نہیں ہے بلکہ مبتدع ہے تو ترک کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد پھر حضرات صوفیاء لکھتے ہیں کہ ترک کر کے دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کرو مگر اس پہلے کی شان میں بے ادبی مت کرو۔ چاہے وہ اپنی ذات میں کیسا ہی ہو۔ گستاخی مت کرو۔ ادب سے پیش آؤ۔ تو طریقت کے اندر توحید مطلب ہے اور طب کے اندر توحید مطلب ہے تو آخر علم کے اندر توحید مقصد کیوں نہیں ہونا چاہیے اور کسی ایک امام کو کیوں مقرر نہیں کرتے کہ آپ اس کے فقہ پر عمل کریں۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو آپ ڈانواں ڈول رہیں گے۔ کبھی ادھر کبھی ادھر ادھر یہ نفس کی اتباع ہوگی کسی امام کا اتباع بالکل نہ ہوگا اور شریعت میں نفس کا اتباع مطلوب نہیں۔

نظم کا مقصد امت کا متحد ہونا ہے | تو شریعت نے ہر معاملے میں نظم قائم کیا عقائد میں الگ نظم ہے اور فقہ کے مسائل میں الگ نظم ہے مقصد ہے کہ امت جڑ جائے چاہے اختلاف راستے بھی ہو مگر باہم تہمت و متحد ہو جائیں۔

صوفیاء کے مختلف طریقے | اسی طرح سے جب آپ حضرات صوفیاء کے پاس جاتیں گے اور اپنے اخلاق کی تربیت کرائیں گے تو ان کے بھی مختلف طرق پائیں گے۔ چشتیہ کا اور طریق تربیت ہے۔ نقشبندیہ کا اور طریق تربیت ہے۔ سہروردیہ کا اور طریق تربیت ہے۔ قادریہ کے وظائف اور ہیں مگر ہیں سب حضرات اہل اللہ اور سب حضرات اہل حق ہیں۔ لیکن چاروں میں آپ ایک دم بیعت کر کے چاروں سے علاج کرائیں تو دین فاسد ہو کر رہ جائے گا اس لئے کہ متضاد چیزوں پر عمل کیسے کریں گے لہذا ایک ہی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ ہاں غفلت و احترام سب کا کرنا پڑے گا اور خادم سب کا بننا پڑے گا مگر علاج ایک سے کرائیں۔ تو تصوف کے اندر بھی توحید مطلب ہے جیسے طب کے اندر توحید مطلب ہے۔ اور فقہ کے اندر توحید مقصد ہے۔

معاملات میں امیر | اسی طرح سے جب معاملات پیش آویں تو کسی نہ کسی کو امیر تو بنانا۔

پڑے گا ہی۔ مثلاً کوئی جھگڑا ہو اب راستہ چلتے ہوئے پوچھ رہے ہیں کہ بھائی کیسے فیصلہ کروں۔ ایک نے کہا کہ یوں کرو۔ دوسرے نے کہا کہ یوں کرو۔ تیسرے نے کہا کہ یوں کرو اور تینوں کی رائے پر عمل کیا تو وہ جھگڑا تو یوں ہی رہ جائے گا اور ساتھ ہی ساتھ گھر بھی فاسد ہو جائے گا لیکن اگر کسی ایک متدین شخص کو اپنا امیر بنالیا کہ بھائی ہم تم سے فیصلہ چاہتے ہیں جو تم فیصلہ کر دو گے جس منظور ہے۔ اگر مجمع کرو گے تب عمل کریں گے اور اگر کوئی فکری غلطی بھی واقع ہوگی تب بھی عمل کریں گے مگر کرائیں گے فیصلہ آپ سے ہی تو ایک قسم کا اطمینان و سکون ہو جائے گا۔ اسی واسطے فقہاء لکھتے ہیں کہ قضا پر قاضی ظاہراً باطناً نافذ ہو جائے گی۔ قاضی جب حکم کر دے کہ یہ ہے مسئلہ تو وہ ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی نافذ ہو جاتا ہے یعنی اس کے خلاف پھر کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر بعد میں یہ بھی ثابت ہو کہ رائے کی غلطی تھی تو یہ بات نہیں کہ فیصلہ لوٹے گا ایسا نہیں بلکہ جو فیصلہ ہو چکا وہ نافذ ہو کر رہے گا چونکہ وہ فیصلہ من جانب اللہ ہے اس کے بغیر سکون و اطمینان قلبی اور یکسوئی نہیں ہو سکتی اس بنا پر قاضی کی قضا ظاہراً و باطناً نافذ ہو جاتی ہے اور اس کو ماننا لازم ہو جاتا ہے۔ تو امراء اسلام اس لئے مقرر کئے گئے تاکہ وہ جھگڑوں کے فیصلے کر سکیں۔

امارت کا حق کس کو ہے | اگر خلیفہ السلیس اور بادشاہ اسلام موجود ہے تو حاصل امیر وہ ہے پھر حق کو وہ امیر مقرر کریں وہ امیر بن جائیں گے۔

اگر اسلام کی حکومت نہیں ہے تو فقہاء لکھتے ہیں کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ سب مل کر اپنا ایک امیر مقرر کریں اگر سارے ملک کے مسلمان ایک امیر پر جمع نہ ہوں تو خطوں کے امیر بنا لئے جاویں۔ ہر صوبہ کا الگ امیر ہو اور تمام مامورین پر اپنے اپنے امام کی اطاعت کرنا واجب ہے اسی کو قرآن کریم نے فرمایا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاطِيعُوا أَمِيرًا** یعنی اطاعتیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کے امیر کی اطاعت۔ اور اولی الامر یعنی امیر کی اطاعت۔

اللہ کی اطاعت ذاتی اور رسول و امیر کی اطاعت وصفی ہے۔ | قرآن تو قرآن ہی ہے وہ تو

سرچشمہ ہے بلاغت و فصاحت کا اور مجزہ ہے اس نے جہاں اللہ کی اطاعت فرض کی وہاں تو اللہ کا نام ذکر کیا کہ اَطِيعُوا اللَّهَ یعنی اللہ کی اطاعت کرو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ بڑا ہے واجب الطاعت پس کسی وصف کی وجہ سے ان کی اطاعت واجب نہیں ہے کہ جب اللہ کا نام آئے تو گردن جھک جانی چاہیے اَطِيعُوا اللَّهَ علم ذات کا ذکر کیا ہے اس لئے کہ وہ بالذات واجب الطاعت ہیں۔ ہم اور آپ کسی وصف سے واجب الطاعت بنتے ہیں۔ آپ میں اگر علم آگیا تو علم کی وجہ سے آپ کی اطاعت ہوگی۔ آپ کی اطاعت نہ ہوگی مثلاً کوئی جاہل اسکی کوئی بھی اطاعت نہیں کرتا۔ ہاں علم کا وصف اگر آجائے تو اطاعت کرنے لگیں گے اگر کوئی باپ ہے تو باپ ہونے کی وجہ سے اسکی اطاعت شروع ہو جاتی ہے۔ کوئی استاد ہے تو استاد ہونے کی حیثیت سے اسکی اطاعت ہونے لگے گی کوئی شیخ ہے تو شیخ ہونے کی وجہ سے اس کی اطاعت ہوگی تو انسان بڑا ہے واجب الطاعت نہیں بلکہ بالادوات واجب الطاعت ہے جب کوئی وصف کمال پیدا ہوگا اس کی وجہ سے اسکی اطاعت ہوگی لیکن حق تعالیٰ شانہ بڑا ہے واجب الطاعت ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ اپنی صفات کمال کی وجہ سے واجب الطاعت ہیں۔ صفات تو ذات کے تابع ہو ا کرتی ہے کیونکہ وہ ذات کا پر تو ہیں۔ اصل سرچشمہ کمال ذات ہے اور صفات اس لئے مقبول ہوئیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں مگر اصلی ان سب کی ذات ہی ہے۔ اور جب اُس کے کی اطاعت بتلائی گئی تو یوں نہیں فرمایا گیا کہ اَطِيعُوا عَيْنِي يَا اَطِيعُوا مَوْسٰی یا اَطِيعُوا مُحَمَّدًا بلکہ فرمایا اَطِيعُوا الرَّسُوْلَ یعنی رسول وصف رسالت کی وجہ سے واجب الطاعت ہیں اسی وجہ سے اگر وہ کوئی ذاتی مشورہ دیں تو واجب الطاعت نہیں ہوں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ اپنی محبت کی وجہ سے ان کی مشائخہ کی بھی اطاعت کریں لیکن قانون شریعت یہ ہے کہ اگر رسول کوئی ذاتی رائے دیں تو واجب الطاعت نہیں البتہ جب یہ فرمائیں کہ میں حکم خداوندی پہنچا رہا ہوں تو وہ واجب الطاعت ہے جب رسالت پہنچائیں گے تو اطاعت کرنا فرض ہے اور جب یوں فرمائیں کہ میرا ذاتی مشورہ ہے تو آپ مختار ہیں قبول بھی کر سکتے ہیں اور مغذرت بھی کر سکتے ہیں۔ ادا بجا ہے آپ عمل کر لیں مگر آپ کے ذمے واجب نہیں ہے

واقعہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ ہوا یہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی باندی تھیں اور ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے حضرت میخثؓ سے کر دیا تھا۔ حضرت بریرہؓ حسین و جمیل اور بہت خوبصورت تھیں اور حضرت میخثؓ کا لے کھوٹے اور بد صورت تھے اس لئے آپس میں بنتی نہ تھی رات دن آپس میں کھٹ پٹ رہتی تھی اور رات دن لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے مگر بہر حال قصہ چل رہا تھا حضرت عائشہؓ نے ان کو آزاد کر دیا اب وہ باندی نہیں رہیں اور مسئلہ شرعی یہ ہے کہ منکوحہ باندی جب آزاد ہوتی ہے تو نکاح اس کے قبضے میں آجاتا ہے چاہے تو باقی رکھے چاہے فروغ کر دے۔ اب جب کہ آزاد ہو گئیں تو انہوں نے ارادہ کیا کہ میں نکاح کو باقی نہیں رکھوں گی بلکہ فسخ کر دوں گی کیونکہ حضرت میخثؓ سے ان کی موافقت نہیں ہوتی تھی۔ پکا ارادہ کر لیا کہ اب میں ان کے نکاح میں نہیں ہوں گی اور حضرت میخثؓ ان پر سوجان سے عاشق تھے جب انھیں معلوم ہوا تو پریشان ہو گئے۔ کبھی حدیث اکبرؓ سے سفارش کراتے ہیں کبھی حضرت عمر فاروقؓ کے پاس جاتے ہیں کہ آپ ان کو بچھا دیں کہ وہ نکاح باقی رکھیں۔ انہوں نے سب کو جواب دے دیا کہ نہیں میں نکاح باقی نہیں رکھتی ہوں۔

آخر میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! آپ نے ہی یہ نکاح باندھا تھا اب بریرہؓ اس نکاح کو توڑ رہی ہیں آپ ان سے فرمادیں کہ اس نکاح کو باقی رکھو۔ اور حضرت میخثؓ بے حد پریشان حال ہیں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ وہ وقت دیکھنے کے قابل تھا کہ حضرت میخثؓ مدینے کی گلیوں میں روتے ہوئے پھر رہے تھے۔ آنکھوں میں آنسو ہیں اڑھسی پر آنسو ٹپ ٹپ گر رہے ہیں کہ ہائے بریرہؓ جدا ہو گئیں اس درجہ عشق تھا تو حضورؐ سے جا کر عرض کیا کہ آپ فرمادیں نکاح باقی رکھئے۔ حضور تشریف لے گئے اور فرمایا کہ بریرہؓ نکاح مت توڑو میخثؓ سے میں نے ہی وہ نکاح قائم کیا تھا تم اب بھی قائم رکھو۔ وہ بھی بڑی ذہین تھی۔ انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! یہ حکم شرعی ہے یا آپ کا ذاتی مشورہ۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں حکم شرعی نہیں شرعاً تو تم آزاد ہو۔ نکاح باقی رکھو چاہے توڑ دو یہ میرا ذاتی مشورہ ہے۔ بریرہؓ نے کہا پھر تو میں نہیں مانتی ہوں آخر کار نہیں مانا اور نکاح توڑ دیا۔ تو معلوم ہوا کہ اگر نبی اپنی ذات سے کوئی مشورہ دیں تو وہ قانوناً واجب الطاعت

نہیں ہوتا ہے اگر رسالت پیش کریں کہ یہ حکم خداوندی ہے تو اس کی اطاعت فرض ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب انبیاء بھی ذاتی طور پر واجب الطاعت نہیں تو میری اور آپ کی کیا حقیقت ہے اور میں ذاتی بات کہوں اور اس پر ضد کروں کہ نہیں اس کو ماننا ضروری ہے قطعاً ضروری نہیں ہے صرف ایک رائے ہے آپ کی میری بھی ایک رائے ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جو حق ہو اس پر عمل کریں۔ تو اللہ نے جہاں اپنی اطاعت کا حکم دیا وہاں اپنا نام لیا ہے اور فرمایا اَطِيعُوا اللَّهَ کہ اللہ کی ذات واجب الطاعت ہے آگے رسول کا نام نہیں لیا بلکہ اَطِيعُوا الرَّسُولَ فرمایا یعنی مصنف رسالت کا تذکرہ کیا کہ اسی وصف رسالت کی جبر سے وہ واجب الطاعت ہیں کہ جب رسالت خداوندی پیش کریں تو گردن تسلیم کر دو۔

ادلی الامر منکم | یہاں اَطِيعُوا کا لفظ بھی خصوصیت سے ذکر نہیں کیا جیسا کہ اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ میں ذکر کیا تھا یہ ادلی الامر منکم بچلے اَطِيعُوا کے نیچے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ادلی الامر ہوگا وہ تابع ہوگا نبی کریم کے چونکہ آپ کا نائب بن کر آیا ہے اس لئے واجب الطاعت ہے مستقلاً اس کی اطاعت نہیں اللہ کے رسول کا فرمان نافذ کرے گا تو اطاعت واجب ہوگی ورنہ محض ذاتی مشورہ ہوگا کوئی واجب الطاعت نہیں اور ادلی الامر کا لفظ انہیں ہے اس کے بعد کوئی اطاعت نہیں ہے اس بنا پر تین اطاعتیں ہو گئیں۔ اللہ کی اطاعت۔ رسول کی اطاعت۔ ادلی الامر کی اطاعت۔ ہاں اگر ادلی الامر کوئی غلط حکم دے دے تو اس کی اصلاح کی جائے اس لئے ذاتی حکم واجب الطاعت نہیں جب وہ یوں کہے کہ قرآن شریف میں یوں آیا ہے تو پھر وہ واجب الطاعت ہے چاہے وہ استنباط ہی سے کہتا ہو نص صریح بھی نہ ہو کیونکہ وہ قرآن ہی سے کہہ رہا ہے وہ قرآن ہی کا مصداق ہے اس لئے اس سے گردن پھیرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت عمر کی خلافت کا ایک واقعہ | حضرت عمر جب امیر المؤمنین تھے تو دوبار خلافت میں ایک عورت حاضر ہوتی اس نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! میرے خداوند کی آپ کیا بات پوچھتے ہیں۔ صائم الہر ہے۔ قائم الیل ہے تمام راتیں عبادتیں کرتا ہے اور تمام دن روزے رکھتا ہے فرمایا کہ ماشاء اللہ۔ اللہ

مبارک کرے بڑا اچھا خاوند ہے کہ عبادت گزار ہے راتوں کو تہجد پڑھتا ہے دنوں کو روزے رکھتا ہے۔ مبارک ہو۔ وہ بیجاری چپکی ہو کر چلی گئی۔ دریا میں ایک صحابی موجود تھے جن کا نام اکثم تھا وہ اٹھے اور انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین آپ سمجھے بھی یہ کیا کہہ کر گئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خاوند کی تعریف کر کے گئی ہے۔ اور کیا کہتی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت! اسے کیا مصیبت آئی تھی کہ وہ دربار خلافت میں آکر خاوند کی تعریف کرے کہ نمازیں اتنی پڑھتا ہے روزے اتنے رکھتا ہے۔ کہنے لگے پھر کیا کہہ کر گئی ہے۔ اکثمؓ نے کہا خاوند کی تعریف کرنے نہیں آتی تھی بلکہ استغاثہ اور دعویٰ دائر کر کے گئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دعویٰ کیا کر کے گئی ہے۔ اکثمؓ نے کہا کہ دعویٰ یہ کیا ہے کہ ساری رات تو رہتا ہے عبادت میں اور سارے دن رہتا ہے روزے میں کہ اللہ میاں کے کام کا تو ہے میرے کام کا نہیں ہے۔ یہ ہے اس کا منشاء وہ استغاثہ دائر کر کے گئی ہے۔ حضرت عمرؓ چُپ ہو گئے اور فرمایا کہ مجھ جیسے کو امیر بنادیا ہے جسے معاملہ سمجھنے کی بھی طاقت نہیں۔ میں اس قابل نہیں تھا کہ امیر بنایا جاتا۔ پھر فرمایا کہ اچھا اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی سمجھ دی ہے تو تو ہی فیصلہ کر اس مقدمے کا۔ جب اس نے استغاثہ دائر کیا ہے اور خاوند کی تعریف کی ہے تو کیا حکم شرعی ہونا چاہیے۔ انہوں نے فوراً ہاتھ کے ہاتھ فیصلہ کیا کہ امیر المؤمنین اس کے خاوند کو حکم دیا جاوے کہ چار دن میں سے ایک دن ضرور افطار کیا کرے اور خوب کھانا کھایا کرے اور چار راتوں میں سے ایک رات بالکل نہ جاگے بیوی کے پاس سویا کرے تین راتوں میں اُسے اختیار ہے کہ خوب تہجد پڑھے اور تین دنوں میں اُسے اختیار ہے کہ خوب روزے رکھے تو ہر چار دن میں سے ایک دن اور ہر چار راتوں میں سے ایک رات خالی چھوڑے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے اکثمؓ یہ حکم تم نے کہاں سے نکالا ہے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قرآن میں کہاں موجود ہے کہ اگر کسی بیوی کا خاوند رات دن عبادت کرے تو وہ چار رات دن میں سے ایک رات دن بیوی کے پاس گزارے عرض کیا کہ قرآن میں حکم ہے فَاَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنً وَاثَلًا وَمَا بَاعَ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ اگر چار بیویاں ہوں تو چار راتیں اسکی گھر جاتیں گے اگر چار میں سے ایک بیوی ہو تو تین راتیں خدا کی اور ایک رات بیوی کی

فرمایا سبحان اللہ کتنا اچھا فیصلہ ہے مجھ جیسے کو امیر بنادیا جس نے قرآن سے اتنا فیصلہ نہیں کیا۔ اسی دن حضرت عمرؓ نے ان کو چیف جسٹس یعنی قاضی القضاۃ بنادیا کہ اللہ نے تمہاری سمجھ کو تیز کیا ہے اس لئے تم ہی فیصلے کرو آج سے مسلمانوں کے مقدموں کے۔ ایک مثال سے پوری دیگ پر کھٹی جاتی ہے۔ جب ایک فیصلہ کیا جو کہ معمولی مسئلہ تھا جو قرآن سے پیش کیا۔ فرمایا کہ تیری سمجھ اس قابل ہے کہ آج سے تو مسلمانوں کے فیصلے کرے اسی بنا پر ان کو قاضی القضاۃ بنادیا۔

اطاعت سے انحراف قوم میں تفریق پیدا کرتا ہے | بہر حال اطاعتیں تین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی

اطاعت۔ رسول کی اطاعت۔ اور رسول کے جو نمائندے اور نائب ہیں ان کی اطاعت۔ جبکہ وہ رسول کی رسالت کو جاری کریں اور ان کے علم پر اعتماد ہو تو وہ واجب الاطاعت بن جاتے ہیں۔ پھر ان سے اور ان کی اطاعت سے انحراف کرنا قوم کے اندر تفریق ڈالتا ہے اس لئے مامورین کے ذمہ ہے کہ ہر صورت میں جب کہ وہ حکم شرعی بیان کریں تو ان کی اطاعت کریں لہذا جب ہم نے اپنا امیر شریعت بنالیا ہے اور بحمد اللہ ان میں امیر شریعت کے اوصاف بھی موجود ہیں جو اوصاف کہ واقعی طور پر ایک امیر کے اندر ہونے چاہیں خدا نے ان کو اہل بنایا ہے جب آپ کو ایک اہل طاؤ آپ کا فرض ہے کہ ان کی اطاعت کریں اب ایسے اشخاص تو آنے سے رہتے جو کبھی بھی غلطی نہ کریں۔ ہمیں اپنے ہی میں سے ایک کو بتانا پڑے گا اور اس کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ ہاں اتنا دیکھ لو کہ وہ بشر عمدہ ہو جس کی تمام زندگی تقویٰ و طہارت سے گذری ہو جس کی زندگی میں صلاح اور رشد پایا جاتا ہو وہ بے شک اس قابل ہے کہ وہ ہمارا مطاع بن جائے اور غلطی سے تو کوئی بشر خالی نہیں ہر ایک انسان غلطی بھی کرتا ہے مگر اس کے باوجود واجب الاطاعت ہے تو بہر حال اللہ تعالیٰ نے ایک امیر بنادیا آپ کیلئے جو اہل ہے امامت کا ہم سب کا فرض ہے کہ اس کی اطاعت کریں۔ اب اگر ان سے کوئی اور افضل ہو تو یہ ضروری نہیں کہ امیر سب سے افضل ہو۔ اگر دوسرا کوئی افضل بھی ہو تو اطاعت اسے بھی کرنی پڑے گی اس لئے کہ قوم نے مل کر ان کو امیر مقرر کر دیا ہے۔

خوامشہند کو امیر نہیں بنایا جائے گا | اگر کوئی یوں کہے کہ صاحب میں ان سے زیادہ کامل ہوں اس لئے میں امیر بنوں

گا تو مدعی کو امیر بنانے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا ہے خود شریعت میں مسئلہ موجود ہے لا فولی امرنا ہذا امن طلبہ جو خود عہدے کی طلب کرے اُسے کبھی عہدہ نہیں دیں گے۔

جو عہدے سے بچے اس کو امیر بنایا جائے | جو شخص عہدے سے بچے اور الگ رہے وہ اس

قابل ہے کہ عہدہ اس کے ذمے ڈالا جائے اس واسطے کہ جب مسلمانوں نے عہدہ ڈال دیا اس کے ذمے اور اس کو امیر بنادیا اور امیر نے پھر ایک قاضی مقرر کر دیا تو قوم کا فرض ہے کہ اس کی اطاعت کرے اگر خدا خواستہ کوئی ایسی بات سامنے آئے کہ صریح قرآن و حدیث کے خلاف فیصلہ دیا اور تخریب کر دی تو بھائی اس وقت غور کیجئے کہ ایسے کو امیر کیوں بنایا۔ لیکن قرآن و سنت کے مطابق فیصلہ کر رہا ہے تو اس سے بچا رہے سے کیوں انحراف کریں۔

امارت شریعہ کا قیام تنظیم ملت کا ذریعہ ہے | امارت شریعہ کا قیام ضروری ہے اور فقہاء کہتے ہیں کہ جب حکومت

اسلامی نہ ہو تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنا ایک امیر مقرر کر لیں اپنے معاملات ان کی طرف رجوع کریں اور صحیح و طاعت کے ساتھ اس پر چلیں۔ اس کا فائدہ پوری قوم کو پہنچے گا۔ وہ یہ کہ جب پوری قوم منظم ہوگی اور ایک کے تابع ہوگی تو اغیار پر اثر پڑے گا کہ یہ ہے متحد و منظم قوم۔ جب عید کی نماز ہوتی ہے اور ایک امام کہے پیچھے پچاس پچاس ہزار آدمی ہوتے ہیں تو بہت سے غیر مسلموں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ یہ نظام کسی قوم کو نصیب نہیں ہے جو اس قوم کو دیا گیا ہے کہ ایک کے اشارے پر لاکھوں آدمی جھک رہے ہیں حرم محترم میں جاتیں تو آپ دیکھیں گے کہ ایک امام کے پیچھے تیس لاکھ آدمی منہ زپڑھ رہے ہیں۔ امام جھکتا ہے تو وہ بھی جھکتے ہیں عجیب و غریب نظام قائم ہے ایک امام حج کے پیچھے سارے حجاج جا رہے ہیں ایک امام زکوٰۃ کے پیچھے سارے اپنی زکوٰۃیں پیش کر رہے ہیں تو اسلام نے ہر ہر جزئی میں

ایک نظم قائم کیا ہے اور نظام ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ جماعت نہ ہو اور جماعت ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ امام نہ ہو اور امیر نہ ہو اور امیر ہو ہی نہیں سکتا ہے جب تک کہ وسیع وطاعت نہ ہو۔ توسیع و طاعت ہم بکافرض ہے ہمیں اور آپ کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی توفیق دی کہ ہم نے اپنا ایک امیر مقرر کیا اور امیر محمد اللہ ایسا کہ قابل اعتراض نہیں ہے۔

دنیا میں کوئی ایسی ذات نہیں ہے | اعتراض سے کوئی بچا ہوا نہیں ہے
جو اعتراض سے بچی ہوئی ہو اعتراض سے کوئی خالی نہیں۔ اعتراض جس پر چاہو کر دو حتیٰ کہ اعتراض کرنے والوں نے اللہ دروہل پر بھی اعتراض کر دیئے ہیں کسی شاعر نے کہا ہے۔

قِيلَ إِنَّ اللَّهَ دُوْدٌ وَلَيْدٌ قِيلَ إِنَّ الرَّسُولَ تَدْكِبُهُنَّ

مَا نَجَّاهُ اللَّهُ وَالرَّسُولُ مَعَانٍ لِّسَانٍ أَلَدَىٰ لَيْكُفَ أَنَا

کہنے والے نے کہا کہ اللہ صاحب اولاد ہے۔ حضرت میلے علیہ السلام ان کے بیٹے ہیں اور وہ باپ ہیں اور حضرت مریم بیوی ہیں۔ رسول کے بارے میں کسی نے کہا کہ گاہن ہیں۔ کسی نے کہا کہ ساحر ہیں کسی نے کہا کہ مجنون ہیں تو شاعر کہتا ہے کہ جب اعتراض کرنے والوں نے اللہ و رسول کو بھی چھوڑا تو میں کون ہوں۔ میں بیچارہ کیا چیز ہوں۔ دنیا میں کون ہے ایسا جس پر اعتراض نہ ہوا ہو۔ بھائی تھوڑا بہت تو اعتراض سب پر ہوتا ہے۔ جمہوری زندگی کو دیکھا جاتا ہے کہ جمہوری زندگی سچائی سے گزر رہی ہے یا مکروہ فریب سے مصلح و تقویٰ پر گزر رہی ہے یا جہالت پر اس لئے اگر تھوڑی بہت غلطی بھی ہو جلتے تو وہ قابل عفو ہے۔ فَسَنَ نَعْفُو عَنْهَا وَنُنْفِئُهَا وَأَوْبِكُفَ هُذَا الْمَغْضُوْبِ جَنِّ كِي نِيَايَا غَالِب ہیں وہ اللہ کے یہاں بھی نجات پا جائیں گے معصوم تو انبیاء علیہم السلام و السلام کی ذات گرامی ہیں لیکن انبیاء کے بعد اولیاء معفوظ ہیں پھر اولیاء کے بعد جتنے ہم اور آپ ہیں نہ معصوم نہ معفوظ ہیں کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی غلطی ہو ہی جائے گی مگر جمہوری زندگی کو دیکھ کر حکم لگے گا۔ ایک ایک غلطی ہمیں پڑتی جائے گی یہ بدیتی ہوگی کہ ساری زندگی کی اچھائیوں

میں سے ایک بُرائی پر نظر پڑی تو اس کو آپ نے اُچھال دیا۔ یہ تو عناد کی بات ہے یہ کوئی آدمیت نہیں ہے۔ یہ ہے خلتِ ماکسہ بنی کریمؐ نے اس سے پناہ مانگی ہے۔ فرمایا کہ اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ خَلَلٍ مَّاكَوْنِیْ اَوْ مَرَّیَانِیْ وَ قَلْبٍ یَّدْعَانِیْ اِلٰی سَیِّئَةٍ وَ فَنَہَا دَانِ سَیِّئَةٍ اَنْشَاہَا کَرَامَہُ اللہ میں ایسے مکار دوست سے تیری پناہ لیتا ہوں جس کی آنکھیں مجھے دیکھیں اور اس کا دل میری ٹوہ میں لگا رہے۔ اگر نیکی دیکھے تو اسے چھپالے اور اگر بُرائی دیکھے تو اس کو پھیلاتا پھرے۔ ایسا دوست پسندیدہ نہیں ہے۔ بلکہ اگر کسی کی بُرائی آپ کے سامنے ہو تو اس کی اچھائیوں کو بھی دیکھنا چاہیے اور ان کی اچھائیوں کی وجہ سے اس کی بُرائی نظر انداز کر دینی چاہیے۔ یہ ہی قرآنِ کا فیصلہ بھی ہے اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ کہ نیکیاں تمام بُرائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ جب ختم ہو گئی پھر بُرائی رہ ہی کہاں گئی جس کو اُچھالا جاتے۔ لیکن کہنے والے اور اعتراض کرنے والے تو ہر وقت اور ہر زمانہ میں رہتے ہیں۔ کام کرنے والے اگر اس کی پرواہ کریں تو کچھ بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ قیامت میں جب باری تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی تو اعتراض کرنے والے بھی سامنے کھڑے ہوں گے اور کام کرنے والے بھی کھڑے ہوں گے۔ مگر کامیاب و سرخرو کام کرنے والے ہی ہوں گے۔ تو مشکرہ ادا کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے ہمیں اپنا امیر بنانے کی توفیق دی اور آگے ہم اس کی توفیق بھی بارگاہِ محمدی سے چاہتے ہیں کہ ہم اپنے امیر کی سب سے طاعت کریں اور ہم کو راہِ راست پر چلائے۔ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے۔ ہمیں اسلام پر قائم و دائم رکھے۔ ایمان پر خاتمہ فرماتے آمین یا رب العالمین

احقر ثناء احمد قاسمی

خادم تدیس مدرسہ خادم العلوم باغوالی
ضلع مظفرنگر۔ یوپی۔

مؤمنانہ زندگی قرآنی کلیتہ

الحمد لله نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ
و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یدہ اللہ فلا
مصل لہ و من یضللہ فلا ہادی لہ و نشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا
شریک لہ و نشہد ان سیدنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ امراہ
اللہ الی کافۃ الناس بشیرًا و نذیرًا و داعیًا الی اللہ باذنیہ و سرًا
منیرًا صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ و بارک و سلم تسلیما کثیرا کثیرا
اما بعد۔ ناعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم
و عباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ہونا و اذا خاطبہم الجاہلون قالوا
سلاما۔ والذین یمیتون لربہم سجد اوقیاما والذین یقولون
ربنا اصرف عنا عذاب جہنم ان عذابہا کان غراما انہا ساءت مستقر
و مقامًا والذین اذا انفقلو لم یسرفوا و لم یقتروا و کان بین ذالک قوامًا
والذین لا یدعون مع اللہ الہا آخر و لا یقتلون النفس التی حرم اللہ
الا بالحق و لا یشون و من یفعل ذالک یلق اثامًا یضعف لہ العذاب یوم
القیمۃ و یغلد فیہ مہانا الامن تاب و امن و عمل عملاً صالحاً و اولئک یشد
اللہ سیئاتہم حسنات و کان اللہ عفوراً رحیمًا و من تاب و عمل عملاً صالحاً
فانہ یتوب الی اللہ متاباً۔

نجات کا تعلق عمل سے ہے علم سے نہیں ہے | بزرگان محترم! یہ چند آیتیں
قرآن کریم کی اس وقت میں نے تلاوت کی جن کا تعلق زیادہ تر عمل سے ہے اس لئے
کہ علمی باتیں تو کانوں میں پڑتی ہی رہتی ہیں جلسوں میں مواعظ میں گفتگو میں لیکن عملی مسائل
کی گفتگو کم آتی ہے، اور کوتاہی ہم لوگوں کی جتنی ہے وہ عمل کی ہی ہے۔ علم کی نہیں، علم کے
وسائل تو اس زمانے میں اتنے بڑھ چکے ہیں کہ ہم علم کا ارادہ بھی نہ کریں تو خواہ مخواہ علم ہمارے
سامنے آتا ہے۔ کتابیں ہیں، رسائل ہیں، اخبارات ہیں تو رات دن سامنے علمی باتیں

آتی رہتی ہیں، کو تا ہی ہے درحقیقت عمل کی ہے۔ علم کی نہیں۔ بقول مرزا غالبؒ ہے

جاننا ہوں ثواب طاعت، وزہد

پر طبیعت ادھر نہیں آتی !

علم تو ہے مگر عمل کرنے کو جی نہیں چاہتا ہے، آمادگی نہیں ہوتی، اور نجات کا تعلق عمل ہی سے ہے علم سے نہیں۔ اس لئے میں نے ایسی چند آیاتوں کا انتخاب کیا ہے اس وقت کہ جنہیں زیادہ تر عملی چیزیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ عبادات کی طرف تو لوگ کافی متوجہ ہیں۔ نماز پڑھنا، ذکر، تلاوت، ایسکن اسلامی معاشرت کی طرف لوگ بہت کرم متوجہ ہیں کہ معاشرہ ہمارا اسلامی بن جائے، اور رہن سہن اسلامی ہو، طرز کلام و سلام اسلامی ہو، اٹھنا، بیٹھنا اسلامی ہو ان آیات میں ان ہی چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ فرمایا گیا

مخلوق خدا رحمت سے مربوط ہے | ”وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ“ رحمن کے بندوں کی کیا علامتیں ہیں، کس طرح پہچانا جائے کہ یہ رحمن کے بندے ہیں۔ رحمت کی صفت کو یہاں خاص کیا گیا یہ نہیں فرمایا گیا کہ عباد اللہ یعنی اسم ذات کی طرف نسبت نہیں کی گئی اور یہ بھی نہیں فرمایا گیا کہ عباد الجبار، و عباد القہار، عباد الرحمن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ دو وجہوں سے اولاً اس لئے کہ مشرکین مکہ لفظ اللہ سے تو واقف تھے۔ رحمن سے بالکل واقف نہ تھے حالانکہ رحمن کی صفت ایک درجے میں اسم ذات کے قریب ہے فرمایا گیا۔ قل ادعوا للہ اذ ادعوا الرحمن ایا مآتد عوا فلہ الا سماع الحسنیٰ۔ اسے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو۔ تو اللہ کے لفظ کے ساتھ رحمن کا لفظ لایا گیا۔ گویا یہ برابری کرتا ہے علم ذات کی، اور رحمن کی ذات کو مشرکین مکہ سمجھتے نہیں تھے چنانچہ ان ہی آیتوں سے دو چار آیت پہلے فرمایا گیا کہ واذا قیل لہم السجدوا للرحمن یعنی جب مشرکین مکہ سے کہا گیا کہ رحمن کو سجدہ کرو قالوا وما الرحمن انہوں نے کہا کہ رحمن کیا چیز ہوتا ہے وہ اس سے واقف ہی نہیں تھے، اسجد لمانا امرنا واذادھم نفوراً۔ تو غرض رحمن کے لفظ سے واقف نہیں تھے،

طبیعتیں چلتی نہیں تھیں۔ اسی لئے رحمن کے لفظ کو استعمال کیا گیا ہے دوسرے اس وجہ سے اختیار فرمایا گیا کہ حق تعالیٰ کی تمام صفات کمال میں۔ سب سے زیادہ غالب صفت رحمت کی ہے جس کے پر تو بے پڑ رہے ہیں عالم پر گویا اللہ نے اپنے بندوں کے ساتھ جو تعلق قائم کیا ہے تو رحمت کی صفت کے ساتھ کیا ہے۔ قہر و غضب کے ساتھ نہیں، اگر قہر و غضب کی بنا پر تعلق قائم ہوتا تو کسی مخلوق کا پتہ بھی نہ چلتا سب جل کر خاکستر ہو جاتے کون تاب لا سکتا تھا اس کے قہر کی اور اس کے جبر کی لیکن رحمت کی صفت وہ ہے کہ قدرتی طور پر آدمی رحم والے سے مربوط ہوتا ہے اسی لئے نبی کریمؐ کی شان مبارک رحمۃ اللعالمین ذکر فرمائی گئی ہے کہ جہانوں کے لئے آپ مری ہیں اور ہادی ہیں۔ اور ہادی کے لئے سب سے پہلی شان یہ ہے کہ رحمت اور شفقت اس میں کوٹ کر بھری ہوئی ہو اور اگر قہر اور جبر اور زیادتی ہوگی تو سب لوگ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ کوئی مربوط نہ ہوگا۔ تو رحمت و شفقت وہ ہے کہ باہم مربوط کر دیتی ہے حتیٰ کہ دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں۔

صفت رحمت غالب ہے حق تعالیٰ کی تمام صفات میں | حق تعالیٰ کی صفات
میں غلبہ ہے صفت رحمت کو اور حق تعالیٰ نے اس کو ایک حتیٰ صورت دی اور ایک تکنیکی صورت پیدا فرمائی، تاکہ اسکی رحمت کا غلبہ ظاہر ہو۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ شریعت اسلامی جتنی کائناتوں کا پتہ دیتی ہے سب سے اوپر عرش ہے، عرش مثل قتبے کے چھایا ہوا ہے سارے جہانوں کے اوپر جیسے سر پوش ڈھانپ دیتے ہیں اور سینی میں ہزاروں چیزیں ہوتی ہیں سر پوش ڈھانپ دیا تو ساری چیزیں اس کے اندر آجاتی ہیں۔ تو عرش تک تو چلتی ہے مخلوق مگر عرش کے اوپر کسی مخلوق کا پتہ نہیں۔ وہاں اگر شریعت کسی مخلوق کا پتہ دیتی ہے تو وہ ایک لوح اور تختی ہے جو آسمانوں اور زمینوں سے بڑی ہے اور عرش پر رکھی ہوئی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ ان ماحتمی مسبقات غضبتی میری رحمت غالب ہے میرے غضب کے اوپر یہ گویا دستاویز کے طور پر کائناتوں کے بادشاہ نے لکھ کر رکھ دیا ہے کہ میری پالیسی اپنی

مخلوق کے ساتھ رحمت و شفقت کی ہوگی تاکہ مخلوق مانوس و مربوط ہو جائے اور جو پیغام اسے دیا جائے قبول کرے، قہر و غضب سے دل کسی بات کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا لیکن شفقت سے مرحمت سے آپ کچھ بھی کہیں آدمی بھائی ہو جاتا ہے۔ اور خود حق تعالیٰ نے عرش پر جو استوار فرمایا تودہ صفت رحمت سے فرمایا: "الرحمن علی العرش استوی"۔ چھایا رحمن عرش پر یہ نہیں فرمایا گیا کہ الجبار علی العرش استوی، "الغیا علی العرش استوی"۔ قہر والا چھایا عرش پر، جبر والا چھایا عرش پر، بلکہ رحمت والا چھایا گیا تو گویا اب نتیجہ یہ نکلا کہ ساری کائنات کے اوپر چھایا ہوا ہے عرش، اور عرش پر چھائی ہوئی ہے رحمت، تو نتیجہ نکلتا ہے کہ ساری کائنات پر چھائی ہوئی ہے رحمت، تو ادل تو تختی لکھ کر رکھ دی کہ ہماری پالیسی اور ہماری تقدیر عالم کے لئے رحمت کی ہوگی۔ پھر صفت رحمت غالب ہوئی اور استوار کیا عرش پر تو گویا یہ اعلان ہو گیا کہ اس کے نیچے جتنی مخلوق ہے وہ سب رحم و کرم کا برتاؤ کرے گی اور عرش قائم کیا گیا پانی کے اوپر دکان عموثہ علی المار اور رحمت کو اگر صورت دی جائے تودہ پانی کی ہوگی، جیسے غصہ اور غضب کو شکل دی جائے تودہ آگ کی شکل اختیار کرے گی یہی وجہ ہے کہ جب آدمی غضبناک ہوتا ہے اور غصے میں لال پیلا ہوتا ہے تو کہا کرتے ہیں کہ فلانا آگ بگولا ہو گیا یہ کوئی نہیں کہتا کہ پانی پانی ہو گیا، پانی پانی جب کہتے ہیں جب اس کا رحم و کرم ظاہر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ غضب کی صورت مثالی آگ کی ہے یعنی اگر غضب کو اور قہر کو مجسم بنایا جائے تو آگ کی شکل اختیار کرے گا اور رحمت کو اگر جسم دیا جائے تودہ پانی کی شکل اختیار کرے گا تو پانی پر قائم کیا عرش کو کہ وہ صورت مثالی ہے رحمت کی اور عرش پر خود چھائے صفت رحمت سے تو اوپر بھی رحمت نیچے بھی رحمت اور عرش میں فرمایا گیا کہ اللہ نے کائنات کو پیدا کر کے تسو رحمتیں پیدا کیں انہیں سے ایک رحمت ہماری ہے اس پوری کائنات میں جس کی وجہ سے ماں باپ اپنی اولاد پر رحم کھاتے ہیں جانور اپنے بچوں پر رحم کھاتے ہیں۔ ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی پر رحم کھاتا ہے تو ایک رحمت کا اثر ہے جو پوری کائنات میں پھیلی ہوئی ہے اور ننانوے رحمتیں

نہیں ہیں، عرش کے نیچے کہ قیامت کے دن گنہگاروں کے لئے استعمال کی جائیں گی تو جب ایک رحمت کا یہ اثر ہے کہ آدمی جب رحم و کرم پر آجاتا ہے تو کوئی دشمن باقی نہیں رہتا ہے سارے دوست ہی در دست بن جاتے ہیں۔

حق تعالیٰ قیامت میں اپنے بندوں کی چیلے بہانوں سے مغفرت فرمائیں گے

حق تعالیٰ قیامت کے دن جب ان ننانوے رحمتوں کو استعمال فرمائیں گے تو کتنی عظیم مغفرت ہوگی، کتنی بخششیں ہوگی۔ **لن يهلك على الله الا هالك**۔

بس جسے ہلاک ہی ہونا ہوگا وہ تو ہلاک ہوگا۔ رحمت نہیں چاہے گی کہ کوئی ہلاک ہو۔ بلکہ یہ چاہے گی کہ یہ بخشا جائے نجات پا جائے، کامیاب ہو جائے اسکی ہزاروں مثالیں ہیں جو احادیث میں دی گئی ہیں جس معلوم ہوتا ہے کہ — رحمت حق بہانہ می جوید

— اللہ کی رحمت لوگوں پر بخشش کرنے کے لئے بہانے تلاش کرے گی قیمت

کی طلب گار نہیں ہوگی، کہ کچھ معاوضہ ہمیں دو تو ہم رحمت کریں گے بلکہ رحمت عام

ہوگی، چیلے بہانوں سے رحمت کی جائے گی، ذرا ذرا سی چیز پر مغفرت کی جائے گی، تھ

میں فسر یا گیا ہے کہ دو آدمی آئیں گے جن کو حکم دیا جائے گا جہنم کا، ملائکہ ان کو جہنم

میں لے جائیں گے اور جہنم میں ان کو جھونک دیں گے، وہ جہنم میں پہنچ کر اتنے چلا میں

گئے کہ سارے جہنموں پر ان کی آواز غالب آجائے گی بے حد شور مچائیں گے تصنع کے

ساتھ پوری آواز سے ہائے واویلا کریں گے حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان کو نکال کر لاؤ،

ملائکہ ان کو نکال کر لائیں گے ان کی پیشی ہوگی، فرمائیں گے کہ تم اتنا کیوں چلا رہے ہو

کیا تمہارے اوپر ملائکہ نے کچھ زیادتی کی ہے، کیا مقررہ عذاب سے کچھ زیادہ عذاب دے

دیا تم کو، وہ کہیں گے، کہ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں فرمائیں گے پھر اتنا کیوں چلا رہے ہو،

وہ کہیں گے کہ اس لئے چلا رہے تھے کہ آپ ہمیں نکالیں بس ہمارا مقصد پورا ہو گیا

گویا وہاں بھی وہ چار سو بیسی کریں گے فسر مائیں گے حق تعالیٰ کہ تم قدرت کو دھوکہ دینا

چاہتے ہو، چیلے حوالے کر رہے تھے کہ تم کو نکال دیا جائے، تم جہنم کے اندر توڑا جاؤ تو

ایک تو فوراً جا کر کود پڑے گا جہنم میں اور ایک وہیں ڈٹ کر کھڑا ہو جائے گا۔ اُسے اُڑ

دیا جا رہا ہے حکم دیا جا رہا ہے مگر جانا نہیں دیں کھڑا ہوا ہے۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم نے حکم عددی کیوں کی ہے جب ہمارا حکم تھا کہ جا جہنم میں تو نے کیوں نہیں مانا۔ وہ کہے گا اے اللہ! بے شک آپ کا حکم تھا اور وہ واجب التعمیل تھا مگر میرے ذہن نے یہ قبول نہیں کیا کہ آپ رحیم و کریم ہو کہ عذاب سے نکال کر پھر دوبارہ عذاب میں داخل کریں اتنا اعتماد مجھے آپ کی رحمت پر تھا کہ کسی طرح دل نہیں مانتا تھا کہ عذاب سے نکال کر واپس رحمت میں لے آئیں۔ اور پھر عذاب میں داخل کریں یہ رحمت کی شان سے بعید ہے۔

اس پر بھروسہ کر کے میں ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تیرا یقین صحیح تھا جا تیری نجات ہو گئی وہ صرف جیلہ ہی تو تھا مغفرت کا پھر دوسرے سے پوچھیں گے جو فوراً جہنم میں کود پڑے گا۔ کہ فوراً کیوں کو دپڑا وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ میں نے ساری عمر نافرمانی ہی میں گزار دی شریعت کا ایک حکم بھی مان کر نہیں دیا۔ میں نے سوچا کہ یہ میرے پروردگار کا آخری حکم ہے اسکی تعمیل کر لوں اس واسطے میں فوراً کو دپڑا حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے اتنی بڑی نیکی کی کہ تیرے سارے گناہ ختم ہو گئے جا تیری بھی نجات ہو گئی۔ تو یہ ہے وہ کہ رحمت حق بہانہ می جوید کہ اللہ کی رحمت بہانے تلاش کرے گی۔ مغفرت کے یعنی خود ہی ایسے سامان پیدا فرما دیں گے کہ جیلہ ہو جائے مغفرت کا۔ کرنی ہوگی مغفرت پہلے ہی سے کہ مقصود ہوگی مگر اس کے لئے ایک جیلہ بنا دیں گے۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص حاضر ہوگا اور اس کا نام اعمال نیکیوں سے بھر پور ہوگا۔ جگہ کار ہوگا۔ ساری عمر میں صرف ایک بدی کی ہوگی اس کے دل میں یقین ہوگا کہ میری تو سو فیصد مغفرت ہوگی، ایک بدی سے وہ کیا پکار کرے گی، وہ آئے گا اور بہت ناز کے ساتھ آئے گا کہ بے ہی نہیں کوئی بدی لے دے کہ صرف ایک بدی ہے، فرمائیں گے تیری مغفرت اسی سے ہے کہ اس بدی کو نیکی سے بدل لاؤ جب تیری نجات ہوگی ورنہ نہیں۔ اب وہ بیچارہ پریشان ہوگا، وہاں مانگتا پھرے گا کون تیار ہوگا اپنی نیکی دینے کو ڈوبتے کو تنکے کا سہلا ہوتا ہے، وہاں تو ذرا سی نیکی ہوگی لوگ سہارا دیکھیں گے شاید اسی کی وجہ سے نجات ہو وہاں کون یہ سخاوت کرے گا کہ بھائی نیکی تو لے جا کوئی دینے کو تیار نہ ہوگا

تھی کہ جو ماں باپ ہوں گے وہ بھی ہٹ جائیں گے۔ وہاں کون کس کا پُرسنانِ حال

ہوگا۔ یوم یفر المرء من اخیہ دامہ و ابیہ وصاحبۃ و بنیہ۔ وہاں

باپ اولاد سے بھاگتا پھرے گا اولاد ماں باپ سے بھاگتی پھرے گی۔ ماں باپ

چھائیں گے کہ ساری اولاد جہنم میں چلی جائے لیکن ہم کُٹنی بچ جائیں۔ اولاد چاہے گی

کہ چاہے سارے ماں باپ جہنم میں چلے جاویں لیکن ہم کسی طرح سے بچ جاویں تو وہاں

نفسی نفسی ہوگی، اپنی نیکی دینے کو کون تیار ہوگا۔ اب یہ بیچارہ پریشان پھر رہا

ہے کس سے نیکی مانگے کون نیکی دے گا۔ ایک شخص سامنے آئے گا جس نے ساری

عمر بدیاں ہی بدیاں کی ہونگی اس شخص پوری عمر میں ایک ہی نیکی کی ہوگی یہ التبا کرے

گا کہ بھائی ایک نیکی چاہئے وہ کہے گا کہ بھائی میرے پاس تو کل ایک نیکی ہے میں

تو ادل بھی جہنم میں اور آخر خدا بھی جہنم میں۔ میرے پاس تو بدیاں ہی بدیاں ہیں۔ میری

نجات کہاں ہوگی اگر تیرا کام چلے تو تو ہی لیجا اس ایک نیکی کو اور لا اپنی بدی مجھے دے

دے اب اس کا پورا نامہ اعمال نیکیوں سے بھر پور ہوگا۔ باری تعالیٰ فرمائیں گے کہ اس

شخص کو بھی آنا چاہیئے تھا جس نے مجھے ایک نیکی دی تھی وہ بھی آئے گا اب اس کے

پاس کچھ بھی سہارا نہیں فرمائیں گے حق تعالیٰ کہ تو نے نیکی دے کر آج اتنی بڑی نیکی

کی ہے کہ ساری بدیاں تیری ختم ہو گئیں۔ جاتی تری بھی نجات ہو گئی، یہ بے وہ کہ "رحمت

حق بہانہ می جوید اللہ کی رحمت بہانے تلاش کرتی ہے، تو بہر حال ایسے ہزاروں واقعات

حدیث میں فرمائے گئے ہیں کہ رحم و کرم سے بندوں کی نجات کی جائے گی۔

رحمن کی شان | تو اللہ کی رحمت غالب ہے اس رحمت کے غلبہ کی تکنیکی صورت تو یہ

ظاہر فرمائی کہ عرش پر صفت رحمت کے ساتھ استوار فرمایا۔ اور عرش کے اوپر تختی

لکھ کر رکھ دی کہ اِنَّ دَحٰتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے

اور عرش کو قائم کیا پانی پر جو صورت مثالی ہے رحمت کی اس کے نیچے سورج تھیں

ننانوے جہتیں رکھ لیں کہ قیامت کے دن استعمال کریں گے بندوں پر اور ایک

رحمت بھبھدی عالم میں جس سے بڑے اپنے چھوٹوں پر ماں باپ اپنی اولاد پر جانور

اپنے بچوں پر رحم کھاتے ہیں تو اوپر سے لے کر نیچے تک رحمت ہی رحمت کا کارخانہ ہے غضب کا نہیں، کوئی ناہنجار بدیاں کر کے اپنے لئے خواہ مخواہ غضب طلب کرے یہ اسکی ذمہ داری ہے حق تعالیٰ تو رحمت ہی رحمت کرنا چاہتے ہیں، ہم بنالیں اس رحمت کو زحمت یہ ہمارا خود کا فعل ہے۔ لن یهلك علی اللہ الا هالك جو بھی ہلاک ہو گا وہ خود ہی ہلاک ہونے کا ارادہ کرے گا تو ہلاک ہوگا۔ ورنہ اللہ نہیں چاہتے کہ کوئی ہلاک ہو۔ ذرا ذرا سے جیلوں سے مغفرت فرماتے ہیں یہ بے رحمی کی شان، اس لئے رحمن کے بندوں کی شان بھی رحم و کرم کی ہونی چاہیے۔

رحمن کے بندوں کی شان کیا ہونی چاہیے | عباد الرحمن رحمن کے بندوں کی کیا شان ہونی چاہیے۔ اسمیں گویا اس طرف اشارہ کہ ان کی شان بھی باہم میل ملاپ میں رحمت کی ہو، شفقت کی ہو، جب دو مسلمان ملیں تو شفقت سے ملیں، دو اجنبی ملیں تو ملنساری اور شفقت سے ملیں

کوئی نوع ایسی باقی نہ رہے کہ جس میں شفقت و رحمت نہ ہو۔ تو رحمن کے بندوں کی شان کیا ہونی چاہیے؟ رحمانیت ہونی چاہیے۔ رحمت ہونی چاہیے۔ اور وہ ایسی ہو رحمت کہ ان کی چال ڈھال سے بھی ظاہر ہو ان کے قال سے بھی ظاہر ہو ان کے حال سے بھی ظاہر ہو، ہر چیز میں رحمت نمایاں ہو تب ہی وہ رحمت کے بندے کہلائیں گے، اور اگر بندے لگیں آگ بگولا ہوتے جیسے دیکھو وہ کاٹنا بن کے چھبتا ہے۔ وہ رحمن کا بندہ کیا ہوگا، جیسے حضرت ابوالدرداء جلیل القدر صحابی ہیں اور دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں لوگوں کو دیکھا آپس میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں لڑائی بھڑائی چل رہی ہے آوازیں سخت اور کرخت ہو گئیں بہت رنج ہوا اس لئے کہ وہ تو صحابی ہیں جلیل القدر صحابہ کا دور دیکھے ہوئے ہیں اور صحابہ کی شان یہ تھی کہ اشتد علی الکفار، احماء بینہم کفر پر شدید تھے مگر آپس میں رحیم تھے وہ دور تو دیکھے ہوئے ہیں۔ اب جو بعد کا دور دیکھا کہ لوگ لڑ رہے ہیں جھگڑ رہے ہیں دوسرے کی مخالف سمت میں کھڑے ہو رہے ہیں تو بڑی حیرت سے ایک جملہ فرمایا اور کتنا بلیغ جملہ تھا

فرمایا کان الناس ودق الا شوک فیہ وصا و شوکا لا و درق فیہ کہ لوگ ہرے
بھرے پتے تھے کہ جنہیں کانٹا کا نشان نہیں تھا اب ایسے کانٹے بن گئے ہیں کہ انہیں
ہرے پتے کا نشان نہیں جیسے دیکھو ایک چھتا ہے جسے دیکھو ایک دوسرے کو برا کہتا
ہے تو لوگ کانٹے بن گئے ہرے ہرے درق نہیں ہیں۔ اس چیز کو دفع کرنے کے لئے
حق تعالیٰ نے فرمایا وعباد الرحمن کہ جب رحمن کے بندے ہو تو رحمانیت اختیار کرو
و کرم اختیار کرو۔

مومن کی رفتار | ہر قول و فعل سے تو رحمت ظاہر ہو، گھر سے باہر نکلے گا آدمی سب
سے تو چال نظر آئے گی تو چال میں بھی رحمت کی شان ہونی چاہیے ایک تو یہ ہے کہ آدمی
کھٹ کھٹ کرتا ہوا چلے، جیسے کوئی جبار و قہار آ رہا ہو، فرعون آ رہا ہو، یہ نہیں بلکہ عباد
الرحمن السذین یشون علی الاماضی ہونا۔ رحمن کے بندے وہ ہیں کہ
زمین پر چلتے ہیں تو نرم رفتاری کے ساتھ نہ اسمیں کبر ہوتا ہے نہ اسمیں رعوت
ہوتی ہے نہ فرعونیت ہوتی ہے بلکہ تواضع شد خاکساری، عبدیت، بندگی یہ شان
ہوتی ہے۔ جب بندگی دل میں گھر کے ہوئے ہو تو چال میں بھی بندگی آئے گی جب
دل میں پرچی ہوتی ہے بندگی تو قول میں بھی وہی بندگی آئے گی اور وہی تواضع اور
وہی انکساری کی شان ہوگی۔ زمین پر نرم رفتاری کے ساتھ چلیں۔ یعنی اعتدال کی
چال ہونے تو ہوشد کی چال کہ ٹھوکریں مارتے ہوئے چلیں جیسے جانور چلا کرتے ہیں،
شیر بھڑپے جب چلتے ہیں تو زمین پر پیر مارتے ہوئے چلتے ہیں۔ یہ شان بندوں
کی نہیں ہونی چاہیے۔ اور نہ بالکل بیماروں کی سی چال ہو۔ جیسے معلوم ہو کہ اب گر
پڑیں گے نیچے گردن جھکی ہوئی جیسے کوئی مرل چلا آ رہا ہو ایسا نہیں ہونا چاہیے بلکہ
واقصد فی مشیك اعتدال اور میانہ روی پیدا کرو اپنی چال میں نہ بیماروں
کی چال ہو نہ متکبروں کی چال۔ بلکہ نرم رفتاری ہو۔ جسمیں ایک طرف تو وقار ٹپکتا
ہو اور ایک طرف توت و جلالت ٹپکتی ہو، بہادری بھی رہے اسمیں اور وقار بھی ہے
اور تواضع بھی رہے احادیث میں نبی کریم کی چال مبارک کی جو تفسیر آتی ہے وہ ہے

کان ہمیشی تعلقاً یعنی آپ اس طرح سے قوت سے چلتے تھے کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے زمین کھود کر نیچے آ رہا ہو اس قوت سے پیر پڑتا تھا۔ اور تواضع کا یہ عالم کہ گردن نیچے ہوتی تھی تواضع بھی حد کمال کو پہنچی ہوتی تھی، قوت و جلالت بھی حد کمال کو پہنچی ہوتی تھی، نہ ضعیفوں کی چال نہ متکبروں کی چال، بلکہ درمیانی چال جس میں تواضع بھی اور تواضع کے ساتھ وقار بھی، خود داری بھی دونوں چیزیں ہوتی تھیں اور پسند بھی یہی کیا گیا کہ مسلمانوں کے ہر فعل میں نہ تو ضعف ہو فرمایا گیا۔ المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف قوی مسلمان بہتر ہے ضعیف مسلمان سے قوت ہونی چاہیئے اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ اسمیں کبر و رعوت ہونی چاہیئے اس سے بھی بچایا گیا اور ضعف سے بھی بچایا گیا جب آپ گھوڑے پر سوار ہوئے تو آپ کی عادت یہ تھی کہ رکاب میں پیر رکھ کر سوار نہیں ہوتے تھے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی محتاجی ہے کہ ہم چسڑھ نہیں سکتے جب تک رکاب میں پیر نہ ڈالیں بلکہ اچھل کر سوار ہوتے تھے تاکہ قوت ظاہر ہو یہ آپ کی شان تھی کہ ایک دم اوپر پہنچے اور رکاب کا سہارا نہیں لیتے تھے زمین نہ ہو تو دیسے جم جاتے تھے، گھوڑے کے اوپر تو آپ کی ہر چیز میں قوت بھی اور تواضع بھی، انکساری بھی عبدیت بھی ہوتی تھی۔ فرمایا گیا ”واقتصد فی مشیک“، اچال میں اپنی میا نہ روی اختیار کرو، ضعف بھی نہ ہو کہ کوئی مرہل چلا آ رہا ہے نہ کبر و رعوت ہو کوئی سمجھے کہ کوئی فرعون آ رہا ہے نرم رفتاری سے چلیں گے تو دوسروں کو سلام کرنے کی بھی ہمت ہوگی کہ کوئی ان آ رہا ہے اور کھٹکھٹ کرتے ہوئے چلیں گے تو لوگ ڈر جائیں گے کہ کوئی درندہ آ رہا ہے جیسے سقراط کا واقعہ ہے۔

سقراط کا واقعہ | سقراط کا ایک بہت بڑا حکیم تھا اور گویا ایک درجہ میں طب کا موجد سمجھا جاتا ہے اور رات دن پہاڑوں میں جڑی بوٹیوں کا امتحان کرتا پھرتا تھا، سارا دن گھومتے گھاتے ایک دن آیا ایک دکان پر بیٹھا دن بھر کا تھکا ہوا تھا اس کے آنکھ لگ گئی پیر تو زمین پر رکھے ہوئے ہیں اور بیٹھا ہوا ہے دکان کے تختہ پر اور نیند لگنی بادشاہ وقت کی سواری نکل رہی تھی نقیب و چوہدار ہٹو بچو کہتے جا رہے ہیں اور

اس بیچارے کو کچھ خبر نہیں یہاں تک کہ بادشاہ کی سواری قریب آگئی تو بادشاہ ناگوار گذار کہ پبلک کا ایک آدمی اور پیر بھلائے ہوئے بیٹھا ہے۔ نہ بادشاہ کی تعظیم ہے نہ عظمت ہے بڑا بے ادب گستاخ بادشاہ کو اتنا جذبہ آیا کہ سواری سے اتر کر اس کو ایک ٹھوکر ماری زور سے اب سقراط کی آنکھ کھلی اور آنکھ ملے دیکھنے لگا اور بادشاہ نے کہا کہ جانتا بھی ہے تو کہ میں کون ہوں اس نے کہا جی ہاں میں یہی جاننے کی کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کون ہیں اور اب تک اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ شاید آپ جنگل کے کوئی درندے معلوم ہوتے ہیں اس لئے آپ نے ٹھوکر ماری ہے اور وہی ٹھوکر مار کر چلتے ہیں۔ بادشاہ کو اور زیادہ ناگوار گذرا اس نے کہا کہ تو جانتا نہیں کہ میں بادشاہ وقت ہوں، میرے ہاتھ میں اتنے خزانے ہیں، اتنی فوجیں ہیں اتنے سپاہ ہیں اتنے قلعے ہیں اتنے شہر ہیں میرے قابو میں، سقراط نے بڑی متانت سے کہا کہ بندہ خدا تو نے اپنی بڑائی کے لئے پیش کیا فوجوں کو، ہتھیاروں کو، خزانوں کو، روپے کو پیسے کو ان میں سے ایک چیز بھی تیرے اندر کی تو نہیں ہے سب باہر ہی باہر کی چیزیں ہیں تیرے اندر کیا کمال ہے جس کی وجہ سے تو دعویٰ کرے کہ تو باکمال ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ روپے پیسے نے تجھے چھوڑ دیا بس تو ذلیل ہو گیا اب تیری عزت ختم ہو گئی تاج و تخت اتفاق سے پاس نہ ہو تو بس تو ذلیل ہو گیا، فوجیں اگر کہیں رہ جائیں اور تو شکار میں آگے بڑھ جائے تو ذلیل ہے اس لئے کہ فوج تو ہے ہی نہیں یہ کیا عزت ہوئی کہ اندر کچھ نہیں اور بیرونی چیزوں پر مدار کار رکھے ہوئے ہے۔ تیرے اندر کی کیا چیز ہے نہ فوجیں تیرے اندر کی ہیں نہ تاج و تخت تیرے اندر کا ہے تو اگر اپنا کمال بتلاتا ہے اور بڑائی بتلاتا ہے تو اندر کا کمال پیش کر اگر تیرے اندر واقعی کوئی کمال ہے اب وہ بیچارہ بادشاہ بھی حیران ہوا کہ واقعی بات سچی ہے جواب دے نہ سکا اس نے کہا کہ اگر تجھے کمال دکھلانا ہے تو ایک لنگی باندھ اور کپڑے اتار اور میں بھی لنگی باندھتا ہوں اور کپڑے اتار کر اس دریا میں کودتے ہیں اور وہاں اپنے اپنے کمالات دکھلائیں گے اس وقت معلوم ہوگا کہ تو باکمال

ہے یا میں باکمال ہوں تو گویا سقراط نے بتلایا کہ کمال حقیقت میں؟ س پر مبنی فخر کرے وہ اندرونی کمال ہے اندر تو کمال نہ ہوا اور باہر کی چیزوں پر فخر کرے وہ ہمیشہ جدا ہونے والی چیز میں ہیں وہ جدا ہو گئیں تو بے کمال ہو گیا، ذلیل ہو گیا یہ کیا کمال ہے۔

حقیقت میں کمال اپنے اندر کا ہے اور اسی پر بھی فخر کی اجازت نہیں | حقیقت

میں کمال وہ ہے کہ زمین کے اوپر ہو جب بھی باکمال اور زمین کے اندر نیچے دفن کر دو جب

بھی باکمال رہے میدان حشر میں لے جائے جب بھی باکمال رہے اور جنتوں میں

جائے جب بھی باکمال رہے کمال وہ ہے جو نفس کے ساتھ قائم رہے۔ باہر کی چیز میں

کوئی کمال نہیں، وہ جدا ہو گئیں تو بے کمال ہو گیا تو حقیقت یہ ہے کہ آدمی فخر کرے کچھ

اپنے کمال پر کرے جو اندر ہے، اذل اس پر بھی فخر کی اجازت نہیں اس لئے کہ کوئی بھی

کمال ہونا ان کی ذات میں نہیں ہے اگر ہے تو وہ اللہ کا دیا ہوا ہے دوسرے کے

دی ہوئی چیز پر کیا فخر کرے شکر کا موقع تو ہے کہ مجھے عطا کر دی ہے فلاح چیز، لیکن

فخر کرے تو اپنی ذات پر کرے بجز کافرہ بلند کرے تو کسی ذاتی کمال پر کرے۔ اور

آدمی کی غفلت میں کمال ہی کیا ہے کہ جس پر وہ فخر کرے، مادی طور پر آدمی کی ذات

کو دیکھو تو وہ نجاست سے بھری ہوئی ہے کہ اس کے اندر پاخانہ، پیشاب اور دم

مسفوح اور خون ہے کہ باہر نکل آئے تو پڑا بھی ناپاک یہ تو حقیقت ہے اور اخلاقی اور

جہلی طور پر دیکھو تو جہالت اور بد اخلاقی یہ فخر کی چیز ہے؛ نجاست فخر کی چیز ہے؟

فخر ہوتا ہے کمال پر اور کمال اس کی ذات میں ہے نہیں اس لئے فخر کی بھی اجازت نہیں

اور اگر کمال ہے تو وہ بھی اللہ کا دیا ہوا ہے، اس پر شکر کا موقع ہے لیکن ہر حال اگر کوئی

فخر کرے بھی تو اپنے اندر کی چیز پر کرے، مثلاً علم پر، اخلاق پر، اگر اسے جھک

ہی مارنا ہے تو کسی اندرونی کمال پر جھک مارے اندر کچھ نہ ہو اور باہر باہر کی چیزوں پر

فخر کرے تو باہر کی چیز میں اسے چھوڑ دیں گی تو بے کمال رہ جائے گا تو یہ کیا کمال

ہے، یہ کیا عزت ہوئی تو غرض اصل چیز اندرونی کمال کو اس لئے فرمایا کہ تمہارے

نفس کے اندر تواضع اور انکساری ہو اور جب تم چلو تو چال میں بھی وہی انکسار آئے

وہی بندگی آئے اس میں نہ تکبر ہو نہ ضعف ہو، متانت ہو سنجیدگی ہو، وقار ہو، خود داری ہو کہ دوسرا یوں کہے کہ کوئی شائستہ انسان آ رہا ہے لفنگا آدمی نہیں ہے۔ اس کے دل میں وقفت بیٹھے تو ییشون علی الامراض ہونا میں ادب ہو رفتار کا، چال ڈھال کا، اب آگے قول ہے۔

مومن کی گفتار | قول کے بارے میں فرمایا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلماتم جب جاہل لوگ جہالت سے اس کے ساتھ معاملہ کریں اور باتیں کہیں اکھڑی اکھڑی بے تمیزی کی تو یہ نہیں کہ اس سے خود بھی الجھے کہ اس کی گالی دی تو تم بھی اسے گالی دینے لگو۔ اس نے اگر بد تہذیبی کی بات کی تو تم بد تہذیبی کر دو، واذا خاطبهم الجاهلون، جب جاہل جاہلانہ حرکتوں سے خطاب کریں تو تمہارا جواب کیا ہو، قالوا سلماتم ہمارا اسلام لو، ہم ان باتوں کو نہیں جانتے ہیں۔ تمہیں ہی مبارک ہو، یہ چیزیں ہمیں تو اسلام نے یہ چیزیں نہیں بتلائیں کہ ہم بحث مباحثہ کریں اور گالم گلوچ ہو اور ہم ورشت کلامی سے پیش آئیں یہ تمہیں ہی مبارک ہو۔ قالوا سلماتم ہمارا تو سلام لو۔ ہم اس تلاش کے آدمی نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اگر آدمی لڑے بھڑے گا اور اس نے ایک گالی دی اور آپ نے دو دیں تو گالی مٹی نہیں بلکہ تنگنی ہو گئی، اس کی ایک دی تھی دو آپ نے دیدیں، تین گالیاں جمع ہو گئیں۔ تو اس عالم میں گندگی پھیلی اور آپ نے گالی کا جواب سلام سے دیا۔ دعا سے دیا تو اس کی گالی مٹ گئی اور آپ کی دعا غالب آگئی اور عالم پاک ہو گیا جھگڑے سے دنیا پاک نہیں ہوتی بلکہ جھگڑے کو اور برائی کو خیر سے بدل دیا جائے تو دنیا پاک ہو جاتی ہے۔

غیروں کے شر کو اپنی خیر سے دفع کرو | جیسا کہ قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے ادفع بالتي هي احسن فاذا الذي بينك وبينه عداوة كانا دولی حمید کہ دوسروں کے شر کو اپنی خیر سے دفع کرو گالی کا جواب گالی سے مت دو بلکہ اگر کوئی گالی دے تو تم کہو کہ بھائی صاحب! آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ مناسب نہیں جب آپ اسے بھائی صاحب کہیں گے تو خواہ مخواہ بھی شرمندہ ہو گا اور اس کی گردن

جھک جلتے گی کہ اگلا تو بھائی صاحب کہہ رہا ہے میں کیسے گالیاں دوں۔ جب آپ خود ہی کہہ رہے ہیں کہ بھائی میں تو حقیر آدمی ہوں، تو وہ دوسرا لڑے گا تو کاہے پر لڑے گا اور آپ یوں کہیں کہ میں تجھ سے بڑا ہوں وہ کہے گا میں تجھ سے بڑا ہوں تو ضرور لاٹھی ڈنڈا چلے گا اور اگر وہ کہے کہ میں بڑا ہوں تو آپ کہیں کہ بے شک آپ بڑے ہیں میں تو حقیر آدمی ہوں اب اس کی لڑائی کہاں چلے گی؟ کس سے لڑے گا وہ؟ تو اضع میں لڑائی نہیں ہوتی۔ وہ بہت ہی بد طینت ہوگا جو خواہ مخواہ لڑے گا ورنہ قاعدے میں لڑائی نہیں ہو سکتی ہے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ ادفع بالستی ہی احسن فاذا الذی بینک و بینہ عداۃ کا نہ دلی حمیمہ کہ دوسرے کی برائی کو اپنی بھلائی سے دفع کر دے اگر دشمنی بھی ہوگی اس کے دل سے جائے گی اور دوست بن جائے گا مگر یہ بھی وضاحت فرمادی وما یلقھا الا الذین مبرود ما یلقھا الا الذین وحظ عظیم، یہ بات وہی کر سکتا ہے جس کے اندر صبر و تحمل ہو اور صواب و استقلال موجود ہو اور جو بڑا صاحب نصیب ہو اور جس کے قلب کے اندر قوت موجود ہو برداشت کرنے کی اور ذرا ذرا سی بات پر آنے سے باہر نہ نکل جائے کہ کوئی اسے گالیاں بھی دے تو سہہ جائے اور اور برائی بھی ہو تو سہہ جائے، کیوں سہیگا؟ اس لئے کہ اپنے کو بڑا نہیں جانتا ہے حقیر سمجھتا ہے۔ جب دل میں یہ بات ٹیپی ہوئی ہے تو کوئی گالیاں بھی دے برا بھی کہے تو کوئی اثر نہیں ہوگا، تو یہ کام صاحب نصیب اور خوش نصیب کے ہیں اس لئے فرمایا کہ جب جاہل لوگ جہالت کی گفتگو کریں تو ہنسی آمیز گفتگو کریں سخت کلامی سے پیش آئیں تو ان سے الجھومت بلکہ یہ کہو کہ یہ روش تمہاری ہے ہم اس کے عادی نہیں ہیں بس سلام کر کے وہاں سے رخصت ہو جاؤ اور ان سے ہرگز نہ الجھو۔

سلام اور اسکی قسمیں | واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماً اس سے معلوم ہوا کہ سلام بھی کئی قسم کا ہوتا ہے۔ قرآن میں ایک جگہ ارشاد باری ہے واذا جئتمہم بتحیۃ فحیوا باحسن منها و ردّوها ایک سلام تو یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان ملے

تو آپ کا فرض ہے کہ السلام علیکم کہیں یہ تو سلام تحیت ہے، اور ایک سلام وداع ہے کہ جب کسی سے رخصت ہونے لگیں تو السلام علیکم کہہ کر رخصت ہوں یہ سلام تودیع اور سلام وداع اور رخصتی کا سلام ہے۔ اور ایک ہے سلام امن کہ جب جاہلانہ باتیں پیش آئیں تو آپ کہیں بھائی سلام ہے ایسی باتوں کو سلام ہے ہم اس کے عادی نہیں ہیں ہم تو جارہے ہیں تم لڑے جاؤ اگر تنہا راجی چاہے یہ سلام امن ہے کہ امن پسندی کا ثبوت دے کر سلام کر کے چلے آئے تو گویا سلامتی ہے تحیت کر دے کسی کو سلام کے ساتھ اس کا دل پھیلے گا دشمن کو بھی اگر آپ کہیں گے السلام علیکم تو ایک دفعہ تو دشمنی ڈھیلی ہو جاوے گی..... اور اگر دوست ہوگا تو اس کا دل بڑھ ہی جائے گا۔ رخصت کے وقت سلام کر کے رخصت ہوں گے تو آپ کو چھوڑ جاویں گے دلوں کے اندر اور اگر ویسے ہی منہ اٹھا کر بغیر سلام کے تو لوگ کہیں گے کہ کیا شخص ہے اسے تہذیب کا پتہ نہیں کوئی وقار قائم نہیں رہے گا۔ اور آنے کا سلام جو ہے اس سے محبت قائم ہوتی ہے جانے کا سلام ہے اس سے وقعت قائم ہوتی ہے۔ اور یہ امن پسندی کا سلام ہے اس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بے غرض آدمی ہے اسکی بے غرضی کی عظمت قائم ہوتی ہے تو ہر صورت میں سلام کا نفع ہی نفع ہے اور سب سے بڑا نفع ہے اخلاقی وہ یہ کہ اول توبہ دعا ہے السلام علیکم کے معنی ہیں کہ سلامتی ہو تم پر، اللہ کا نام سلام ہے اس کے نام کی برکت تمہارے اوپر آئے تو بھائی جب مسلمان دوسرے بھائی کو دعا دے گا کہ تمہیں اللہ سلامت رکھے تجھ پر سلامتی ہو تو دوسرا پگھل جائے گا وہ جواب میں کہے گا وعلیکم السلام تم پر اللہ سلامتی نازل فرمائے، اب دشمنی کہاں سے ہوگی جب ایک دوسرے کو دعائیں دے رہے ہیں احاد و مشدین فرمایا گیا ہے ابدادی باسلام ہوئی من الکیہ سلام میں جوابتدا اور پہل کرے گا وہ تکرر سے بری ہو جائے گا اسی واسطے شرعی مسئلہ یہی ہے کہ آپ جائیں تو ہر شخص بھی کوشش کرے کہ میں پہل کروں سلام کرنے میں اس لئے کہ جب انتظار کرے گا کہ دوسرا سلام کرے یہ اپنی بڑائی ہے گویا وہ سمجھے گا کہ میں اس درجہ کا آدمی ہوں۔ میں کیوں سلام کروں۔ توبہ توبہ اس کا فرض ہے کہ مجھے سلام کرے اس

لئے شریعت نے حکم دیا کہ ہر شخص کو شش کرے کہ میں پہل کر دوں۔ تاکہ وہ کبر رفع ہو جائے۔ سلام میں ابتدا کرنے والا وہ بکھرے بری ہو جاتا ہے اس کے دل میں تواضع اور خاکساری پیدا ہو جاتی ہے اسی واسطے شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی گھوڑے پر سوار ہو جائے اور دوسرے لوگ نیچے ہوں تو سوار کا فرض ہے کہ وہ سلام کرے اس لئے کہ اول تو سلام نہ کرنے میں اپنا کبر اور گھوڑے پر سوار ہے اور بھی زیادہ اس کی ناک اونچی ہو جائے گی۔ اس لئے اس کا فرض قرار دیا کہ وہ سلام کرے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں وہ سلام نہ کریں تاکہ اس کے دل میں کبر و عنوت نہ پیدا ہو گویا شریعت نے ہر موقع پر توجہ دلائی ہے کہ بندگی اختیار کرو مثلاً

مدح کرنے والے کے منہ میں مٹی ڈال دو کوئی شخص کسی کے منہ پر تعریف کرے شریعت نے اس سے روکا ہے اور فرمایا ہے احتوا التراب فی وجوہ المداہین مدح کرنے والوں کے منہ پر خاک ڈال دو تاکہ ان کے دل میں کوئی تعلق نہ رہے اور تمہارے دل میں کبر نہ رہے، الایہ کہ مدح کرنے والا ایسا ہو کہ اسکی محبت کا صحیح اندازہ ہو چکا ہو کہ خالص مخلصانہ محبت سے کہہ رہا ہو۔ کوئی خوشامد، کوئی غرض، کوئی تعلق پیش نظر نہ ہو، جذبات محبت کے ہوں۔ اسمیں کوئی تحمیل کر لیا جائے، لیکن جیسے عام طور سے مدح سرائی کرتے ہیں امیروں کی پیسے لینے کی غرض سے وہ خوشامد ہوتی ہے کوئی وقعت نہیں ہوتی اس کا علاج یہی ہے کہ احتوا التراب فی وجوہ المداہین ان کے منہ پر خاک ڈال دو۔ مقصد یہ ہے کہ مدح کرنے والے کے مول میں تعلق اور خوشامد نہ ہو اور جسکی مدح کی جارہی ہے اس کے دل میں کبر پیدا نہ ہو۔ اگر دونوں کے قلوب بری ہیں تو گنجائش ہے کہ بھائی کر لو مدح لیکن اگر یہ نہیں ہے کسی کے دل میں گھوٹ ہے تو اس کا فرض ہے کہ اس گھوٹ کو دفع کرے۔

حضرت گنگوہی کا معمول حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا مولانا حکیم محمد اسماعیل صاحب نے جو بھئی میں حکیم اجیری کے نام سے مشہور تھے بہت قابل لوگوں میں تھے اٹھانوے شعر کا برجستہ قصیدہ لکھ دیا تو جس وقت حضرت کی

خدمت میں پیش کیا اور پڑھکر سنانے کی اجازت مانگی اور لاؤ آپ نے اجازت نہیں دی بہت اصرار کے بعد اجازت دی اور جب سنا کر فارغ ہو گئے، انہوں نے سنا دیا حضرت نے سن یہاں خاموشی سے مگر بعد میں ایک چٹکی سٹی کی اٹھا کر حکیم صاحب کے منہ میں ڈال دی گو یا حدیث کے الفاظ پر عمل کیا حالانکہ وہاں محبت خالص جذبات میں قصیدہ کہا اور برجستہ کہا لیکن پھر بھی حضرت نے پسند نہیں فرمایا یہ ہیں صفات رحمن کے بندوں کی چال ایسی ہو۔ قول یہ ہو۔ اسمیں تواضع اور خاکساری ہو مگر درعوض نہ ہو حومن کا سجود و قیام آگے فرماتے ہیں والذین یبیتون لربھہم سجداً و قیاماً اور رحمن کے بندے ایسے ہیں کہ رات بھر نماز پڑھتے پڑھتے گزار دیتے ہیں کبھی سجدہ کرتے ہیں، کبھی قیام کرتے ہیں پھر عبادت خداوندی میں روتے روتے پورا وقت گزار دیتے ہیں۔

دفع مضرت مقدم ہے جلب منفعت سے | یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جہنم اے اللہ! عذاب جہنم کو ہم سے ہٹا دیکے ہمارے ذمہ لازم نہ ہو یہ ہمارے سر پر نہ پڑے گلے کا بار نہ بن جائے۔ انہا ساعت مستقرا و مقاما۔ یہ بدترین ٹھکانہ بدترین مقام ہے اے اللہ ہم کو اس سے نجات دیجو۔ اس میں دفع مضرت کو خصوصیت سے بیان کیا ہے جلب منفعت یعنی نفع کا ناوہ اگلا کام ہے کہ جنت مانگو، رضا خداوندی مانگو، دیدار الہی کی طلب کرو۔ مگر پہلے جہنم سے توبہ کرنا تو ضرر کا دفع کرنا مقدم ہے نفع کی خواہش سے اس لئے خصوصیت سے ذکر کیا رہنا۔ صرف عنا عذاب جہنم ان عذابھا کان غراماً انہا ساعت مستقرا و مقاما۔

اب گویا یہ تین حالتیں آگئیں ایک طمے کی آسمیں قول اور ہیئت کا ادب بتلایا ہے، چال ایسی ہو، قال ایسی ہو، اس کے بعد تنہائی میں ذکر اللہ بتلایا ہے کہ توجہ الی اللہ کرتے رہو تنہائی میں بھی فارغ مت بیٹھو، بیکار اپنا وقت ضائع مت کرو، زبان سے اللہ اللہ کہے جاو، سبحان اللہ کہے جاو لا الہ الا اللہ کہے جاو۔ درود و شریف پڑھتے جاو۔ اور جہنم سے پناہ مانگتے رہو۔ یہ تنہائی کے کام

ہیں اب گویا تنہائی ختم ہوئی اب معاملات آئے لین دین تجارت و زراعت مالیات کا لینا دینا آگے اس کے آداب بتلاتے ہیں۔

لین دین میں اعتدال اختیار کرنا چاہیے | والذین اذا انفقوا لم یسرفوا
 لم یقتروا وکان بین ذالک قواماً۔ جب کسی کو دینے پر آؤ تو فضول خرچی مت
 کرو۔ اتنی سخاوت مت کرو کہ گھر کا سارا سامان ہی اٹھا کر دیدو۔ اور پھر کل اپنے آپ
 بھیک منگے بن جاؤ۔ یہ کوئی دنیا نہیں یہ تو فضول خرچی ہے اور اتنا ہاتھ بھی مت دو
 کہ ایک پائی بھی نہ ٹکے ہاتھ سے یہ بخل ہے یہ زیبا نہیں اور فضول خرچی بھی زیبا نہیں
 رحمن کے بندوں کو دنیا بھی ہو اور روکنا بھی ہو۔ دینا ہو اعتدال کے ساتھ۔ روکنا ہو
 اعتدال کے ساتھ۔ یعنی کسی برے مصرف میں صرف نہ ہو، حلال کی ہماری کمائی ہے
 اور چلی جائے حرام موقع میں، کھیل میں تماشوں و باشوں میں یہ نہ ہونا چاہیے بلکہ جب
 کمائی اپنی نیک ہے تو نیکی کے راستے پر خرچ بھی کرو۔ اور اعتدال کے ساتھ کرو۔
 ایسا نہیں کہ گھر بھی خالی کرو و جذبے میں آکر اور کل کو سوال کرتے پھر اسی لئے اعتدال
 کا راستہ بتلا دیا کہ فضول خرچی اور اسراف ہو اور نہ بخل اور تقصیر ہو کہ کچھ بھی نہ بکھے
 بلکہ دکان بین ذالک قواماً۔ اعتدال کے ساتھ ہو گویا یہ لین دین کا طریقہ اور ڈھنگ
 بتلایا کہ مومن کی اور رحمن کے بندوں کی شان ہونی چاہیے کہ نہ وہ محض خراج ہلا اور نہ
 محض بخیل ہوں۔ درمیان کا راستہ اختیار کریں کہ خرچ بھی کریں اور حسب ضرورت
 رکھیں بھی۔ روکیں برے مصرف سے اور خرچ کریں نیک مصرف میں اسمیں بھی
 اعتدال مد نظر رہے یہ تو جو بندوں کے ساتھ معاملہ اب آگے بتلایا کہ اللہ کے ساتھ
 کیا معاملہ ہونا چاہیے۔

مومن کا معاملہ خدا کے ساتھ | والذین لا یدعون مع اللہ الہا آخرا
 رحمن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کے ہوتے ہوئے کسی غیر اللہ سے فریاد
 نہیں کرتے نہ غیر اللہ سے بیٹھا مانگتے ہیں نہ غیر اللہ سے استغاثہ کرتے ہیں نہ غیر اللہ کے
 سامنے جھکتے ہیں نہ غیر اللہ کو حاجت روا سمجھتے ہیں حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام جیسی پاک

خلوق کہ ان سے زیادہ کوئی مقدس نہیں ان سے بھی استغاثہ نہیں کرتے ان کی عبادت بھی نہیں کرتے عبادت صرف ایک ہی ذات کی کرتے ہیں۔ مانگتے ہیں تو صرف ایک ہی ذات سے حاجت روا ایک ہی کو سمجھتے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء کو حاجت روا نہیں سمجھتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جیسے ہم بندے ہیں محتاج اللہ کے یہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔ اللہ کے محتاج ہیں۔ ہمیں تو وہ دے گا جو صرف اپنی ذات سے غنی ہو وہ صرف اللہ کی ذات ہے تو پکارتے ہیں تو صرف اللہ کو پکارتے ہیں، یہ نہیں پکارتے کہ غوث الاعظم کو پکارنے لگے، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کو پکارنے لگے، حضرت صابر کھیری کو یہ ان کے راستے سے انحراف ہے، کیا وہ بھی پکارتے تھے ان مشائخ کو، وہ تو اللہ کو پکارتے تھے، انہوں نے تو اپنے سلسلہ میں اس لئے داخل کیا تھا تم کو کہ جس طرح ہم اللہ کے سامنے جھک رہے ہیں اسی طرح تم بھی جھکو اللہ کے سامنے، تم نے وہ راستہ چھوڑ دیا اور ان ہی کے آگے جھکنا شروع کر دیا انہوں نے کب کہا تھا کہ ہمارے آگے جھکو وہ تو اس سے روکتے تھے۔

انبیاء نے شرک کی تعلیم نہیں دی بلکہ وحدت کی تعلیم دی ہے | قرآن کریم میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے صاف تعلیم موجود ہے اولیاء تو ان کے بعد کے ہیں۔ وما کان لبشر ان یتوہ الله المکتب والحدیث النبویۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون الله ولكن کونوا ربانین بما کنتم تعلمون المکتب و بما کنتم تدسون۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی کے لئے یہ زیبا نہیں کسی کے لئے یہ جائز نہیں جبکہ اس بشر کو اللہ علم دے حکمت دے اور نبوت دے اور وہ یوں کہے لوگوں سے کہ کونوا عبادا لی کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے پکارنے لگو یہ کسی بشر کے لئے جائز نہیں انبیاء کے لئے بھی جائز نہیں انبیاء کا طبقہ سب سے زیادہ مقدس طبقہ ہے جب ان کو یہ تنبیہ ہے حق تعالیٰ شانہ کی تو دوسرے کس شمار میں۔ کسی نے بھی اس قسم کی تعلیم نہیں دی کہ تم اللہ کو چھوڑ کر ہمیں پوجنے لگو بلکہ تعلیم یہ دی کہ تم ربانی بن جاؤ اور ربانی بننے کے لئے آئے ہو۔ ان یا آدمی کی پکار کرنے کے لئے

نہیں آئے ہو۔ ربانی بنو۔ مگر کب بنو گے؟ جب تم کتاب اللہ کی تعلیم کر دے گے اس کے درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھو گے۔ پھر توحید معلوم ہوگی، پھر اللہ کے آگے جھکنے کا نہیں علم ہوگا پھر اسی کے آگے جھکو گے کسی دوسرے کو نہیں پکارو گے۔

شُرک کوئی مذہب نہیں | اگر تم نے کتاب اللہ کو چھوڑ دیا اور اس کا علم بھی حاصل نہ کیا تو جہالت کے ساتھ جس کے آگے چاہے جھک جاؤ۔ پتھر کے آگے جھک جاؤ۔ آگ کے آگے جھک جاؤ۔ نہیں جھکو گے تو خدا کے آگے نہیں جھکو گے، سب غیر کے آگے جھکیں گے یعنی شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ شرک کوئی مذہب نہیں یہ تو خدا کی پھٹکار ہے اس واسطے کہ حق تعالیٰ معبود حقیقی ہیں جب اس کے آگے نہ جھکے تو دنیا کی ہر چیز کے آگے اسے جھکواتے ہیں کہ اس کے آگے بھی ذلیل ہو، اس کے آگے بھی ذلیل ہو، اتنا ذلیل و خوار کرتے ہیں کہ آگ کے آگے وہ جھکا ہوا ہے، پانی کے آگے وہ جھکا ہوا ہے آدی کے آگے وہ جھکا ہوا ہے حتیٰ کہ لوگوں نے اتنا ہر دی کو شرمگاہوں کے آگے جھکے ہوئے ہیں سجدہ کے لئے تو یہ کوئی مذہب ہے! یہ تو پھٹکار ہے خدا کی،

عزیزے کہ از در گمش سربتافت

بہر در کہ شد تیج عزت نیافت

جب اس عزت والے کی بارگاہ کے سامنے نہ جھکے تو ایک ذرے کے آگے ناک رگڑواتے ہیں کہ اس کے آگے جھکو اس کے آگے بھی ذلیل ہو۔ کہیں تمہارے لئے عزت نہیں تو یہ شرک تو پھٹکار ہے کوئی مذہب نہیں ہے۔

اصل مذہب توحید ہے اسی کی انبیاء نے تعلیم دی | مذہب تو توحید ہے ایک

ہی کے آگے جھکو ایک ہی کو حاجت روا سمجھو ایک ہی کو مشکل کشا سمجھو ایک ہی کو تاقاضی الحاجات سمجھو ایک ہی کو واقع المصیبات سمجھو، اور نیاز مانگو تو اسی سے، رزق مانگو تو اس سے، صحت مانگو تو اس سے ایک ہی ہے کہ نبیوالا۔ اس کے سوا کوئی نہیں، ہر ذرہ اس کے قبضہ قدرت میں ہے اس لئے فرمایا کہ جس بشر کو ہم علم دیں اس کا یہ کام ہوگا کہ وہ لوگوں کو یوں کہے، کہ اللہ کو چھوڑ دو اور میرے بندے بنو اللہ کو

مت پکارو مجھے پکار کر دیکھی نہیں ہو سکتا ہے۔ نہ اولیاء اللہ کا یہ کام ہے انبیاء کرام کا تو کیا ہی ہوتا۔ انبیاء اور اولیاء اس سے بری ہیں۔ یہ سب جاہلانہ حرکتیں ہیں جب علم نہیں ہے کہ ہمارا آقا کون ہے تو جسے چاہو آقا بنا لو، اور جب علم ہے کہ آقا ایک ہے تو پھر آدمی کسی کا بندہ نہیں بنے گا۔ تو یہ سب لاعلمی اور جہالت کے کرشمے ہیں کہ اس کے آگے جھک اس کے آگے جھک اس سلسلہ میں ایک شعر ہے غالباً جگر مراد آبادی کا ہے اور بہت ہی اچھا شعر ہے لفظی صنعت بھی اچھی ہے الفاظ بھی عمدہ ہیں اور مضمون تو اچھا ہے ہی۔ شعر ہے ۔

مگر جس پہ نہ جھک جائے اسے در نہیں کہتے
اور ہر در پہ جو جھک جائے اسے سر نہیں کہتے

کیا اچھی بات کہی سر دہی جو گاہو ایک کے آگے جھکے گا اور ہر در پر جو جھکے وہ سر نہیں وہ تو گیند ہے ٹھوکر ماری یہاں جھک گیا ٹھوکر ماری وہاں پہنچ گیا۔ تو مسلمان ٹھوکر وں گیند بننے کے لئے آیا ہے؟ یہاں اس کو ٹھوکر دیدی وہاں جاکر گر پڑا۔ وہ تو ایک آقا کا غلام ہے اور پھر سب کے اوپر مخدوم ہے۔ آقا ہے ساری کائنات اس کے تحت میں ہے اور اس کے زیر حکم ہے تو بہر حال یہ ہونا چاہیے مومن کا کام کہ میبیتوں کو بھم سجد اذ قیامًا۔ رات دن اللہ کی عبادت میں مصروف رہیں اسی سے مانگنا اسی سے فریاد کرنا۔ لا یدعون مع اللہ الہا آخر اللہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو معبود بنالینا، رب بنالینا یہ رحمن کے بندوں کا کام نہیں یہ تو شیطان بندوں کا کام ہے۔ شیطان یہی کہتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز کے آگے جھکو اور ہر درے کے آگے ذلیل ہو اس لئے کہ وہ انسان کی ذلت چاہتا ہے، اللہ چاہتا ہے کہ میرے بندے عزت سے رہیں اور عزت اسی میں ہے کہ مالک کے آگے جھکے یہ تو تھی بحث عقائد کی اب آگے رہے اعمال تو وہ یہ کہ رحمن کے بندوں کے کام کیا ہونے چاہتے۔

مومن کی قتل و غارت گری | فرمایا ولا یقتلون النفس التي حرم الله الا

بالمحق لوگوں کے قتل و غارت سے بچتے ہیں۔ جھگڑے، گردنیں مارنا، بدامنی پیدا کرنا یہ رحمن کے بندوں کا کام نہیں ہے کہ بس تلوار ہاتھ میں ہے اور مارتے ہوئے چلے گئے۔ زبان قہنی کی طرح چل رہی ہے ذلیل کرتے ہوئے چلے گئے یہ تو شیطان کے بندوں کا کام ہے یہ رحمن کے بندوں کا کام نہیں ہے کہ قتل و غارت گری کرتے پھریں ہاں الا بالمحق خدائی حکم لے کر قتل و غارت گری کرنا خدا کے بندوں میں ایسے ناہنجار پیدا ہو گئے کہ وہ اللہ کے آگے نہیں جھکتے اور جھکنے والوں کو وہ پامال کرنا چاہتے ہیں اس فتنہ کو دفع کرنے کے لئے قتل کر سکتے ہیں باقی انسانی، غیظ و عینہ کا لئے کیئے قتل کرنا یہ مومن کا کام نہیں تم دنیا میں اس لئے نہیں آئے ہو کہ نفسانی غیظ کے لئے لوگوں کو قتل کرو جس نفس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے تمہیں کیا حق ہے اسے حلال کرنے کا۔

بندہ وہ ہے جو بندگی اختیار کرے | بندہ وہ ہے جو آقا کا فرمانبردار ہو اور آقا کا فرمان مانے اگر آقا کہے کہ قتل و غارت کرو کہ بہت اچھا اور آقا کہے کہ امن سے رہو کہ بہت اچھا، اگر آقا کہے کہ تخت و سلطنت پر بیٹھو کہ بہت اچھا اور اگر یوں کہے کہ غلام بن کر ٹوکرا اٹھاؤ کہ بہت اچھا تو بندہ وہ ہے کہ جو آقا کا حکم ہو وہ کرے ہر طرح سے اللہ کے حکم کی پابندی کرے ہی بندگی ہے اگر وہ کہے کہ نماز پڑھو تو نماز پڑھنا بندگی ہے وہ کہیں کہ ہرگز نماز مت پڑھو تو نماز چھوڑ دینا بندگی ہے پھر جائز نہیں نماز پڑھنا۔ وہ حکم دیتے ہیں کہ پانچ وقت میں نماز پڑھو یہی عبادت ہے اور تین وقتوں میں حکم دیا گیا کہ حرام ہے نماز پڑھنا۔ عین طلوع کے، عین غروب کے وقت، عین زوال کے وقت، ان وقتوں میں پڑھو گے تو گنہگار ہو جاؤ گے، معلوم ہوا کہ نہ نماز کا پڑھنا عبادت ہے، نہ چھوڑنا عبادت ہے بلکہ کہنا ماننا عبادت ہے۔ ہم اگر کہیں کہ چھوڑ دو تو چھوڑنا عبادت ہے، رمضان آیا حکم دیا کہ روزے رکھو روزہ رکھنا عبادت ہے عید کا دن آیا حکم ہوا کہ آج ہرگز روزہ مت رکھو روزہ رکھنا بالکل جائز نہیں تو روزہ نہ رکھنا عبادت ہے معلوم ہوا کہ نہ روزہ رکھنا عبادت ہے نہ ترک روزہ عبادت ہے بلکہ کہنا ماننا عبادت ہے جب ہم کہیں

کہ روزہ رکھو تو روزہ رکھو اور جب ہم کہیں کہ روزہ ہرگز مت رکھو، ہم کہیں کہ لا تش
 فی الامراض صدحاً کہ زمین پر اگر کمٹ چلو، متکبروں کی چال مرت چلو تو عبادت
 وہی ہے کہ آدمی تجھ سے نہ چلے اینٹھ مروڑ کیساتھ نہ چلے اور جب حکم دیں کہ خوب اڑ
 کہ چلو تو خوب اڑ کہ چلو جیسے طواف کے اندر جس طواف کے بعد سعی ہوتی ہے
 ابتداء کے چار پھروں میں احرام کی چادر نیچے ڈال کہ خوب اڑ کہ چلیں بوڑھے ہوں
 بچے ہوں۔ جوان ہوں خوب اینٹھ اینٹھ کر چلیں، مونڈھے ہلاتے ہوئے جیسے معلوم
 ہو کہ بڑے پہلوان ہوں، جس چیز سے روکا تھا اسے وہاں واجب قرار دیدیا کہ
 ہمیں ہی پسند ہے کہ خوب اڑ کہ چلو، جہاں اندر یہ حکم ہے کہ جب دشمنوں کے
 سامنے آؤ تو وہاں تواضع اختیار مت کرو۔ کہ گردن جھکا کے صوفی بن کے جاؤ بلکہ خوب
 اینٹھ کر اڑ کر آنکھیں نکال کر چلو تاکہ ان کے اوپر ہیبت پڑے وہاں وہی پسند ہے
 تو حاصل یہ نکلا کہ آقا کی پسند پر موقوف ہے آپ کی پسند کوئی چیز نہیں، اپنے نفسانی
 جذبے سے کچھ نہ کرو، وہ کہیں کہ اڑ کہ چلو تو تم کہو کہ بہت اچھا وہ کہیں کہ جھک کر چلو تم
 کہو کہ بہت اچھا۔ تابع فرمان رہنا ہی ہے بندگی، اس لئے فرمایا کہ لا یقتلون بس و
 قتل وغارت نہیں کرتے، وہ جھگڑے نہیں اٹھاتے، وہ امن پسند ہیں الا بالحق
 مگر جہاں لوگ حق ہی کو پامال کرنے کے کھڑے ہو جائیں پھر سرکوب بھی کیجئے، پھر جوتا
 اٹھانا بھی شروع کیجئے۔ اس لئے کہ بعض لوگ بات سے باز نہیں آتے ہیں لات سے
 آتے ہیں۔ بات سے کتنا ہی بکھاؤ کبھی نہیں مانینگے جوتہ کھاؤ تو فوراً گردن جھکا دیں گے
 شریف الطبع آدمی اخلاق کی بات سے جھک جاتا ہے اور ذلیل الطبع جب تک جوتہ
 سر نہ اٹھاؤ وہ بات کو مانتا نہیں تو پہلے شرافت سے کام لو جب مانتا نہیں تو جوتا اٹھاؤ
 اس کے سوائے چارہ گاری نہیں کیا دنیا کو بد امنی میں چھوڑ دیا جائے۔ بڑی اچھی بات
 کہی ہے کوثر نے یہ میرٹھ کا ایک شاعر ہے اور بڑا اچھا شاعر ہے واقعی خوب ہی بات کہی ہے کہ
 اصحاب و عمل کی دنیا میں دستور یہی ہے جینے کا
 اخلاق سے جینا کرتے ہیں احسان سے مارا کرتے ہیں

اس میں جیسے کا دستور بتایا ہے کہ شریف آدمی وہ ہے کہ اخلاق سے دلوں کو جیت لے اور احسان کر کے دشمن کو بھی نیچا دکھا دے وہ ہے شریف الطبع اور ڈنڈے کے روز سے تو سانپ بھی آرام کر لیتا ہے جب ان کے سامنے آتا ہے تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس کی تعظیم سے تھوڑا ہی کھڑے ہوتے ہیں بلکہ اپنی حفاظت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں کہ کہیں کاٹ نہ لے اگر لوگ آدمی سے بھی ایسے ہی ڈریں جیسے سانپ سے ڈرتے ہیں تو آدمی میں اور سانپ میں فرق ہی کیا ہے بلکہ آدمی وہ ہے شریف کہ جس کی شرافت مسلم ہو اور لوگ اس کی عظمت کی خاطر کھڑے ہوں، بھڑپا آئے گا جب بھی آپ کھڑے ہو جائیں گے مگر اس لئے نہیں کھڑے ہوں گے کہ بھڑپے کی تعظیم آپ کے دل میں ہے نہیں بلکہ وہ موزی ہے اس کی ایذا سے بچنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو وہ شاعر کہتا ہے کہ اخلاق سے جیتا کرتے ہیں احسان سے مارا کرتے ہیں، اگر کسی کو مارنا ہے تو تلوار سے مارا تو کیا مارا احسان سے مارا جو عمر بھر یاد رکھے۔ اور کسی کے دل کو ڈنڈے سے جیتا کہ میرا بن تو وہ کبھی بھی نہیں بنے گا اخلاق سے پیش آؤ تو وہ خود ہی بندہ بن جائے گا بہر حال یہ رحمن کے بندوں کی شان فرمائی گئی۔

نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں | اور فرمایا دلائل و قوت اور نہ بدکاری کرتے پھر میں ہیں ومن یفعل ذالک یلق اثاماً۔ اور جو یہ کام کرتے ہیں زنا کاری کے بدکاری کے تو ان کا ٹھکانہ اٹام ہے، ایک وادی ہے جہنم کی اور اتنا شدید عذاب ہے اسمیں کہ خود جہنم بھی اس عذاب سے پناہ مانگتا ہے، یہ ٹھکانہ ان لوگوں کا ہو گا یضاً عفا له العذاب یوم القیمۃ دو گنا اور ٹگنا عذاب کیا جائے گا ان کا عذاب۔ وینخل فیہ مہاناً اور ان کو ایک لمبی حد تک عذاب میں گرفتار رکھا جائے گا۔ الا من تاب یرجع جلتے گا عذاب سے وہ جس نے توبہ کی، تو یہ مایوسی سے بھی بچا دیا گیا عمر بھر کی بدکاری مگر دل میں رجوع الی اللہ پیدا ہو چکے دل سے توبہ کی مشا دیا گیا۔ سوائے حقوق العباد کے باقی سب چیزیں مشادی جائیں گی، جب سچی توبہ کرے آدمی تو پھر معاف کر دی جاتی ہیں

اور بالفرض اگر توبہ بھی نہ کی و عمل عملاً صالحاً نیکی کا راستہ اختیار کیا تو نوافل کے بدلے اللہ سیئئاتہم حسنات وہ نیکیاں ہی خود ان بدیوں کو مٹا دیں گی۔ اور آدمی پاک بنے گا تو توبہ کر کے راستہ سیدھا کر لیں اور جس نے ابھی توبہ نہیں کی اور رستہ چل رہا ہے نیکیوں کا تو وہ نیکیوں کی کثرت خود بدی کو مٹا دے گی اس لئے کہ نیکی روشنی اور نور ہے۔ اور بدی ظلمت ہے۔ جب چاند ہوتا ہے تو ظلمت خود بخود ختم ہو جاتی ہے کسی مکان میں اندھیرا پڑا ہوا ہے چراغ جلا دو ظلمت بھاگ جاوے گی۔ بھگانے کی ضرورت نہیں و کان اللہ غفوراً رحیمًا۔ اور اللہ تو غفور رحیم ہے۔ صمن تاب و عمل صالحاً فانہ یتوب الی اللہ صاباً۔ اور جو عمل صالح اختیار کرتا ہے اللہ ہی اس کی توبہ قبول کرتا ہے وہ تواب رحیم ہے۔ یہاں تک گویا خلوت بھی آگئی جلتو بھی آگئی، قول بھی آگیا، عمل بھی آگیا، چال بھی آگئی ڈھال بھی آگئی، ہر چیز میں فرمایا گیا ہے کہ رحمت اور بندگی کی شان ہونی چاہیے یہ ہے رحمن کے بندوں کی علامت۔

مومن کے مقدمات و خصوصیات | اب آگے معاملات، اور مقدمات اور خصوصیات،

رہائی جھگڑے کرنے پڑتے ہیں، نیک آدمی بھی اسمیں مبتلا ہو جاتے ہیں، بعض دفعہ مقدمہ بازی میں جب ایک شخص ظالمانہ طریق پر کسی کی جائداد پر قبضہ کرتا ہے وہ خواہ مخواہ مقدمہ لڑے گا۔ کہ بھائی یہ میری ملوک چیز ہے، یہ خواہ مخواہ اسمیں آکر رہا ہے استغاثہ کر کے حکومت میں جائے گا برادری کو جمع کرے گا کہ صاحب ملک تو میری ہے۔ اور یہ قابض ہونا چاہتا ہے، تو مقدمہ بازی کی بھی نوبت آئے گی، خصوصیات اور جھگڑوں کی بھی نوبت آئے گی،

اسمیں فرماتے ہیں کہ دیانت کا برتاؤ کرو، جو اصلیت ہو وہ ظاہر کرو۔ جھوٹ مت بولو والدین لای شہد و فی الزور جھوٹ کی اور مرد فریب کی شہادت مت دو۔ سچی گواہی دو چاہے اسمیں اپنا نقصان بھی ہو جائے بعض شکوں میں کہ صاحب یہ جو حملہ کر رہا ہے تیری جائداد پر اتنی بات میں حق پر ہے اور اتنی بات میں غلطی پر ہے پھر اس کے دل میں بھی خیال ہوگا کہ بھائی دیانت داری سے معاملہ ہو رہا ہے تو وہ عدالت

سے خود ہی ہٹ جائے گا، کہ جب تم نے حق مان لیا تو جتنا ماننا اتنا ہی دیدیکھے۔ تو پچھے آدمی کی بات یہ ہے کہ چاہے اسمیں اپنا نقصان ہو مگر جو بات حق ہے وہ کہہ دے کہ یہ میرا دشمن ہے مگر اتنی بات سچی کہہ رہا ہے اتنا واقعی اس کا حق ہے۔ یہ تو واجب ہے مجھ پر دینا اور میں دوں گا۔ اور باقی اتنی بات غلط ہے یہ خواہ مخواہ بھی میرے حق پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ بھی شرمندہ ہو جائے گا۔ تو گواہی جھوٹی نہ دے آدمی سچی گواہی دے۔

پُر لطف واقعہ مگر بعضی سچی گواہی بھی آدمی کو پھانسی دیتی ہے وہ بیچارہ کوئی جامہ ہاف تھا کپڑے وغیرہ بنایا کرتا تھا، غریب تھا وہ متمول ہو گیا، لکھ پتی بن گیا کپڑوں کی دکان بن گئی اب اسے سید بننے کی سوجھی اس نے کہا میں نیچا کیوں رہوں سادات کی خاندان میں اس نے رشتہ بھیجا اب انہوں نے تحقیق شروع کی کہ یہ ہے بھی سادات میں سے یا نہیں۔ اس نے کچھ فرضی گواہ جمع کر لئے کہ تمہیں ایک ہزار دوں گا تمہیں دو ہزار دوں گا بس گواہی دیدینا کہ میں بھی سادات میں سے ہوں تو بعض لوگ جھوٹ بولنے پر تیار ہو گئے ایک پٹھان تھا خان صاحب اس نے کہا کہ ہم گواہی دیں گے تمہارے سید ہونے کی ہمیں پیسے دینے کی ضرورت نہیں۔ ہم گواہی دیں گے تمہاری ان کے ادب پر زیادہ اعتماد تھا اس لئے کہ وہ ڈیل آدمی تھا کہ جب یہ عدالت میں جا کر کہے گا کہ یہ سید ہے تو پھر عدالت میرے سید ہونے کو مانے گی خان صاحب پر اعتماد کی وجہ سے اس نے اور گواہوں کو بھی ہشاد دیا کہ بس یہ خان صاحب ایک گواہ کافی ہے اور باقی میرے گھر والے ہیں، باقی گواہوں کو کہہ دیا کہ تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ خواہ مخواہ میں جھوٹی گواہی دلو اگر اتنے آدمیوں کو پھنساؤں، اور ہزاروں روپیہوں کو خرچ کروں۔ کیا ضرورت ہے۔ جب بلا خرچ دیئے سچی گواہی دیئے کو تیار ہے وہ عدالت میں پہونچنے نہج نے کہا کہ تمہارے سادات ہونے کی کیا گواہی ہے۔ اس نے کہا کہ خان صاحب گواہی دیں گے، خان صاحب نے کہا کہ میں گواہ ہوں اس کے سادات ہونے کا۔ جج نے کہا کہ تم کیسے گواہ ہو! خان صاحب کہنے لگے کہ یہ لوگ تو نے

سنائے کہہ رہے ہیں کہ یہ سید ہے میں نے تو اسے سید بنتے ہوئے دیکھا اس واسطے میری گواہی سے زیادہ کس کی گواہی معتبر ہوگی؟ یہ تھے تو اصل میں فلاں قوم کے میسر سامنے ہی تو بنے ہیں۔ میں نے تو آنکھوں سے دیکھا ہے ان کو سید بنتے ہوئے تو مجھ سے زیادہ معتبر کون گواہ ہوگا ان کے سید ہونے کے بارے میں تو اس سچی گواہی سے اس کا بیڑا غرق ہو گیا وہ سارا مقدمہ ختم ہو گیا۔ مزید اور مقدمہ جھوٹا قائم ہو گیا کہ خواہ مخواہ وہ سید بننے کی کوشش کر رہا ہے تو خیر گواہی تو پسچی تھی مگر پچانس دیا اس بیچارے غریب کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ گواہی دیں جا کر کہہ دیتے کہ میں گواہی نہیں دیتا ہوں۔

ہمیری مجلس میں نہ بیٹھو | تو بہر حال یہ قرآن کا حکم ہے کہ شہادت زور جھوٹی گواہی کر دفریب کی یہ کام رحمن کے بندوں کے نہیں ہیں اور جس مجلس میں ایسی بیہودہ گواہیاں ہوں بیہودہ باتیں ہوں مسودا کراما رحمن کے بندوں کا کام ہے کہ وہ آنکھ نہ مچ کر کے گذر جائیں اس مجلس سے وہاں کھڑے بھی نہ ہوں کہ وہاں بری باتیں ہو رہی ہیں۔ جھوٹ بکا جا رہا ہے، غیبت ہو رہی ہے۔ بھائی پھوڑو ان مجلسوں کو، دوسری جگہ چلو، یہ شان ہونی چاہیے رحمن کے بندوں کی یہ شان ہو گئی معاملات کی اب آگے اپنی بندگی کا ثبوت ہے۔

قرآن پڑھو تدبیر کے ساتھ وہ زندگی کا دستور ہے | والذین اذا
ذکروا آیاتنا بآیاتنا لم یخفوا علیہا صمّاء عیماً جب اللہ کی آیت ان کے سامنے پڑھی جائے تو غور اور تدبیر کر کے جھکے ان آیتوں کی طرف یہ نہ سمجھے کہ بس یہ تو الفاظ ہیں ان میں معافی کچھ نہیں زیادہ سے زیادہ بس ثواب ہی مل جائے گا بھائی ثواب بھی کماؤ مگر تدبیر اور غور بھی کرو کہ میرے اللہ نے ان الفاظ میں کیا کہا ہے لے یفسروا علیہا صمّاء عیماً اندھے اور بہرے ہو کہ نہ گذرو۔ بلکہ بننا اور شنوا ہو کہ گذرو۔ حجت کے ساتھ دلیل کے ساتھ، نورانیت کے ساتھ معافی کو اور آیتوں کو سمجھو یہ نہ ہو کہ بس الفاظ سن لے ثواب تو مل ہی گیا اب اور کیا چاہیے وہ ثواب تو لفظوں

کا ملا لیکس قرآن لفظ محض کو نہیں ہے وہ تو ہدایت نامہ ہے۔ وہ تو زندگی کا دستور ہے۔

صرف الفاظ ہی پر قناعت نہ کرو | قرآن اس لئے نہیں آیا کہ اس کے الفاظ رٹ لیا کرو آخر آپ کے سامنے تعزیرات ہند جب آتی ہے تو آپ یہ کہتے ہیں کہ صاحب یہ بڑی برکت کی چیز ہے۔ لہذا دفع چار پانچ کو میں نے پڑھ لیا بس کافی ہے اور مقدمہ ہاتھ میں لے لیا۔ نہیں بلکہ آپ پیر مشرکی تلاش کرتے ہیں کس کے معافی سمجھاؤ کس دفعہ کے تحت میں مقدمہ لڑوں کس دفعہ کے تحت میں استغاثہ کروں تو قرآن میں بھی لفظوں پر قناعت نہ کرو ثواب حاصل کر کے اس کے معافی کی طرف جاؤ کہ میرا آخرت کی نجات کا مقدمہ کونسی آیت سے حاصل ہوتا ہے کیوں دکلاہ یعنی علماء کو تلاش کرتے ہیں؟ اس لئے کہ وہ سمجھائیں گے اس کا مطلب کہ اس دفعہ کا کیا مطلب ہے اور اس آیت کا کیا مطلب ہے اور میرا معاملہ کونسی آیت سے متعلق ہے۔ میں اپنا معاملہ کس طرح اللہ کے سامنے رجوع کروں۔ آپ مجھے وہ جملہ بتائیں وہ آیت بتائیں

علماء ربانی دکلاہ دین ہیں | آپ دکلاہ کو پچاسوں ہزار فیس دے کر لاتے ہیں تاکہ جامدہ محفوظ ہو وہ دکلاہ ہیں اس تعزیرات کے جس کو تعزیرات ہند کہتے ہیں۔ اور علماء تعزیرات سماوی کے دکلاہ ہیں یہاں ایمان کی جامدہ محفوظ رکھنے کے لئے ان ہی دکلاہ کو تلاش کرنا پڑے گا جن کو علماء کہتے ہیں یہ آسمان سے آئی ہوئی کتاب کے دکلاہ ہیں اگر آپ پیر مشرکی عظمت کرتے ہیں ان دکلاہ دین کی بھی عظمت کرنی پڑے گی مگر صحیح معنی میں دکلاہ ربانی علماء ہیں اہل اللہ ہیں مگر آجکل بہت سے لوگ علماء کا لبادہ پہن کر آگئے ہیں اندر سے جاہل ہیں اور اوپر سے لباس مولویت کا پہنے ہوئے ہیں۔ اور جب وہ جاہلانہ باتیں کرتے ہیں تو لوگوں کے دلوں سے علماء کی عظمت نکل جاتی ہے کہ یہی ہے وہ لفظ مولوی۔ دنیا بھر میں کسی کو کافر کسی کو مشرک بتلاتا پھر تاہے بس جو زبان پر آیا کہہ دیا زبان کیا قینچی ہے جو چل رہی ہے اور ہدایت کے نام ایک لفظ

نہیں ہے کہ کوئی تربیت کرے کوئی ٹریننگ دے یہ نہیں تو علماء ایسے نہیں بلکہ علماء ربانی جو علماء آخستہ ہیں، اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور دین کی بات پہنچاتے ہیں ان کی وقعت کرنی پڑے گی۔ اور یہ تو ہدایت سے متعلق ہے کہ خواہ مخواہ بھی وقعت کریں گے، اگر ایمان عزیز ہے تو لا محالہ وقعت کرنی پڑے گی جیسے وہاں جان عظیم ہے۔ اس کے بچانے کے لئے آپ وکیل کی عظمت کرتے ہیں اور فیس دیتے ہیں۔ خیر علماء تو فیس بھی نہیں مانگتے ہیں کہ جب تک فیس نہ ادا کریں کوئی مسئلہ نہیں بتائیں گے ایسا نہیں بلکہ بغیر فیس کے مسائل بتانے والے ہیں جب فیس لیکر مقدمہ لڑا بیوالوں کی عظمت کرتے ہیں تو جو بے فیس کے مقدمہ لڑا بیس آپ ان کی عظمت کیوں نہیں کرتے

اولاد صالح کی دعا۔ اولاد طالح سے پناہ | والذین یقولون ۛ بٹناہ
 لٹا اٹھ یہاں تک معاملہ تھا ان کا جو موجود ہیں میں اور آپ والد طالح، باپ بیٹا۔ وادا اس وقت جو موجود ہیں، لیکن شریعت نے اس بات کی بھی تعلیم دی ہے کہ آگے جو آئوالی نسل ہے اسکی ابھی سے خیر خواہی شروع کرو۔ حالانکہ وہ ابھی آئی ہی نہیں دنیا میں، مگر ابھی سے رحمت کا معاملہ کرو۔ دعائیں مانگو کہ اے اللہ! ہمیں عطا کیجئے ہماری ازواج سے وہ ذریت جو متقیوں کے لئے رہنا بنے تقویٰ اور طہارت کو دنیا والوں کے سامنے رکھے اے اللہ! ایسی اولاد دیکھے جو تیری رحمت کا خور دہنے اور اس کے اوپر رحمت اترے اور جب ہماری اولاد پر رحمت اترے گی تو ہمارے لئے بھی خوشی کا باعث بنے گی تو رحمن کے بندوں کا فقط یہی کام نہیں ہے کہ وہ ملنے والوں پر ہی شفقت کریں بلکہ جو آئندہ آنے والے ہیں ان پر بھی ابھی سے شفقت شروع کر دیں دعائیں مانگ کر ان کو اللہ سے طلب کریں کہ وہ ایسے نیک ہوں، ایسے صالح ہوں تاکہ وہ بھی رحمت کا محل بن جائیں۔ ان پر رحمت اترے، ہماری اولاد ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہمارے لئے وبال جان نہ ہوں جیسے حدیث میں آپ نے فرمایا اللہم انی اعوذ بک من دلد یکون علی عذابا۔ اے اللہ! ایسی اولاد سے پناہ مانگتا ہوں جو میرے اوپر عذاب

بن کر مسلط ہو۔ جو میرے اوپر مصیبت بن جائے، نافرمان اور اوباش، گستاخ اور بیگناہ
 کہ رات دن مصیبت اٹھاؤں ایسی اولاد سے میں پناہ مانگتا ہوں، اس سے تو بے
 اولاد ہی ہے آدمی تو اچھا ہے۔ وہ مثل مشہور ہے کہ اولاد تو بور کے لڈو ہیں جو کھاتے
 وہ بھی پھپھتاتے جو نہ کھاتے وہ بھی پھپھتاتے تو بور کے لڈو نہ مانگو بلکہ حقیقت میں گوندی
 کے لڈو مانگو۔ جو واقعی میٹھے بھی ہوں۔ اور بور کے لڈو وہ تو چولانی وغیرہ میں مٹھائی بھون
 کر دیتے ہیں تو دیکھنے میں تو وہ لڈو بہت بڑے ہوتے ہیں اور دباؤ تو وہ چھوٹے سے
 ہو کر رہ جاتے ہیں انہیں کچھ بھی نہیں ہوتا ہے کھاؤ تو کچی مٹھائی کی تلخی آتی ہے تو اسے کہا
 کرتے ہیں عوام کہ نافرمان اولاد بور کے لڈو ہیں دیکھنے میں اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ کھانے
 میں کڑوے اور نہ کھاتے تو آدمی پھپھکتا ہے کہ موجود ہے اور پھر بھی نہ کھایا ہر صورت میں
 حسرت باقی رہے گی الائیک یہ ہے کہ حقیقی شیرینی استعمال کرے گا تو مٹھاس آئے گا۔
 سامنے دیکھے گا تب مٹھاس معلوم ہوگا گو وہ ظاہر میں بڑی نہ معلوم ہو اس لئے آنے والوں
 پر بھی رحمت اور شفقت ابھی سے مقبول ہو رہی ہوگی رحمن کے بندوں کی شان۔

خلاصہ کلام اور طریقہ عمل | اللہ تعالیٰ نے اس پورے رکوع میں معاشرت سکھلا دی
 کہ تنہا ہو تو یہ کام کرو جلوت ہو تو یہ کام کرو معاملات پڑیں تو یہ کام کرو۔ پورے آداب بتلا
 گئے ہیں جو اصول ہیں آدمی ان اصول پر چلتے تو اس کی معاشرت ظاہر و باطن میں پاکیزہ
 بن جائے گی وہی متقیوں کی زندگی ہوگی تو وہ عباد الرحمن ہوں گے، اس لئے میں نے
 یہ آیت تلاوت کی تھی کہ ترجمہ ہو جائے اور تھوڑی تھوڑی تشریح ہو جائے تاکہ عملی زندگی
 آئے اتنا آپ نے سنا آپ کا کام یہ ہوگا کہ جو بات ترجمہ قرآن شریف ہو ایک دفعہ
 سامنے رکھ کر ان آیات کو پھر پڑھو اور اس کا ترجمہ دیکھو اس وقت ذہن میں آدے
 گی جو باتیں آپ کے کان میں پڑ گئیں پھر انہیں ذہن میں جمانے کی کوشش کرو ترجمہ
 پڑھو کہ کیا یہ وہی باتیں ہیں اور جب وہ جم جائیں گی تو پھر ان کو اپنی زندگی میں دستور عمل
 بنانے کی کوشش کرنا جب گھر سے نکلو تو آیت سامنے ہے کہ میری چال ایسی ہو
 جیسے رحمن کے بندوں کی ہوتی ہے۔ جب کسی سے بات چیت کرو تو سلام

میں ابتداء کرو، جب کوئی جھگڑا واسانے آئے تو کہو کہ سلام تو دیل ہے کہ بھائی ہم اس کے عادی نہیں ہیں
 جب خرینچ کرنے پر آؤ تو اعتدال سے کرو جب کوئی نفس سامنے آئے تو قتل و غارت اور زیادتی سے
 بچو، جب اپنا نفس سامنے آئے تو توبہ اور استغفار کو اپنا شعار رکھو جب کوئی معاملہ مقدمہ کا پڑے تو چھوٹ
 سے بچو اور پرمیز کرو۔ اور جب سب سے نبٹ گئے تو آنے والوں کی فکر کرو جو آئندہ
 آرہے ہیں کہ ان پر رحم و کرم ہوا بھی سے دعائیں مانگو ان کے لئے تو کتنی پاکیزہ زندگی ہے
 جو قرآن نے سکھائی اگر اس زندگی سے ہم محروم رہے تو کتنی بڑی بد قسمتی ہے اگر آپ
 اس زندگی کو اختیار کر لیں اور فقط اسی رکوع پر عمل کر لیں تو دنیا میں آپ کا وقار
 قائم ہو جائے گا۔ پوری بستی میں ایک عمل کر کے دیکھ لے، دیکھئے اس کی عزت کہاں
 سے کہاں تنگ پہنچے گی اور جب آپ اس سے ہٹ کر چلیں گے ذلت اور رسوائی کی طرف
 پڑھیں گے، تو سلام قرآن تو ہے ہی ہدایت، مگر میں کہتا ہوں کہ تنہا اس رکوع کو بھی
 آپ اپنا دستور العمل بنالیں اور اس سے جو نصیحتیں نکلتی ہیں اسے ٹانگ لیں کہ ہم اور
 ہمارے بچے آج سے اس پر عمل کریں گے اور سارا گھر جب اس پر عامل ہو جائے گا تو
 دس دن کے بعد دیکھئے گا کہ اس کی عزت و وقار کس درجہ پر پہنچ جائے گا۔ تو
 میں نے یہ چند آیتیں آپ کے سامنے تلاوت کیں اور یہ بظاہر کوئی علمی مسئلہ تو تھا
 نہیں اور میں کہتا ہوں کہ قرآن سے جو ثابت ہو وہی علم ہے، علمی مسئلہ بھی یہی ہے ان
 چیزوں پر غور کریں تو فائدہ مند ہے، جسے میں نے عرض کیا کہ بات ذہن میں آگئی جو پڑ
 لکھے ہیں وہ مترجم قرآن شریف سامنے رکھ کر اس رکوع کا ترجمہ پڑھیں ہر برآیت کا جب
 ترجمہ پڑھیں گے تو وہ چیسریں ذہن میں آئیں گی جو اس وقت کان میں پڑی ہیں وہ
 تازہ تازہ ہوں گی، اب ان کو ذہن میں جمائی شروع کر دیں اور جو چیزیں اس کے خلاف
 ہیں انہیں رفتہ رفتہ چھوڑنا شروع کر دو۔ ایک دم ساری چیزیں چھوڑنا مشکل ہوتا ہے
 اسکی سہل صورت یہ ہے کہ آدمی جب اپنی کمزوریاں محسوس کرے کہ اتنے گناہ ہیں
 جو میں کرتا ہوں، ان کی ایک فہرست بنا کر رکھ لے کہ آج پہلے گناہ کو چھوڑوں گا دس
 دن اس پر عمل کرے گا جب عادت پڑ گئی اور چھوٹ گیا اب دو سرے کو لے لے دس دن

اس پر چلے پھر وہ بھی چھوٹ گیا، دس دن اور چلے دو چار مہینے میں سارے گناہ چھوٹ جائیں گے، جب آدمی کے سامنے ساری چیزیں ایک دم آتی ہیں کہ یہ بھی مت کرو۔ یہ بھی مت کرو۔ تو اس سے آدمی ڈر کر بیٹھ جاتا ہے کہ کس کس چیز کو چھوڑ دوں میری تو ساری زندگی ٹوٹ ہے مایوس ہو جاتا ہے تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں رفتہ رفتہ ایک ایک چیز کو چھوڑ دو۔ جب ایک چیز کو چھوڑ دی اور اس پر قابو یافتہ ہو گئے تب دوسرے کو اختیار کرے دس دن اس کی مشق میں لگاؤ اس پر بھی قابو ہو گیا تو دس دن تیسرے کی مشق پر لگاؤ انشاء اللہ چند دن میں بہت سی برائیاں چھوٹ جائیں گی اور یہی صورت نیکیوں کی بھی ہیں ایک ایک نیک کو اپنے سامنے رکھ لو کہ آج اس پر عمل کرنا ہے اور دس دن تک برابر عمل کرو اور پھر آپ اس کے عادی ہو جائیں گے چال ہی کا قہر ہے گھر سے نکل دس دن مشق کیجئے کہ یہ عمدہ چال ہے اس پر چلئے اب یمشون علی الاذن ہو گا کی مشق ہو گئی واذا خاطبهم الجاهلون کا قہر رہ گیا اس پر اس طرح سے عمل کیجئے کہ جہاں کہیں آوارہ گردوں کی مجلس ملے بس نگاہ نیچی کر کے وہاں سے ہٹ جاؤ، خواہ غواہ لڑائی بھڑائی ہو تو کہو بھائی ہم اس کام کے نہیں۔ ہمارا سلام لو، چند جگہ ہم مشق کریں گے تو دوسرے بھی کچھ جائیں گے کہ بھائی یہ اس درجے کے نہیں ہیں۔ پھر دوسرے آپ کی عزت کریں گے، اور آپ کے سامنے برا کلمہ کہنے سے پرہیز کریں گے تو اس طرح سے آپ اپنی اصلاح کو کر رہے ہیں گے۔ مگر دوسروں کی بھی اصلاح کر دیں گے۔ تو نیکیوں میں بھی ایک ایک نیکی کو لیتے رہو اور رفتہ رفتہ اس پر چلو، اور بدلیوں میں بھی ایک ایک بدی کو چھوڑتے رہو تو اس طرح سے مہینے دو مہینے میں بہت سی نیکیوں پر قابو پا جائیں گے اور بہت سی بدیاں ختم ہو جائیں گی۔ اور زندگی پاک بن جائے گی۔

بس یہی تھا مقصد عرض کرنے کا اور فہرست شمار کرنے کا اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے ہمیں بھی اور آپ کو بھی کہ نیک زندگی دے جس کو قرآن کریم میں حیات طیبہ کہا گیا من عمل صالحا من ذکر ادا انشی و هو مومن فلننجیہ حیوۃ طیبۃ جو آدمی ایمان اور عمل صالح اختیار کرے گا ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے جو بڑے اونچے درجے کی

ہوگی دل میں لگن ہوگا بنائش اور مطمئن رہے گا۔ دنیا بھی اور آخرت بھی اس کی۔ دنیا
 میں بھی نرے اور آخرت میں بھی نرے۔ بس دعا کیجئے۔ اللہم وفقنا

عالم انسانیت کا مکمل قانون اسلام

خطبہ منورہ | الحمد لله فحمد الله وأستعينه ونستغفره ونؤمن به
 ونؤكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من
 يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له ونشهد ان لا اله
 الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا وولانا محمد عبداً ورسوله
 اراسله الله الى كافة الناس بشيراً ونذيراً. وداعياً الى الله باذنه
 وسراجاً منيراً. وصلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك
 وسلم تسليماً كثيراً كثيراً.
 اما بعد - فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن
 الرحيم. افغفر الله ابغنى حكماً وهو الذى انزل اليكم الكتاب
 مفصلاً -

بنگلور کی دفعہ تہی | بزرگانِ محترم! آپ کے اس عظیم الشان شہر میں جو اپنے حسن
 و خوبصورتی، نفاذ کی وسعت، آب و ہوا کے اعتدال اور مناظر
 کی خوبی کے لحاظ سے ہندوستان کے شہروں میں ایک ممتاز ترین شہر ہے۔ اس کی
 طرف قدرتی طور پر طوب اور طبائع کی کشش ہوتی ہے۔
 پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک دفعہ کہا تھا کہ اگر میں وزارتِ عظمیٰ سے ریٹائرڈ ہوا
 تو بنگلور میں جا کر قیام کروں گا۔ اس سے بہتر ہندوستان میں دوسرا شہر نہیں ہے۔ بہر حال
 یہ اپنی ظاہری خوبیوں اور خصوصیات کے لحاظ سے ایک ممتاز شہر ہے پھر اس میں ظاہری
 خصوصیات ہی نہیں بلکہ کچھ معنویت بھی ہے۔ کچھ باطنی خصوصیات بھی ہیں۔ اور اگر یوں کہہ
 جائے کہ یہ زمین مجاہدوں اور شہداء کی زمین ہے تو یہ بجا نہ ہوگا۔

ٹیلیو کا وطن | سلطان ٹیلیو کا یہ وطن ہے، ان کے مجاہدانہ کارناموں کا یہ مرکز ہے
 ان کی شہادت اسی مقام پر ہوئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک سلطان

وقت کی شہادت تنہا ایک کی شہادت نہیں ہوتی، معلوم نہیں کتنے افراد کو انہوں نے جام شہادت پلایا ہوگا اور کتنے لوگ یہاں شہید ہوئے ہوں گے، ان ہی شہداء کی اولادیں آپ ہیں یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کے جذبات آپ کے اندر نہ ہوں۔ وہ دلولہ، وہ جوش جہاد، وہ شہادت کا ذوق آبائی ہے جو آپ کے اندر موجود ہے۔ خواہ آپ کو احساس دہود الاولاد مستلابیہ باپ کے جو جذبات ہو تے ہیں وہ قدرتی طور پر اولاد میں منتقل ہوتے ہیں۔ تو اپنی مغنویت کے لحاظ یہ زمین جوش اور جذبہ اور دینی دلولہ بھی رکھتی ہے۔

وسعت اخلاقی اور عالی ظرفی | اسی کے ساتھ ساتھ جو چیز ہم لوگوں کے سامنے آئی وہ آپ کے اخلاق کی وسعت ہے ہم لوگ حاضر ہوئے۔ یہ واقعہ ہے کہ مہانوں کی مدارات میں، ضیافت میں اکرام اور توقیر میں یہاں کے لوگوں نے جو جذبہ دکھلایا ہے وہ ایک ممتاز قسم کا جذبہ ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا، کہ من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ، جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے فرائض میں سے ہے مہمان کا اکرام، اس کی توقیر، اس کی مدارات، اس تعلیم نبوت کے ماتحت آپ نے مدارات میں انتہاء کی خوش سلیقگی کے ساتھ، نظم کی خوبی کے ساتھ مہمانوں کا قیام ان کی آمد، ان کی توقیر یہ ایک ممتاز صورت رہی ہے۔ یہاں اس سے بھی بڑھ کر عالی ظرفی کی بات یہ ہے کہ اُنے والوں کا آپ شکر یہ بھی ادا کر رہے ہیں اور محض ظاہر داری کے طور پر نہیں بلکہ دلوں کے جذبہ سے۔ حضرت مولانا ابوالسعود صاحب جو صدر استقبالیہ ہیں، انہوں نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں آپ کی طرف سے، اپنی طرف سے بھرپور الفاظ میں شکر یہ بھی ادا کیا۔ توجیرت یہ ہے کہ مالی قربانیاں آپ نے دیں، جانی محنت آپ نے کی، مہمانوں کو راحت پہنچانے میں انتہاء آپ نے کی اور اوپر سے شکر یہ بھی ادا کر رہے ہیں۔ یہ عالی ظرفی اور قدر شناسی کی انتہاء ہے کہ آدمی سب کچھ کرے اور پھر یہ کہے کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا، ہمارے یہاں ایک مثل مشہور ہے کہ بادل وہ ہے جو برسے اور گرمادے یعنی برس کر گرتا ہے، کہ وہ پھر آمادہ ہے برسنے پر اس کا جذبہ یہی ہے کہ میں مخلوق کو پانی دوں اور حیات بہم پہنچاؤں۔ دوسرا مصرعہ ہے کہ سخی وہ ہے جو

دے اور شرمادے، تو سب کچھ دے بھی رہے ہیں اور شرم بھی رہے ہیں۔ ندامت کا اظہار بھی کر رہے ہیں یہ کام تو ہمارا تھا کہ ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے، لیکن ہمارا فریضہ بھی آپ ہی نے ادا کر لیا۔ اب ہم سوچتے ہیں کہ ہم کیا چیز ادا کریں۔ اور ادا کریں بھی تو واقعہ یہ ہے کہ جتنے جامع طریق پر آپ نے مہمان داری فرمائی جلسہ کو کامیاب بنایا۔ ہمارے پاس الفاظ اتنے جامع ہیں نہیں کہ جو حادی ہو جاویں آپ کے شکریہ کے اور پر لیکن شکریہ کا ایسا طریقہ کیا ہو کہ جب انعام اور نعمت تو ہو بے انتہا۔ اور شکریہ کے الفاظ ہوں محدود۔ ایسے موقع کے لئے خود شریعت نے ہمیں بتلا دیا کہ لا محمد و شکریہ کس طرح ادا کریں۔

شکریہ کا طریقہ داؤدی | ایک طریقہ تو حضرت داؤد علیہ السلام نے بتلایا۔ حق تعالیٰ نے جب ارشاد فرمایا اعملوا لداؤد مشکوٰۃ

اے داؤد! میری نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے کلام کو انبیاء سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا، حقائق الہیہ کی جو سمجھ اور فہم انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے۔ وہ کسی کو نہیں دی جاتی بلکہ جتنی باتیں آتی ہیں وہ سب اُن ہی کی جوتیوں کے صدقے سے آتی ہیں۔ اور ان ہی کی برکات سے آتی ہیں۔ تو داؤد علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ میرا شکر ادا کرو۔ انہوں نے عرض کیا یا اللہ کس طرح ادا کروں یہ سمجھ میں نہیں آتا اس لئے کہ جب شکر ادا کرنے بیٹھوں گا تو اس شکر ادا کرنے کی توفیق بھی تو آپ ہی دیں گے جب ہی تو شکر ادا کر سکوں گا اس کی طاقت بھی تو آپ ہی دیں گے تو یہ توفیق دینا، یہ طاقت دینا، یہ خود مستقل ایک نعمت ہو گئی پھر میں اس کا شکریہ ادا کروں اور اس کا جب شکر ادا کروں گا تو اس کی توفیق بھی آپ ہی دیں گے تو پھر ایک نعمت پہلے نکل آئی پھر میں اس کا شکریہ ادا کروں تو صد شکر سے — پہلے ایک شکر نکلتا ہے تو میں عاجز ہوں کہ شروع کس طرح سے کروں شکریہ کو اور اداس طرح سے کروں، ہر شکر سے پہلے ایک شکر اور ہر شکر سے پہلے ایک شکر تو میں عاجز ہوں شکر ادا کرنے سے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے داؤد! جب تم نے اپنے غم کا اعتراف کر لیا اور تم شکر ادا کرنے سے عاجز ہو تو وہی ہمارے شکر کی ادائیگی

ہے، اکون ہے جو شکر کا حق ادا کر سکے، نعمتیں لا محدود اور شکر کا راز محدود طاقتیں ہماری محدود، ممکن نہیں کہ اللہ کا شکر ادا کر سکیں، اس لئے صورت یہی ہے کہ اپنے عجز کا اظہار کرے اور اپنے قصور کا اعتراف کر لے کہ بھائی ہم شکر کو ادا نہیں کر سکتے، تو یہی ادائیگی شکر ہے یہ تو طریقہ داؤدی ہے۔ جو انہوں نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب شکر بہت سال لازم ہو جاتے، اور ادا کرنے سے عاجز ہو جاتے تو اعتراف کر لو عجز کا کہ بھائی عاجز ہیں نہیں ادا کر سکتے شکر کو یہی شکر کا قائم مقام ہو جاتے گا۔

شکر کا طریقہ محمدی | ایک طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر نعمتیں لا محدود ہوں تو تم بھی لا محدود شکر یہ ادا کرو۔ مگر بندہ ہے محدود۔ وہ لا محدود شکر یہ ادا نہیں کر سکتا۔ تو الفاظ ایسے ارشاد فرمادے کہ وہ لفظ اس شکر کو لا محدود بنادیں۔ جب کہ حضورؐ نے اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا کہ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا دَائِمًا مَعَ دَوَامِكَ اے اللہ تیرے لئے حمد ہے اور دائمی حمد ہے۔ جب تک کہ تو دائم ہے۔ اور تیرے دوام کی کوئی حد نہیں تو میری حمد کی بھی کوئی حد نہیں۔ اور فرمایا کہ وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا خَالِدًا مَعَ خُلُودِكَ اور تیرے لئے حمد ہے جب تک کہ تو رہنے والا ہے اور تو ہمیشہ رہنے والا ہے تو میری حمد بھی ہمیشہ رہے گی تیرے ساتھ اور فرمایا کہ وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَا مَنْتَهٰی لَهٗ دُوْنَ مَشِيَّتِكَ اور تیرے لئے حمد ہے ایسی حمد جو تیری مشیت کے ساتھ ساتھ چلے اور تیری مشیت کی کوئی انتہاء نہیں تو میری حمد کی بھی کوئی انتہاء نہیں۔ تو آدمی جب پوری حمد اور پورا شکر ادا نہ کر سکے تو اعتراف عجز کے بعد یہ بھی کہہ دے کہ یہ حمد دوامی ہے۔ تو اللہ ان لفظوں کو ہی دوامی بنا دیتے ہیں۔ اور وہ شکر بھی دوامی بن جاتا ہے۔

ادائیگی شکر | اس لئے اگر ہم آپ لوگوں کا شکر یہ ادا کریں اس مہانداری پر اس لیاقت پر، اور اس جلسہ کو کامیاب بنانے پر تو ایک تو یہ عرض کریں گے کہ ہم عاجز ہیں آپ کا شکر ادا کرنے سے یہ تو ہے سنت داؤدی اور ایک یہ عرض کریں گے کہ جب تک آپ باقی ہیں آپ کی نسلیں باقی ہمارا شکر آپ کے ساتھ ہے۔

تو یہ دوا می شکر ہو گیا۔ اپنی طرف سے عجز کا اظہار بھی ہے اور دوا می شکر یہ بھی ہے پھر انشاء اللہ دوا می طور پر ساتھ بھی رہے گا۔

پرسنل لاء کے معنی | بہر حال اس عظیم الشان شہر میں جس کے اندر ظاہری اور باطنی خصوصیات ہیں، جس کے باشندوں کے اندر

اخلاقی بلندیوں ہیں اس عظیم الشان پنڈال میں یہ عظیم الشان جلسہ منعقد کیا جا رہا ہے جس کا موضوع ہے مسلم پرسنل لاء، یہ جلسہ ہے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کا میں ابھی اپنے بزرگوں سے پوچھ رہا تھا کہ پرسنل کے حقیقی معنی کیا ہیں، اس لئے کہ لفظ انگریزی کا ہے، ہم تو پوری طرح انگریزی جانتے نہیں تو میں نے تحقیق کی کہ پرسنل کے معنی کیا ہیں تو یہ سمجھ رہے تھے کہ مخصوص قانون جو کسی قوم کے ساتھ مخصوص ہوا ہے پرسنل لاء کہتے ہیں۔ مگر کہا یہ گیا کہ پرسنل کے معنی ذاتی کے ہیں یعنی مسلمانوں کا ذاتی قانون، مسلمانوں کا شخصی قانون، ان کے احوال و انحصار کے بارے میں مذہبی ہدایات پر مبنی قانون، اس میں ذاتی قانون آجاتا ہے، ذاتی افعال و احوال کے متعلق بھی باتیں آجاتی ہیں خاندانی اور عائلی واقعات بھی آجاتے ہیں، نکاح ہو، طلاق ہو، ہیرو میراث ہو، یہ سب چیزیں اس میں آجاتی ہیں۔ تو مسلم پرسنل لاء معنی یہ نکلے کہ مسلمانوں کے شخصی قوانین، ذاتی قوانین، خاندانی اور عائلی قوانین، یہ ہیں جن کا تحفظ آپ کو مقصود ہے۔ یہ مسلمانوں کا قانون کہا جاتا ہے۔

قانون در حقیقت اسلام کا ہے | لیکن میں عرض کروں گا کہ مسلمانوں بحیثیت قوم کے کوئی قانون ہی نہیں۔ قانون در حقیقت

اسلام کا ہے مسلم قوم کا کوئی قانون ہی نہیں جو مان لے اس کا نام مسلم ہے جو زمانے اس کا نام غیر مسلم ہے لیکن قانون خود مسلمانوں کا شخصی نہیں۔ نہ انہوں نے کوئی قانون وضع کیا ہے نہ ان کے ساتھ مخصوص ہے۔ قانون اسلام کا ہے۔ اور اسلام کا قانون پوری دنیا کے انسانیت کے لئے بھیجا گیا ہے کسی مخصوص قوم کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ یہ آپ کا قانون نہیں بلکہ دنیا کے سارے انسانوں کا قانون ہے۔ ان لفظوں سے کہ مسلمانوں کا قانون ایک تعصب اور ایک مہندی ٹیکتی ہے تو غیر مسلم کہے گا کہ مجھے اس سے

کیا تعلق یہ تو مسلمانوں کا قانون ہے؟ ایک تعصب چلے گا وہ غور کرنے کی طرف بھی توجہ نہیں کرے گا، چونکہ مسلمانوں کا قانون ہے میرا قانون نہیں، مجھے ابسرخور و فکر کی کیا ضرورت ہے لیکن جب ہم یہ کہیں گے کہ مسلم قوم کا بحیثیت قوم کے کوئی قانون نہیں وہ تو خدا کا قانون ہے جیسے ہمارے لئے آیا ہے تمہارے لئے بھی آیا ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس کافۃ ہر پیغمبر اپنی قوم کے طرف بھیجا جاتا تھا، کسی پیغمبر کا دائرہ عمل خاندان ہوتا تھا، جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء کہ وہ بنی اسرائیل خاندان کے لئے آتے تھے بغیر اسرائیلی سے انہیں تعلق نہیں تھا حضرت مسیح علیہ السلام فرطے ہیں کہ میں اسرائیلی بھیڑوں کو جمع کرنے آیا ہوں دنیا سے مجھے کوئی تعلق نہیں نہ اور قوموں سے میری غرض ہے۔ میں اسرائیلوں کی اصلاح کے لئے آیا ہوں، تو بعض انبیاء تو خاندانوں کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے اور بعض انبیاء وطنوں کی اصلاح کے لئے جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو کہ چار شہروں کی اصلاح ان کے سپرد فرمائی تھی تو کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ ہر پیغمبر اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا، مگر حضور فرماتے ہیں وبعثت الی الناس کافۃ میں دنیا کی تمام اقوام کے لئے بھیجا گیا ہوں سارے انسانوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں یہی مطلق قرآن مجید میں جگہ جگہ جہاں عبادت عامہ کی ہدایت فرمائی یا ایمان لانے کی ہدایت فرمائی تو اس جگہ انسانوں کا لفظ استعمال فرمایا ہے، "یا ایہا الناس اعبدوا ربکم" اے دنیا کے انسانو اپنے رب کی عبادت کرو، یا ایہا الناس الی رسول اللہ الیکم جمیعاً، اے دنیا کے انسانو! جو آج موجود ہیں، آئندہ تمہاری نسلیں آئیں گی ان سب کے لئے میں پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں، تو آپ کسی خاص قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے کسی خاص وطن کی طرف مبعوث نہیں ہوئے بلکہ دنیا کے سارے انسانوں کے لئے آئے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا کی قوموں میں جو تعصبات ہیں اس کا منہ نہیں ہے کہ ان کا دین وہ مذہب ہی اس قوم کے لئے مخصوص ہو کر آیا ہے، تو وہی خاندان اپنے دین کو لئے بیٹھا رہا ہے، دوسرے خاندان والوں نے کہا کہ ہمیں اس سے کیا تعلق، ایک وطن کے لئے پیغمبر آیا تو دوسرے وطن والوں نے کہا

کہ ہمیں اس سے کیا تعلق ان کے دین کا ایک قانون ہے یہ اسپر عمل کریں، لیکن جب یہ اعلان کیا گیا کہ میں کسی خاص دین یا خاص قوم کی طرف نہیں آیا میں تو دنیا کے سارے انسانوں کیلئے آیا ہوں تو اب دنیا کی قوموں کو دعوت مل گئی فکر کی۔ کہ جب ہمارے لئے بھی یہی قانون ہے تو ہم بھی اس میں فکر کریں۔ اور اطاعت کریں اب کوئی نہ مانے یہ اس کی محرومی ہوگی۔ پیغام اللہ کی طرف سے عام ہے دنیا کی تمام اقوام کو خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو۔

اسلامی قانون فطرت کے مطابق ہے | بہر حال میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ مسلم پرسنل لاہ کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان کے شخصی قوانین تو ان کا بن حیث القوم نہ کوئی شخصی قانون ہے اور نہ کوئی ذاتی قانون ہے۔ وہ خدا کا قانون ہے ہم اس قانون کو دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کریں گے، مسلم پرسنل لاہ کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ ہم اپنے قانون کو بچائے جاتیں۔ نہیں ہم اس کے تحفظ کے ساتھ ساتھ دنیا کی قوموں کو بھی دعوت دیں گے کہ تم بھی اسپر عمل کرو خواہ وہ شخصی چیز ہو، خواہ خاندانی چیز ہو اس لئے کہ وہ قوانین فطرت کے مطابق ہیں وہ انسان کے طبعی جذبات کے مطابق ہیں۔ وہ زبردستی کے قوانین نہیں کہ عقل نہ مانتی ہو اور دل نہ مانتا ہو اور زبردستی اس کے اوپر ڈالا جاتے یہ بات نہیں بلکہ جب غور کرے گا آدمی فطرت کے مطابق پائے گا اس لئے ایک انسان کی زندگی اسی میں ہے اس ماننے والے انسان کا نام ہے مسلمان اور مسلمان کی زندگی مہم سے لیکر لمحہ تک اور پیدائش سے لیکر موت تک اور اس درمیان میں جتنے اس کے افعال اور احوال ہیں سب پر اسلام کا قانون لاگو ہے اور جتنی ہدایات ہیں وہ سب خدا کی طرف سے ہیں، وہ کوئی موضوع قانون نہیں کہ ہم نے بنایا ہو افعال کو چھوڑ کر انسان کی ذات پر اس وقت سے اسلامی قانون لاگو ہو جاتا ہے کہ اسے عقل بھی نہیں شعور بھی نہیں، تمیز بھی نہیں آج پیدا ہونے والا بچہ جو بالکل بی مضغہ گوشت ہے نہ اسے عقل ہے نہ تمیز ہے، مگر اسلام کا قانون اسپر لاگو ہوا کہ پیدا ہوتے ہی ہلا دھلا کر اس کے دیش کان میں اذان دو اور بائیں کان میں تکبیر کو سب سے پہلے اللہ کا نام پھیلاؤ اس کے کان میں اور کہو کہ اللہ اکبر! اللہ ہی

بڑا ہے۔ اور کسی میں بڑائی نہیں ہے۔ اس کے دل میں بٹھا دیا جاتا ہے کہ عظمت خداوندی یہ تیرا جوہر ہے اشہدان لا الہ الا اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اشہدان محمد رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پتے رسول ہیں، جب آدمی ان بنیادی عقیدوں پر اُگیا اور یہ بات ایک بچے کے دل میں بیٹھ گئی اب آگے عمل ہے فرمایا گیا کہ "حی علی الصلوٰۃ" سب سے بڑا عمل یہ کہ عبادت خداوندی ادا کرو۔ جب یہ بھی اس کے دل میں جما دیا آپ نے آگے عام زندگی کے بارے میں ہے۔ "حی علی الفلاح" عام فلاح و بہبود کی طرف اتر آؤ۔ اب رہا یہ کہ وہ بچہ بچھا ہے یا نہیں آپ کو فائدہ کیا ہے کہ دانتیں کان میں آذان کہیں اور باتیں کان میں تیکر کہیں یہ تو ایسا ہے جیسے آپ نے کسی دیوار کے سامنے وعظ کہہ دیا وہ دیوار کیا سمجھے گی لیکن یہ چیز غلط ہے، بیشک اس بچہ کو عقل نہیں شعور نہیں لیکن اس بچہ کا قلب ایک سفید تختی کے مانند ہے جو اس پر چھاپ دو گے وہی چھپ جائے گا اور جب ہوش سنبھالے گا تو وہی کلمات کہتا ہوا ابھرے گا۔ جو آپ نے اس کے دل پر چھاپ دیتے ہیں۔ تو اگرچہ عقل و شعور نہیں مگر استعداد ہے قبولیت کی جو کلمہ اس کے کان میں ڈالیں گے وہ چھپ جائے گا، اس کے دل کی سفید تختی پر جیسے یہ ریکارڈنگ مشین ہے ہم جو تقریر کر رہے ہیں وہ اس میں چھپتی جا رہی ہے اسے نہ عقل ہے نہ شعور ہے ایک جامہ محض چیز ہے لیکن ساری تقریر اس میں جم جائے گی، جب آپ اس کی کل انیٹھیں گے وہ ساری اٹھ دے گی جو اس کے اندر بھری ہوتی ہے تو کیا ایک انسان کے بچے کا دل اس مشین سے بھی گیا گذرا ہے۔ ان نے اپنی عقل سے اس کی تخلیق کی ہے تو وہ عقل خود کتنی بڑی ہوگی اور اس بچے میں عقل تو ہے مگر نشوونما پائی ہوئی نہیں ہے لیکن جو ہر موجود ہے جو آپ اس کے کان میں ڈالیں گے وہ اس کے دل میں چھپ جائے گا۔

بچہ کی تربیت کا وقت | اس سے امام غزالی نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ بچے کی تربیت کا زمانہ یہ نہیں ہے جو ہم سمجھتے ہیں کہ پانچ برس کا ہو تو مکتب میں بٹھا دو اب تربیت شروع ہوتی ہے۔ نہیں فرماتے ہیں کہ پیدا ہوتے ہی تربیت شروع ہو جاتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وہ مخاطب نہیں بن سکتا ہے۔ مگو ماں باپ کا کام ہے کہ

ڈالیں اس کے اندر ایسی چیزیں کہ جو حقیقی اور سچی ہوں، تو امام لکھتے ہیں کہ دودھ پیتے بچے کے سامنے کوئی بڑا کلمہ نہ کہیں جو کلمہ کہیں گے وہی اس کے قلب میں چھپ جائے گا۔ وہی نشوونما پا کر ابھرے گا اور کہے گا اس نے جو بات بھی اس کے سامنے کریں وہ حقیقی اور سچی کریں۔ عمدہ کریں تاکہ اس کے دل میں وہی باتیں چھپ جائیں اسی طرح سے اسکی آنکھیں ایک آئینے کے مانند ہیں اس کے دل کو شعور و احساس نہیں لیکن آنکھیں تو کھلی ہوئی ہیں تو امام لکھتے ہیں کہ ماں باپ بچے کے آگے کوئی بے حیائی کی حرکت نہ کریں اگر بے حیائی کے کام کرتے ہیں تو وہی اس کی آنکھ کے سامنے سے جا کر اس کے دل میں چھپ جائیں گے، اور جب وہ ہوش پائے گا تو وہی بے حیائی اور بے طہارتی کی باتیں کرتا ہوا ابھرے گا تو کان میں اچھی بات ڈالو اور آنکھ کے سامنے اچھے نقش پیش کرو، خیالات اس کے دل میں اچھے جمائو تاکہ ہوش سنبھالنے کے بعد وہ اچھا بنے، اقوال بھی اس کے اچھے ہوں افعال بھی اس کے اچھے ہوں، تو تربیت کا زمانہ یہ نہیں کہ پانچ چھ برس کے بعد آتا ہے۔ بلکہ پیدا ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے فرق اتنا ہے کہ یہاں مخاطب ہیں ماں باپ کیونکہ اس کے بچے کے اندر مخاطب بننے کی صلاحیت نہیں ہے

اس کا حاصل یہ ہے
اسلامی قانون افعال پر بھی اور ذات پر بھی لاگو ہوتا ہے
 نکلا کہ اسلامی قانون

ایک ان کے افعال پر لاگو نہیں ہوتا ہے بلکہ ذات پر بھی لاگو ہے۔ اس لئے کہ یہ بچہ افعال ادا کرنے کے تو قابل نہیں مگر ذات تو اس کی موجود ہے اسلام کا قانون اسکی ذات پر آگیا تو وہ قانون زندگی سے شروع ہو جاتا ہے آپ نے اذان کہدی تکبیر کہدی۔ اب نماز باقی رہ گئی، علماء لکھتے ہیں کہ نماز جنازہ وہ نماز ہے اس اذان اور تکبیر کی، آج تو آپ نے تکبیر اور اذان کہی اور جلتے ہوئے اسے اپنے نماز پڑھ کر رخصت کیا تو ایک مسلمان کی زندگی اذان اور نماز کے درمیان میں ہے گو ابتداء میں بھی اسے اللہ کے نام سے ہی گھر رکھا ہے اور انتہاء بھی خدا کی عبادت پر جا کر ہوئی تو ابتداء کہو اس کی اذان اور تکبیر سے اور انتہاء کہو اس کی نماز کے اوپر تو ساری زندگی اس کی دو چیزوں کے درمیان آجائے گی

عظمت خداوندی، توحید الہی اقرار رسالت اور عن زکا جذبہ اور ختم ہو گا وہ نماز کے اوپر تو ظاہر بات ہے کہ جوازہ کی نماز تو آپ ہی پڑھیں گے میت کو خبر نہیں کہ کیا ہو رہا ہے وہ بیچارہ کھن پہنے لیٹا ہوا ہے مگر ذات تو اس کی موجود ہے نفس تو موجود ہے تو اسلام کا قانون اس کی ذات پر لاگو ہوا، افعال تو بعد کی چیزیں ہیں تو جو قانون ذات پر لاگو ہو وہ افعال پر کیوں لاگو ہو گا وہ اقوال کی اصلاح کیوں نہ کرے گا، وہ اعمال کی اصلاح کیوں نہ کرے گا تو ان کی ذات اور افعال سب گھرے ہوئے ہیں اسلامی قانون کے تحت ظاہر بات یہ ہے کہ یہ قانون اگر غیر مسلم بلکہ سارے انسان تسلیم کریں تو کیا یہ کوئی برائی کی چیز ہے کہ ابتدا ہی میں خالق کی عظمت دل میں بیٹھ جائے یہ تو ہر قوم کے خور کرنے کی چیز ہے کہ کتنی پاکیزہ تسلیم ہے کہ پیدا ہوتے ہی توحید الہی اور رسالت کی شہادت اس کے دل میں ڈال دو۔ حی علی الصلوٰۃ کہہ کر اسے عبادت خداوندی پر آمادہ کر دو۔ معاذ اللہ یہ کوئی بری چیز ہے غور کیا جائے تو یہ فطرت کے مطابق تعلیم ہے اور یہ تعلیم قوم مسلم کے ساتھ مخصوص نہیں یہ ساری دنیا کے انسانوں کیلئے ہے کوئی غور نہ کرے یہ اسکی محرومی کی بات ہے۔ لیکن اسلام نے تو غور کا دروازہ کھول دیا ہے مگر جب آپ یوں کہیں گے کہ یہ ہمارا قانون ہے اور وہ تمہارا قانون ہے تو اس سے پیدا ہو گا تعصب وہ کہے گا کہ میں کیوں غور کروں یہ تو ایک دوسری قوم کا قانون ہے، میری قوم کا قانون الگ ہے، اور جب آپ یہ کہیں کہ نہ ہمارا قانون نہ تمہارا قانون یہ تو خدا کا قانون ہے جسکے مکلف ہم سب قرار دیئے گئے ہیں اب موقع آئے گا ان کے غور و فکر کا کہ جب ہمیں بھی یہ پیغام دیا گیا ہے تو ہم بھی اسپر غور کریں۔

خدا کا قانون سب کے لئے عام ہے | اس لئے میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ ماننے

اور حقیقت کے لحاظ سے یہ اسلامی پرستلار ہے، یہ اسلامی لار ہے۔ یہ خدا کا قانون ہے جو سب کے لئے عام ہے یحییٰ سے لیکر موت تک۔ اور موت سے لیکر قبر تک اور قبر سے لیکر میدانِ حشر تک اور میدانِ حشر سے لیکر جنت تک اور جنتوں میں داخل، نے

کے بعد ابدالآباد تک ہی قانون چلتا رہے گا۔ اور اسی میں ترقی ہوتی رہے گی، یہاں اسکی اور نوعیت ہے قبر میں اور نوعیت ہوگی، حشر میں اور ہوگی، جنتوں میں جا کے کچھ اور ہوگی مگر بنیادی طور پر ہی قانون رہے گا اور ان کی ترقی اسی سے ہوتی رہے گی

پرسنل لار کا اصل مقصد کیا ہے | بہر حال مسلم پرسنل لار کا اصل مقصد یہ ہے کہ عاتق قوانین جو خاندانی طور پر ان پر لاگو ہوں

اور ذاتی قوانین جو انکی ذات پر لاگو ہوں ان کا تحفظ ہو، حقیقت یہ ہے کہ ہماری کسی سے بھی لڑائی نہیں ہے، نہ ہم گورنمنٹ سے لڑتے ہیں اور نہ ہم کسی قوم سے لڑتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اس قانون کو تم بھی اختیار کرو اور اگر نہیں اختیار کرتے تو کم سے کم ہم تو تو عمل کرنے دو تم اس میں کیوں رکاوٹیں ڈالتے ہو۔ ان رکاوٹوں کا دور کرنا یہ ہمارا سب سے بڑا مقصد ہے۔ کہ ہمیں عمل کرنے دو اگر تم محروم رہنا چاہتے ہو اور نہیں عمل کرتے تو عمل کرنے والوں پر پابندیاں کیوں عائد کرتے ہو کیوں اس میں رکاوٹ ڈالتے ہو تو مقصد اصلی ان قوانین کا تحفظ ہے، اب اس تحفظ کے سلسلے میں آپ اگر غلطوں سے دباؤ ڈال سکیں تو غلطوں سے دباؤ ڈالیں کوئی اور تجویز ہو اثرات ڈالنے کی آپ اسے اختیار کریں مگر مقصد اصلی حفاظت ہے اس قانون خداوندی کی تو اس کو ہم شسوس کریں اور اس کا احساس ہمیں ہونا چاہیے۔

پرسنل لار کوئی بت نہیں ہے | لیکن حقیقت یہ ہے کہ حفاظت کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ قانون کوئی بت یا تصور رہے پرسنل لار

وہ رکھا ہوا اور آپ شور مچاتیں کہ صاحب ادہ ہے قانون پرسنل لار کا اسکی حفاظت آپ کریں۔

قانون کی حفاظت اس کا استعمال کرنا ہے | قانون کی حفاظت یہ ہے کہ آپ اس کو استعمال کرنا شروع کر دو

بس وہ محفوظ ہو جائے گا اور تم بھی محفوظ ہو جاؤ گے۔ لیکن شور مچاؤ کہ وہ رکھا ہوا ہے قانون تو قانون کوئی بت ہے جسکی حفاظت کر رہے ہیں یا کوئی وہ تصویر ہے؟ سب سے بڑی حفاظت یہ ہے کہ آپ اسے اپنے اندر رکھ لیں اس پر عمل درآمد شروع کر دیں تو قانون مجسم آپ

بن جائیں گے۔

یہ قانون خداوندی مٹنے والا نہیں ہے | پرسنل لا کوئی مٹنے والی چیز نہیں ہے
کوئی کتنا ہی مٹائے وہ خود مٹ سکتا

ہے اس لئے کہ پرسنل لا کے قانون کی جڑیں قرآن اور حدیث میں دوسرے نفلوں میں وہ
خود اسلام ہے اور اسلام دائمی زندگی لیکر آیا ہے مٹنے کے لئے نہیں آیا ہے اس کی حفاظت
کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے لی ہے اِنَّا غَنِّیْنَا اللّٰہَ کَوْاَنَّا لَکُمْ حَافِظُوْنَ ہم
نے یہ ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کے ذمہ دار ہیں تو حفاظت ہوگی اللہ کی
اسیں کوئی غل نہیں ڈال سکتا ہے ہمارے لئے سعادت یہ ہے کہ ہم ذریعہ اور سبب بن

جائیں اسکی حفاظت کا، حافظ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں لیکن اگر ہم وسیلہ بن گئے تو ہمیں
سعادت حاصل ہو جائے گی ورنہ اگر ہم نہ عمل کریں اور نہ حفاظت کریں پھر بھی مٹنے والا نہیں
ہے خود حق تعالیٰ نے فرمایا دِیْنُ مَسْکُوْنًا یَبْتَدِیْنُ فَوْمَآئِہُمْ وَہُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ اَمَّا لَکُمْ

تم اگر سب مل کر اس دین کی حفاظت سے پھر گئے تو ہمیں نکال دیا جائے گا اس دین سے
اور دوسری قومیں لاکھڑی کر دی جائیں گی وہ اس دین کی حفاظت کریں گی اس لئے سعادت
تو ہماری ہے اگر ہم سبب اور ذریعہ بنیں اسکی حفاظت کا ہم خود حافظ نہیں کہ اسکی حفاظت
کریں حفاظت کرنے والا حفاظت کر رہا ہے اس قانون کے خلاف کتنے کتنے مصائب
کتنے بڑے بڑے دشمن کھڑے ہوئے لیکن آج ان دشمنوں کا نام وطن نہیں اور قانون

خداوندی پھر اسی شان سے موجود قرآن بھی محفوظ حدیث بھی محفوظ، فقہ بھی محفوظ، ساری
چیزیں اپنی جگہ ہیں، انکار کرنے والے گزر گئے آج کوئی نقش یا بھی ان کا پتہ بتلائے والا
نہیں، یہ قانون تو اپنی جگہ رہے گا حفاظت خداوندی سے ہم اگر ذریعہ بنجادیں اسکی حفاظت
کا ہمیں سعادت حاصل ہو جاوے گی، انگلی کاٹ کر کے شہیدوں میں داخل ہو جاویں گے
ورنہ یہ تو محفوظ رہنے والی چیز ہے۔

محفوظ کا دامن پکڑ لو محفوظ ہو جاوے گے | ہم شہور چاہتے ہیں وہ درحقیقت
اپنی حفاظت کے لئے پرسنل لا

کی حفاظت کیلئے نہیں وہ تو محفوظ ہے۔ ہم قنا اس کا دامن پکڑیں گے اتنا ہی محفوظ ہو جائیں گے کیونکہ محفوظ کا دامن پکڑ کر آدمی خود محفوظ ہو جاتا ہے، آپ کے پرسنل لاہ کی حفاظت نہ ہوگی بلکہ پرسنل لاہ سے آپ کی حفاظت ہوگی تو ہم اپنی حفاظت کے لئے اسے دانتوں سے مضبوط پکڑیں اور ہم نہیں چاہتے کہ اسمیں کوئی خلل انداز ہو اگر کوئی خلل انداز ہو ابھی تو ہم مد مقابل سے لڑنے کو تیار ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ اسکی اندر کوئی خلل ڈالے حکم خداوندی یہی ہے۔

تو واضح ہو گیا کہ پرسنل لاہ کا قانون اسلامی قانون ہے کسی مخصوص قوم کا قانون نہیں۔ ماننے والے کا نام مسلم ہے تو وہ مسلم قانون کہلاتے گا۔ نہ ماننے والے کا نام غیر مسلم ہے تو وہ غیر مسلم کا قانون نہیں رہا ورنہ حقیقت میں انسانی قانون ہے۔ انسان کی برتری اور حفاظت اور ان کی خوبی اور دنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے یہ قانون بھی گیا ہے، اس قانون کا حاصل فقط یہی نہیں کہ آپ چند رسمیں ادا کریں بلکہ قانون کی حفاظت اور تحفظ کا حاصل یہ ہے کہ اسپر عمل درآمد کر کے آپ ظاہری افعال بھی ادا کریں مگر ہر فعل میں قربت اور تعلق پیش نظر رہے ہی فرق ہے دین میں اور رسی کا قانون میں۔

رسی قوانین جو سلطنتیں طے کرتی ہیں وہ صرف افعال پر لاگو ہوتے ہیں

ہیں لیکن خدائی قانون دلوں کے ادھر بھی لاگو ہوتا ہے۔ اگر کسی کو چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا تو قانون اس کو سزا دیں گے۔ لیکن اس کے دل میں سے کوئی چوری کا جذبہ نکال دے یہ کوئی دنیاوی قانون نہیں کر سکتا جیل خانے میں جا کر بھی چور کا جذبہ یہی رہے گا کہ اب اگرچہ مہینے بعد جھوٹ جاؤں گا تو پھر اس سے بڑی چوری کروں گا، پھر چھ ماہ جیل میں رہوں گا مگر اس کے بعد میں ایک اور زبردست ڈاکر ڈالوں گا تو بھائیو! دنیا کا قانون تو جذبات بھی لاگو نہیں ہوتا ذات پر تو کیا ہو وہ تو ادھر بھی اوپر کی چیز ہے، صرف افعال پر لاگو ہوتا ہے نظر عام پر وہ قانون چلتا ہے لیکن دینی قانون اور انبیاء کا قانون وہ ہے کہ وہ فقط چوری ہی سے نہیں روکتا بلکہ چوری کی نفرت بھی دل کے اندر بٹھا دیتا ہے وہ ڈاکر زنی ہی سے نہیں روکتا

بلکہ ڈاکہ کی غلاطی اس کے سامنے ایسی آتی ہے جیسے پاخانہ کی غلاطی جو جرائم کی لغت
بمطابق جرائم سے پیرا بنادینا یہ قانون خداوندی کا کام ہے۔

قانون خداوندی انسانوں کی اصلاح کے لئے آیا ہے | مسلمانوں کا شخصی
قانون ہو یا عاقلی

قانون ہو اس کا منشاء فی الحقیقت یہی ہے کہ ظاہر میں یہ عمل کرو اور باطن میں خدا کے
طرف رجوع کرو۔ اس لئے کہ قانون دونوں چیزوں پر لاگو ہوتا ہے تمہارے دلوں پر بھی
تمہاری زبانوں پر بھی اور تمہارے ہاتھوں اور پیروں پر بھی۔ نہ فقط دل کی اصلاح نہ فقط
ہاتھ پیر کی اصلاح نہ فقط زبان کی اصلاح بلکہ انسان کے مجموعے کی اصلاح پیش نظر ہے
کہ اس کا اٹھ پیر بھی درست ہو اس کا دماغ بھی درست ہو اس کا قلب بھی درست ہو۔
ظاہر و باطن سے وہ اسپر عمل درآمد کرے، تو یہ شور بجا نامعص اس لئے نہیں کہ چند رسمیں ہیں
جنہیں ہم پورا کرنا چاہتے ہیں یا چند رسمی باتیں جن کی حفاظت کرنا ہمارا مقصد ہے، انہیں
بلکہ یہ اللہ کا دین ہے جس کے پیش نظر ہے انسان کی فلاح و بہبود۔ ہم اسکی حفاظت کر کے
اپنی حفاظت کرنا چاہتے اور دنیا کی قوموں کو لانا چاہتے ہیں کہ تم بھی اس قانون کو اپناؤ، موزوں
اور مقابلہ کر کے دیکھ لو ذاتی زندگی ہو یا افعال کی زندگی ہو کہ یہ زندگی بہتر ہے یا وہ زندگی بہتر ہے
جو تم تجویز کر رہے ہو یہ بھی ہمارے مقاصد میں داخل ہے۔

ہر شور مضر نہیں | تو پرسنل لار کے خلاف ایک شور اٹھا اس سے لوگ پریشان
ہوئے اور آل انڈیا مسلم بورڈ قائم کر دیا۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ یہ

شور مضر نہیں ثابت ہوا گو وہ فی نفسہ کوئی اچھی چیز نہیں سمجھا جاتا۔

بعض شر میں سے خیر نکلتی ہے | جنہوں نے پرسنل لار کی مخالفت کی
واقعی انہوں نے سخت غلطی کی گویا ایک

شر اٹھا مگر اس شر میں سے ہمارے لئے خیر نکل آتی پہلی خیر تو یہ نکلی کہ سارے مسلمان
متحد ہو گئے کہ ہمیں اسکی حفاظت کرنی ہے آج آپ کے سامنے یہ سربراہان مذاہب
بیٹھے ہوئے ہیں ہر فرقے اور ہر طبقے کے علماء موجود ہیں ہر تنظیم کے سربراہ موجود ہیں۔

سب ایک پلیٹ فام پر جمع ہو گئے ہیں اس شہر میں سے ہی تو یہ خیر نکلی ہے اگر پرسنل
لار کے مخالف نہ کھڑے ہوتے تو ان کے دل میں یہ جذبہ کہاں سے پیدا ہوتا کہ ایک پلیٹ
فام پر جمع ہو جائیں تو اتحاد جیسی نعمت اس شور نے ہمیں بخشی تو یہ شور ہمارے لئے مفر
ثابت نہیں ہوا۔ ہم تو انہیں محسن سمجھتے ہیں کہ ایک درجے میں جو پرسنل لار کی مخالفت
کر رہے ہیں کہ ان کی مخالفت سے ہم میں جذبہ اتحاد پیدا ہو گیا ہے

خدا شرے برا لیکزد کہ خیرے مادران باشد

بعض دفعہ شرارت ہے مگر اس شر میں سے خیر نکل آتی ہے۔ ہمارے لئے بھی
اس میں سے خیر نکل آئی کہ ہم کو نعمت اتحاد ملی۔ یہ بات نہیں کہ رسمی طور پر ہم اتحاد اچھی بات
سمجھ رہے ہیں بلکہ یہ ایک نعمت خداوندی ہے۔ حق تعالیٰ نے بھی اسے نعمت فرمایا ہے۔
زمانہ جاہلیت میں لوگ لڑتے تھے آپس میں عداوتیں بڑھتی جوتی تھیں، آپس میں ایک
دوسرے کے دشمن تھے لڑائیاں ٹھنی جوتی تھیں، دوا دوا سی بات پر جنگیں اٹھتی تھیں،
پانی پلانے پر جھگڑا، پہلے پانی کون پلائے اس پر قبیلے لڑ پڑتے تھے اور یہ لڑائی پچاس
پچاس سو برس جاری رہتی تھی، اور مرنے والے وصیت کر جاتے تھے کہ لڑائی بند نہ ہونے
پائے، اسے جاری رکھنا، ہمارے خاندان کی ناک دکھ جائے۔ یہ بات چھوٹی چھوٹی
ہوتی تھیں مگر لڑائیاں بہت، عداوتیں عام، آپس میں رتاہیں مزاج بن گیا تھا، اسلام
نے آکر انہیں متحد کر دیا، تو اس اتحاد کو حق تعالیٰ نے ایک آیت میں نعمت فرمایا ہے کہ واذکودا
اذکنتم اعداء اس وقت کو یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے ایک دوسرے کے نام
سے بیزار تھے خائف بین قلوبکم خدا نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی خالصتہ
بمعتہ اخواناً یہ اسکی دی ہوئی نعمت تھی کہ تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ جو
آپس میں جمع نہیں ہو سکتے تھے، تو اس اتحاد اور تالیف طوب کو حق تعالیٰ نے انعام خداوندی
فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ دلوں کا ملا دینا یہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور کسی کے ہاتھ میں
نہیں ہے ساری تنظیمیں آپ کریں مگر دلوں کا ملا دینا یہ اللہ ہی کا کام ہے۔

تالیف قلوب اللہ کے قبضے میں ہے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

بارکات کہ آپ کی تائید سے بڑھ کر اور کس کی تائید قوی ہو سکتی ہے..... لیکن حق تعالیٰ نے فرمادیا کہ **لَوْ اَنْفَقْتُ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ جَمِیْعًا مَا اَلْفَتْ بَیْنِیْ وَتَلُوْا بِهٖ وَکَلَّمَ اللّٰہُ اَنْفَیْہِمَا** یعنی آپ اگر زمین بھر کر بھی سونا خرچ کر دیتے تو دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے۔ دلوں کا جوڑنا اللہ کا کام ہے۔ یہ تو ہمکا مارے بزرگ جو بیٹھے ہوئے ہیں، مختلف مسالک کے مختلف فرقوں کے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض کندھے سے کندھا ملائے ہوئے نہیں بیٹھے بلکہ دل بھی ان کے جڑے ہوئے ہیں۔ دلی جذبہ بھی یہی ہے کہ ذاتی ہم حفاظت کریں اپنے دین کی تو تالیف قلوب یہ تو اللہ کا ہی کام تھا اور واقعہ جب ہوا جب شر اٹھا اور پرسنل لاء کے مخالف کھڑے ہوئے تو ہم کو اللہ نے اس شر سے ایک بڑی نعمت عطا کر دی اور اسلام کا شیعہ ہمیشہ رہا ہے کہ جب بھی وہ ابھرا ہے مخالفوں میں ابھرا ہے۔ اگر مخالفین نہ ہوں اور اس سے ٹکراؤ نہ ہو تو اسکی برکتیں نہیں کھل سکتیں، اس کے اندر جو خیر کے پہلو ہیں وہ نمایاں نہیں ہو سکتے تھے۔

ترقی نام ہے ٹکراؤ کا | غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ترقی نام ہی ٹکراؤ کا ہے۔ اگر دنیا میں ٹکراؤ نہ ہو تو ترقی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً پانی ہے۔ ہزاروں برس سے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اس میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ یہ نہیں کہ سمندر کی موجیں اٹھتی تھیں پہاڑوں کی شکل میں اور اب گلدستوں کی صورت آنے لگی ہوں، پھول بوٹے بن گئے ہوں، ویسے ہی موجیں ہیں جیسی دس ہزار برس پہلے اٹھتی تھیں ویسے ہی ٹھاٹھیں مار رہا ہے کوئی ترقی نہیں آسکی۔ آگ ہے اسمیں کوئی ترقی نہیں، جیسے پہلے لیٹ اٹھتی تھی ویسے ہی آج بھی لیٹ اٹھ رہی ہے وہ پھول بوٹے نہیں بناتی، زمین ہے اگر تنہا زمین کو چھوڑ دو تو اسمیں کوئی ترقی نہیں جیسے پہلے پامال تھی ویسے ہی آج بھی پامال ہے۔ آپ جیسے اسے روندتے ہیں روندی جاتی ہے۔ لیکن پانی کو اگر آپ طاہر مٹی سے اور ٹکرا دیں تو گارابنے گا اور گارابنے کے بعد کہیں برتن نہیں گے۔ کہیں اینٹیں بنے گی، کہیں سامان بنے گا۔ بس ترقی شروع ہوگئی، تو آگ پانی کے ٹکراؤ سے ترقی ہوتی ہے۔ آگ الگ رہنے میں کوئی ترقی نہیں ہے۔ آگ کو آپ ہوا سے ٹکرا دیں تو جو

رخصت کے عجائبات پیدا ہوں گے، کہیں گرج ہوگی کہیں بادل ہوں گے کہیں جھیلیاں چلیں
 گی۔ اگر ہوا اور آگ دونوں الگ الگ رہیں تو نہ بجلی نظر آئے گی نہ ٹرک نظر آئے گی نہ بارش
 برسے گی۔ تو یہ حال ٹکراؤ ہی میں ترقی ہے ایک بہت بڑا عالم ہے وہ ہزاروں سال جانتا
 ہے لیکن پھر اس کے اندر ترقی نہیں کیونکہ اس کو کسی سے ٹکراؤ نہیں ہے لیکن اگر اس کو
 کسی جاہل سے ٹکرا دیا جائے اور وہ اعتراضات کرے تو اعتراضات کے جواب میں
 نئی نئی چیزیں نکلیں گی اور یہاں علم سناٹے آئے گا۔ اس طرح سے ایک عالم کے علم کی ترقی
 شروع ہو جائے گی۔ تو جہالت بھی ایک نعمت ہے بغیر اس کے ٹکراؤ کے علم کے اندر ترقی
 پیدا نہیں ہوتی۔ ایک حکیم کا مقولہ ہے کہ القلب میت و حیاتہ بالعلم و العلم
 میت و حیاتہ بالمناظرۃ دل مردہ ہے اس کی زندگی ہے علم اور علم مردہ ہے اس کی
 زندگی ہے بحث اور نظر اور ٹکراؤ سے اور علم کی ٹکر جہالت سے ہی ہوگی، علم تو علم سے ٹکراتا
 نہیں تو جتنا جاہل ٹکراتے گا عالم سے اتنا ہی اس کے علم میں وسعت شروع ہو جائے
 گی۔ ایک بہت زبردست پہلوان ہے ہزاروں واقف پیچ جانتا ہے جو اس کی جھولی میں
 محفوظ پڑے ہوتے ہیں۔ اگر کشتی لڑنے پر آئے تو ان واقف پیچ میں ترقی ہوگی،
 وہ اپنے بچاؤ کے لئے سسے سسے واقف پیچ ایجاد کرے گا نئی نئی صورتیں پیدا کرے
 گا۔ تو جب تک وہ پہلوانوں کی ٹکر نہ ہو تو فن کی ترقی نہیں ہوتی، ترقی درحقیقت نام
 ہی تضاد کا ہے۔ اگر تضاد نہ ہو تو ترقی ناممکن، اسی لئے حق تعالیٰ نے اسی تضاد کو
 بھی فضل خداوندی ظاہر فرمایا ہے کہ لا ترفع اللہ الناس بعضهم ببعض
 لفسدت الامامی و لكن اللہ ذو فضل علی العالمین "اگر اللہ ایک قوم کو دوسری
 قوم سے نہ ٹکرائے تو زمین فاسد ہو کر رہ جائے اور قومیں بیٹھ جائیں ان کی ترقی رک جائے
 لیکن اللہ ٹکراتا ہے ٹکرانے کے بعد پھر نئے نئے عجائبات تمدن کے پیدا ہوتے ہیں،
 جب کوئی بڑی جنگ ہوتی ہے تو جنگ کے بعد نئے نئے نظریات پیدا ہوتے ہیں
 تمدنی ترقی ہوتی ہے۔ اگر کوئی قوم قوی ہے تو اس ٹکراؤ سے اس کی نخوت ٹوٹتی ہے
 اور جو ضعیف ہے اس کی غفلت ٹوٹتی ہے تو دونوں فرقوں کی بھلائی، ٹکرانے کے اندر

ہی ہوتی ہے ٹکڑی نہ ہوں تو کوئی ترقی ممکن نہیں تو پرسنل لار کو ٹکرایا لوگوں نے، مخالفت کی، اعتراضات کئے اس سے ہر ذرے کے علماء کھڑے ہو گئے، ہر تنظیم کے سربراہ کھڑے ہو گئے، انہوں نے ان کے اعتراضات کے جواب دیئے اس سے مسلم پرسنل لار کا مسئلہ پھیل گیا، اور اتنی شقوق کھل گئیں کہ اس سے پہلے ہم بھی نہیں جانتے تھے کہ اس کے اندر اتنے شقوق ہیں، آج سینکڑوں رسالے شائع ہو گئے، سینکڑوں مضامین چھپ گئے سارے پہلو کھول کر رکھ دیئے بہت نہیں تھا کہ اس مسلم پرسنل لار میں اتنا علم بھرا ہوا ہے ہر ایک نے اپنے ذوق اور ظرف کے مطابق علم نکالا۔ اتنے پہلو آشکاف کئے کہ اگر مخالفت اعتراض نہ کرتے تو کبھی یہ پہلو ہمارے سامنے نہ آتے، بس اتنا جانتے تھے کہ قانون اللہ کا ہے۔ بھائی عمل کر لو اپسر، مگر ٹکڑے آپس میں ترقی ہوئی عجیب لطافت اور نکات پیدا کئے علماء نے اگر یہ ٹکڑہ ہوتی تو پرسنل لار کا مسئلہ واضح نہ ہوتا حق تعالیٰ جب چاہتے ہیں کہ اسلام کے مسئلہ کھول کر واضح کریں تو جہلدار کو ٹکڑا دیتے ہیں کہ تم اعتراض کر دو اور مخالفت کر دو، جتنی مخالفت ہوگی علماء اس کے جواب میں کھڑے ہو جائیں گے، اور جو گوشے چھپے ہوئے تھے وہ کھل کر سامنے آجائیں گے اسی لئے کفار کو ٹکڑی دی گئی مسلمانوں سے، فساق کو ٹکڑی دی گئی متقیوں سے منافقوں کو ٹکڑی دی گئی غلصوں سے تاکہ مخلص کا اخلاص کھل جائے، منافق کا نفاق کھل جائے، اور جو چیز اصل ہے وہ کھل کر برسر عام آجائے۔

تو واقعہ یہ ہے کہ پرسنل لار

مخالفت بھی نعمت ہے اور اتحاد بھی نعمت ہے | کی مخالفت ہمارے لئے

بڑی نعمت ثابت ہوئی اگر یہ نہ ہوتی تو اتحاد بڑا اتحاد جو آپ دیکھ رہے ہیں یہ نہ ہوتا اس اتحاد سے جو حفاظت ہو رہی ہے پرسنل لار کی وہ نہ ہوتی اس حفاظت سے وعب کی جو کیفیت مخالفین کے دلوں میں پیدا ہو گئی وہ نہ ہوتی ہزاروں مسلمان جو پرسنل لار کو سمجھتے ہوئے نہ ملتے تھے وہ ابھی طرح مان گئے تو ایک نعمت کیا ہزاروں نعمتیں مل گئیں اس اعتبار سے ہم تو شکر گذار ہیں مخالفت کرنے والوں کے کہ اگر وہ مخالفت نہ کرتے تو ہمیں یہ نعمتیں نہ ملتیں۔ اور وہ اور زیادہ مخالفت کر کے دیکھیں مسئلہ اور زیادہ واضح ہوگا اور ممکن ہے کل کو اس

کھلے ہوئے مسئلے کی پیسٹ میں وہ بھی آجائیں؟ اور وہ بھی کہیں کہ بھائی! وہی بات تو تھی جس سے لڑ رہے تھے اسے دیکھو اور جب دیکھیں گے تو اختیار کر کے مجبور ہو جائیں گے تو یہ مخالفت ذریعہ بن جائے گی ان کی موافقت کا۔ یہی مخالفت ذریعہ بنے گی پیروی کرنے کا تو ان کے لئے بھی راستہ ہموار ہو رہا ہے۔ اور ہمارے لئے تو اللہ نے علمی اور نظری راستہ پیدا کر ہی دیا بہت سوں میں اب استعداد پیدا ہو رہی ہے غور و فکر کی اور استعداد کے بعد جب وہ غور و فکر کریں گے تو فطری قانون پر آکر رہیں گے یہ مصنوعی قانون سب ختم ہو جائیں گے

باپ بیٹے کا تعلق جزئیت کا ہوتا ہے | باپ کا بیٹا ہونا یہ کوئی فرضی بات
تھوڑا ہی ہے کہ جسے چاہیں آپ
کہیں کہ یہ بیٹا ہے بس وہ بیٹا بن گیا جسے چاہیں آپ کہیں کہ یہ باپ ہے بس وہ باپ
بن گیا۔ باپ بیٹا ہوتا ہے جزئیت کے تعلق سے کہ وہ باپ کا جزو ہے اس کے نطفے
سے ہے اسلئے وہ اس کا بیٹا ہے۔ عضو منہ بولنے سے تو جزو نہیں بن جلتے گا کوئی شخص
کسی شخص کا تو عضو نام لینے سے بیٹا بنا دینا۔ درحقیقت یہ فرضی اور مصنوعی بات ہوگی، حالانکہ
اس کا تعلق خلقت سے ہے، خدا ہی باپ بناتا ہے خدا ہی بیٹا بناتا ہے وہی ایک کے
اندر سے دوسرے کو نکالتا ہے اس کے اجزاء منتقل ہوتے ہیں دوسرے کے اندر جس
سے وہ بیٹا بن جاتا ہے بیٹی بن جاتی ہے بخروج الحی من المیت و بخروج المیت من الحی
وہ مردہ سے زندہ کو نکال دیتا ہے ایک قطرہ پانی سے جو مردہ عضو ہے زندہ انسان
پیدا کرتا ہے اور اس زندہ انسان میں سے پھر وہ قطرہ آگے کو چلتا ہے تو زندہ میں سے مردہ
کو نکال دینا اور مردہ میں سے زندہ کو پیدا کرنا یہ تو اللہ کا کام ہے کسی انسان کا کام نہیں ہے۔
تو ایک انسان کا جزو بن جائے گا۔ دوسرا انسان وہ جزو زبان کی حرکت سے تھوڑا ہی بنے گا وہ
تو خلقت بنا ہوا ہے جو بیٹا ہے وہ بیٹا ہے جو باپ ہے وہ باپ ہے تو ظاہر بات ہے
کہ جب اس حقیقت پر وہ غور کریں گے وہ خود نامد ہوں گے اگر عقل رکھتے ہوں گے کہ
بھائی! یہ عضو منہ سے بیٹا کہہ دینے سے بیٹا کہہ بن گیا اور بیٹا بھی حقیقی کہ دراشت میں بھی

شریک اور حقوق میں بھی یہ سب فرضی کارخانہ ہے کہ ہم نے بیٹھ کر خیال کر لیا بس ہو گیا، تو باپ بیٹا ہونا خیالات سے تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ یہ تو خلقت ہے تخلیق خداوندی ہے۔ جتنی چیزیں قانون کی بنائی جاتی ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ مصنوعی ہوتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون جو آتا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہوتا ہے خواہ دوسری قویں اپنے اقتدار کی وجہ سے اپنے تحفظات کی وجہ سے قانون ایسے بناتی ہیں کہ وہ محفوظ ہو جائیں۔ دوسرا چاہے پامال ہو جائے۔ لیکن اللہ کے تو سب بندے ہیں وہ تو سب کا خیر خواہ ہے۔ اس لئے وہ قانون بھیجتا ہے سارے انسانوں کی اصلاح کے لئے اور سارے انسانوں کی ہدایت کے لئے اس لئے سب ہی بنی آدم کو اپسر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

اہل بنگلوں اور ان کی خدمات اور ان کا شکریہ | تو ہر حال اب اس لحاظ سے میں عرض کروں گا کہ اہل بنگلوں

نے جو مدارات کی ہے اُنے والوں کی اور جو مہمان داری کی اور اخلاقی بلندیوں کا ثبوت دیا وہ فی الحقیقت ہمارے گوشت پوست کی خدمت نہیں بلکہ وہ خدمت کی ہے پرسنل لاس کی ہے وہ خدمت کی ہے اتحاد طبقات کی، وہ خدمت کی ہے تمام فرقوں کے متحد ہونے کی۔ تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ ہم الفاظ میں شکریہ ادا نہیں کر سکتے، لیکن پھر بھی انسان کے اوپر فرض ہے کہ شکریہ ادا ہی کرے اللہ کا بھی، اور بندوں کا بھی تو بھی نعمت دیشکو الناس لہ دیشکو اللہ جو بندوں کا شکو گزار نہیں وہ اللہ کا بھی شکو گزار نہیں۔ اس لئے کہ اس نے جو کام کیا ہے وہ کیا ہے اللہ ہی کی توفیق دینے سے تو اولاً اللہ کا شکر ہوتا ہے پھر وسائل کا شکر ہوتا ہے تو بجائے اس کے کہ ہم آپ کا شکو ادا کرتے یہ آپ کی عالی حوصلگی ہے کہ آپ ہمیں را شکو ادا کر رہے ہیں۔ دے بھی رہے ہیں اور شرم بھی رہے ہیں۔ فی الحقیقت یہ شکریہ آپ کے لئے ہے۔ اس وقت تک جب تک آپ کی نسلیں باقی ہیں آپ کے لئے دعا ہے اس وقت تک جب تک دنیا میں آپ کا نام و نشان باقی ہے۔ تو اللہ آپ کو بھی دوامی کرے اور خدا کرے کہ ہمارا شکر بھی دوامی ہو۔

انسان دوامی اور ابدی ہے | انسان تو ہے ہی دوامی انسان ازلی نہیں ہے بلکہ

ابدی ہے۔ ازلی تو اس لئے نہیں کہ اللہ نے پیدا کیا تو ہو گیا اس سے پہلے انسان کا نام و نشان نہیں تھا۔ قرآن کریم نے فرمایا کہ هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا انسان پر ایک بڑا زمانہ گزر چکا ہے لاشیٰ محض تھا۔ اور اس کا جو چاہی نہ تھا۔ زبانوں پر کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ زید کون ہے اور بحر کون ہے انا خلقنا الانسان من نطفة امساج فتيده ہم نے پیدا کیا اس کو تو ہمیں پیدا ہونے کے بعد ہی معلوم ہوا کہ ہم محدود تھے اس سے پہلے ہمیں اپنے عدم کا بھی علم نہ تھا، زمانہ دراز گزر چکا ہے کہ انسان نہیں تھا۔ اللہ نے پیدا کیا لیکن جب پیدا کر دیا تو اب وہ مٹنے والا نہیں اب وہ ابدی ہے۔

موت کے معنی منتقل ہونا | موت کے معنی فنا کے نہیں ہیں کہ آدمی موت آنے کے بعد فنا ہو گیا یا ختم ہو گیا ایسا نہیں ہے بلکہ موت کے

منتقل ہو جانے کے ہیں۔ اس دار سے دوسرے دار میں اس جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہونا۔ تو انتقال ایک دار سے دوسرے دار کی طرف ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف یہ تو ہوتا رہے گا ان سے مگرمٹ جانے انسان یہ نہیں ہو سکتا۔ نو مہینے آپ ماں کے پیٹ میں رہے ایک عالم میں تھے، اس سارے عالم کی عمر نو مہینے کی تھی وہاں سے انتقال ہوا تھا دنیا میں آگئے اب دنیا میں آپ کی عمر ساٹھ، ستر، اسی، ستو برس کی ہے یہاں رہے یہاں انتقال ہوا تو عالم برزخ میں پہنچ گئے جسے آپ تبرکے میں وہ اللہ ہی جانتا ہے کہ آپ اس میں کتنی مدت رہیں گے قیامت تک تو رہنا ہی ہے پھر قیامت آگئی تو آپ عالم برزخ سے عالم حشر کے اندر منتقل ہوں گے۔ اور عالم حشر میں ایک دن قیام کرنا ہے اور وہ ایک دن ہو گا پچاس ہزار برس کا، لہذا پچاس ہزار برس اس عالم کی عمر ہے، اس عالم میں پچاس ہزار برس گزرنے کے بعد منتقل ہوں گے جنتوں کی طرف تو ان مٹنے والا نہیں ہے باپ کی پیٹھ سے ماں کے پیٹ سے چلا تو جنت ہی رہے گا بدالآباد تک اس لئے آپ بھی باقی، ہم بھی باقی آپ کے اخلاق بھی باقی ہمارا شکر یہ بھی باقی۔ دونوں چیزیں دوامی ہیں جو چلتی رہیں گی اور جنتوں تک ساتھ جائیں گے۔

قانون کی حفاظت کے لئے سب کا اتفاق ضروری ہے | تو ہر حال اپنے فی الحقیقت

یہ خدمت مہمانوں کی نہیں بلکہ ایک عظیم مسئلہ کی خدمت کہ ہے آپ نے مسلم پرسنل
 لاہ کی خدمت کی ہے۔ اس کو غام کیا۔ اس کو پھیلایا۔ اور آپ نے چاہا کہ ساری پبلک اس
 سے واقف ہو جائے اس کے لئے یہ عظیم الشان جلسہ منعقد کیا یہ جلسہ درحقیقت وعظ
 و تقریر کا نہیں ہے۔ وعظ و تقریر میں ہوتی ہے تربیت۔ یہ جلسہ ہے اعلان کا کہ آپ کو
 ان خطرات سے آگاہ کیا جائے کہ جو قانون کے اوپر اُٹنے والے ہیں ان کے بچاؤ کی
 صورتیں آپ کے سامنے رکھی جائیں ان صورتوں پر آپ متفق اور متحد ہو کر چلیں۔ یہ جلسہ
 اس اعلان کے لئے ہے وعظ و تقریر کے نو ہزاروں جلسے ہوتے ہیں۔ ان میں عبادا
 معاملات وغیرہ سب چیزوں کی نصیحت بھی ہوتی ہے لیکن یہ محض وعظ و نصیحت کا
 اجلاس نہیں یہ تو اذن عام اور اعلان عام کا ہے تاکہ خطرات سے آگاہ کر دیا جائے۔
 تو بہت سے خطرات سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ فلاں مسئلہ کو اگر بدلا گیا تو یہ خطرات پیدا ہوں
 گے۔ پرسنل لاہ کے فلاں مسئلے میں مداخلت کی گئی تو یہ خطرات رونما ہوں گے۔ ان
 خطرات پر تجویزیں آرہی ہیں جو آپ کے سامنے پیش کی گئیں تو یہ جلسہ اذن عام اور اعلان
 عام کا ہے۔ تاکہ آپ کا اتحاد باقی رہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ اتحاد زبان سے نہیں ہوتا۔
 آپ نے کہا کہ میں آپ کا دوست ہوں۔ آپ نے کہہ دیا کہ میں بھی آپ کا دوست ہوں یہ دوستی
 قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ یہ تو لفظوں کی دوستی ہے۔ دوستی واقعی جب ہے کہ واقعی دل
 میں دوستی آجائے جگر کے اندر پیوست ہو جائے وہ دوستی باقی رہ سکتی ہے۔ اور وہ دوستی
 کب ہوگی جب وحدت خیال پیدا ہوگا۔ اگر خیالات بدلے ہوتے ہیں آپ کا رخ ایک
 طرف میرا رخ ایک طرف، کبھی اتحاد پیدا نہیں ہو سکتا ہے اور جب خیالات میں آگئی
 وحدت تو خود بخود اتحاد پیدا ہوگا۔ تو پرسنل لاہ اور قانون الہی اور قرآن کے ایک ایک جز
 کی حفاظت ایسی چیز ہے کہ اس کے اوپر سارے متفق ہیں۔ اس کے معنی چاہئے اختلاف
 کریں رائے الگ ہیں لیکن نفس قانون قرآن و حدیث اپسہ سارے متحد ہیں تو اس وقت آپ نے
 آپ کے میرے خیالات پر نہیں آرہی ہے اس وقت تو آپ نے آرہی ہے کتاب و سنت پر
 کے مسائل پر لوگ تغیر و تبدل چاہتے ہیں۔ تو کون فرقہ رہ جائے گا جو اسے گوارہ کر لے کہ

قرآن وحدیث میں کوئی شخص تغیر کرے اسواسطے سارے کے سارے متحد ہو گئے ہوں لہذا وحدت خیال بھی ہے اور وحدت قلوب بھی ہے۔ اور باہم اخلاص بھی ہے ایک دوسرے سے، بغیر اخلاص کے اس طرح جمع نہیں ہو سکتے اور اخلاص اسلئے ہے کہ مقصد ہے مشترک الگ، مقصد نہیں ہے، بلکہ ایک ہی مقصد ہے کہ یہ قرآن وسنت کا ناقابل تغیر ہے اسیں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہو سکتا ہے تغیر وتبدل آپ تو کیا کرتے اس کا حق تو خود صاحب شریعت کو بھی نہیں دیا گیا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ارشاد فرمایا گیا کہ آپ بھی اعلان کریں کہ ان ابدالہ من تلقاء نفسی میرے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ میں اس کے کسی شوشے کو بدل دوں۔ میں تو ناقل اور امین اور داعی بنو آیا ہوں اللہ کی طرف سے، جو حق تعالیٰ فرمائیں گے بلا کم وکاست تمہارے آگے رکھ دوں گا اس کے اندر میری طرف سے کوئی تغیر وتبدل ممکن نہیں تو حضور بھی جس تغیر وتبدل کے مجاز نہیں میں اور آپ اس کے مجاز کیسے ہو جاویں گے اور جب میں اور آپ نہیں تو دوسری قومیں کیسے ہو جاویں گے یہ تغیر وتبدل کرنے کھڑی ہوں گی تو لامحالہ مقابلہ بھی ہو گا اور مقابلہ ہو گا تو ہماری مدد بھی ہو گی۔

مدد حاصل کرنے کا اصول | مدد حاصل کرنے اور لڑنے کا ایک خاص اصول ہے

اگر آپ ضعیف ہیں اور کمزور ہیں اور مدد مقابل ہے بہت قوی آپ مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں اس سے تو اصول یہ ہے کہ کسی قوی کو اس کے مقابلہ پر ڈال دیکھتے وہ لڑتے رہیں گے آپ بیٹھ کر تماشہ دیکھتے رہیں گے تو آج قانون پر پانچ آرہی ہے آپ لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے تو اقوام کو اللہ سے بھڑا دو اور کہہ دو کہ یہ قرآن وحدیث میں تغیر کرنا چاہتے ہیں، قرآن والا خود ان کو سمجھ لے گا۔ لڑائی ان کی شروع ہو گی۔ ہم آرام سے بیٹھ کر دیکھیں گے خدا کو کون مغلوب کر سکتا ہے اس کے قانون کو کون نیچا دکھا سکتا ہے۔ اسکی صورت یہی ہے کہ ہم آڑیں قرآن وحدیث کی۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہیں نہ ہماری عقل کوئی چیز ہے نہ ہمارا خیال کوئی چیز ہے ہم تو قانون کے حق میں امانت دار ہیں اس قانون کو پہچانیں گے قانون قانون والے کا ہے۔ اگر کوئی لڑے گا تو وہ قانون سے اور قانون ساز سے لڑے گا۔ ہم تو قانون ساز نہیں ہیں ہم تو بیٹھ کر تماشہ دیکھیں گے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد

فرمایا گیا۔ مقابلہ ہوا مشرکین مکہ سے ظاہر بات ہے کہ مسلمان کی تعداد میں بھی تھوڑے سامان بھی ان کے پاس نہیں اور مقابلہ اس قوم سے کہ سارے ماضی زندگی اس کے ہاتھ میں ہے اقتدار حجاز کا اس کے ہاتھ میں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ذَرْنِي وَهْنِي كَيْدَ بِيْ هَذَا الْحَدِيثِ اے پیغمبر! مجھے چھوڑ دو۔ اور میرے مقابلہ پر انہیں چھوڑ دو ہم نمٹ لیں گے۔ تم پیٹھ کر دیکھو۔ تو ہمارا بھی کام یہ ہے بھائی تم ہماری جائداد پر یا ہماری ذات پر حملہ نہیں کر رہے ہو یہ تو براہ راست قانون پر حملہ ہے اور قانون الہی ہمارا بنایا ہوا نہیں ہے خدا کا بنایا ہوا ہے تو تم لڑو اگر تمہارے اندر طاقت ہے اللہ میاں سے ہمارا کام تو یہ ہے کہ ہم پیش کر دیں کہ یہ خدا کا قانون ہے اسمیں تغیر و تبدل ممکن نہیں ہے پھر بھی کر دو گے تو مجرم ٹھہرو گے خدا کے ہمارا کوئی جرم نہیں کہ ہم خواہ مخواہ تم سے لڑیں تم نمٹ لو۔

بہر حال اصول بھی یہی ہے کہ جب آپ کے اندر طاقت نہیں
اہل قانون خود عمل کریں | تو کم از کم اتنی طاقت ہے کہ اپنے دین کو مضبوطی سے سنبھالیں۔ اور دوسروں میں اعلان کر دیں اور یہ بھی کہیں کہ یہ ناممکن التغیر ہے بس اتنا آپ کرتے رہیں اب آگے جھگڑنے کے بعد کون مغلوب ہو کون نہیں اس کو قانون والا اپنے آپ جان لے گا۔

آپ کے سامنے تو واقعہ ہے کہ مکہ پر حجب دھاوا والا ہے ابرہہ نے
اصحاب فیل کا واقعہ | یہ حبش کا بادشاہ تھا اور اس نیت سے آیا تھا کہ بیت اللہ شریف کو منہدم کر دے (معاذ اللہ) تاکہ لوگوں کا رجوع اسکی طرف سے ختم ہو کر اس مکان کی طرف ہو جائے جو انشائیں میں بنایا تھا تو وہ بڑے بڑے ہاتھیوں کا لشکر لیکر آیا اور مکہ کے ارد گرد اس نے گھیرا ڈال لیا اور ارادہ یہ تھا کہ معاذ اللہ بیت اللہ کو مسمار کر دے اور ڈھا دے۔ تو اس نے عبدالمطلب کو اطلاع کی کہ اگر تمہیں کچھ کہنا ہو تو اگر کہو مکہ کے باشندوں کے تم ہزار ہو۔ عبدالمطلب آئے ان کی بڑی تعظیم کی بڑی توقیر سے پیش آیا اور کہا کہ اگر کوئی بات ہو تو آپ کہیں، انہوں نے کہا میرے چند اونٹ ہیں میری چند اٹاک ہیں ان کی آپ حفاظت کریں ان پر آپ ہاتھ ڈالیں اور میں کچھ نہیں کہنا چاہتا، اسے حیرانی ہوئی کہ یہ اپنے چند اونٹوں کو

نے کر بیٹھ گئے اور بیت اللہ جیسی چیز کے بارے میں انہوں نے کچھ نہیں کہا کہ صاحب! اسے سعادت کرو، اپنی عزت کرو تو اس نے عبدالمطلب سے کہا کہ آپ اپنے چند آدمیوں کے بارے میں آئے ہیں اور اپنی ایک شخصی ملک کو سامنے رکھا ہے حالانکہ میرا مقصد یہ ہے کہ اس مرکز کو دھواؤں کہ جس سے آپ کی بنیاد قائم ہے اس کے بارے میں آپ نے کچھ بھی نہیں کہا تو عبدالمطلب نے کہا کہ بیت اللہ میری ملک تھوڑا ہی ہے یہ تو خدا کا گھر ہے خدا آپ سے خود نمٹ لے گا۔ میں تو اپنی ملک کے بارے میں کہنے کے لئے آیا ہوں خدا کی ملک کے بارے میں کہنے کے لئے نہیں آیا۔ وہ جانے آپ جانیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس کے ہاتھوں کے پرچے چند جڑیوں کے ذریعہ سے اڑا دیئے بیت اللہ اسی طرح قائم رہا اس کے ہاتھوں کے اور اس کے شکر کے پرچے اڑ گئے ان میں سے ایک شخص بھی باقی نہیں رہا۔

یہ قانون ناممکن التعمیر ہے | تو ہم اور آپ اس چیز کے ذمہ دار ہیں کہ پہلے تو اس قانون پر ہم اور آپ عمل کریں اور اپنے اندر اس کو چالیں اس کے بعد اس کا اعلان کریں کہ یہ خدائی قانون ہے اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی کوئی زیادتی کرے تو اس کو خدا کے مقابلے پر ڈال دیں کہ ہم تو اسی پر عمل کریں گے اور اسی کا اعلان کریں گے جو تمہارا جی چاہے کہ تو تو حقیقت یہ ہے کہ کوتاہی ہماری ہے۔ عامل تو ہم نہیں، پرسنل لار کے نام سے ہم واقف نہیں شخصی اور عالمی قوانین کیا ہیں ان پر ہمارا عمل درآمد نہیں، اگر عمل درآمد ہو تو دوسرے خود مغلوب ہو جاویں گے لیکن خود آپ عمل نہ کریں تو دوسروں کو جرات ہوتی ہے کہ مداخلتیں کریں وہ جانتے ہیں کہ مسلمان کو پتہ نہیں کہ پرسنل کیا ہے۔ لہذا جس طرح سے چاہو اس کے روپ کو بدل دو۔ ہماری بد عملی نے یہ راستہ دکھلایا ہے آج اگر سب مل کر اس پر جمع ہو جائیں کہ پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک جو اسلامی معاشرہ ہے ہم اسے قائم کر کے رہیں گے پھر کروڑ ہا کروڑ انسان جن کو سات کروڑ کہا جاتا ہے لیکن اندازہ یہ ہے کہ دس بارہ کروڑ سے کم نہیں ہیں یہ سارے مل کر اگر عمل درآمد کریں تو عمل کے اندر خود وہ طاقت ہے کہ

دوسروں کے چھٹے چھوٹ جائیں گے، زبان سے بھی کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی تو ہمارا ادا آپ کا کام یہ ہے کہ ایک تو عمل درآمد ہوا سکے اور ایک اس کا اعلان ہو اور اسکی پوری اطلاع دیدی جائے کہ اس قانون میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ہم اس کو ایک منٹ کے لئے گوارہ کر سکتے ہیں۔ ہماری جانیں جاسکتی ہیں مگر اس قانون پر اٹھ نہیں آسکتی یہ اعلان کر دینا آپ کا فرض ہے اس پر جم جانا آپ کا فرض ہے اس لئے یہ جلسے منعقد کئے جا رہے ہیں تاکہ پرسنل لارہ کی حقیقت واضح کی جائے تو پرسنل لارہ کے مسائل کے بارے میں مجھے کوئی تحقیق عرض کرنی نہیں تھی بلکہ مقصد آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا اور ایک یہ کہ پرسنل لارہ کے اوپر آپ کو جم جانا چاہیے، علما بھی علما بھی اور اعلیٰ بھی۔ اور اذن عام بھی آپ کریں۔ مطلع کر دیں کہ یہ قانون خداوندی ہے ہم اس کے امین ہیں ہم ایک منٹ کے لئے بھی اسمیں تغیر و تبدل گوارہ نہیں کر سکتے۔ یہ چند باتیں مجھے عرض کرنی تھی۔ کوئی تقریر یا وعظ نہیں کرنا تھا۔

حضرت کی طرف سے ادائیگی شکر | ایک خادم بورڈ کی حیثیت سے یہ بھی میرا فرض تھا کہ آپ حضرات کی قدر افزائی کا شکر یہ ادا کروں۔ اپنی طرف سے بھی اور ان سب بزرگوں کی طرف سے بھی اصل میں تو یہی سارے بزرگ ہیں انہوں نے مجھے لا کے آگے ملا کے بٹھلا دیا ہے کہ تو یہ کام کر۔ صدر تو اصل میں وہی ہیں جو صدر بنا سکتے ہیں کیونکہ وہ کرسی پر جسے چاہیں بٹھائیں میں تو ایک علامتی نشان ہوں کام کرنے والے تو یہی سارے بزرگ ہیں جو کام کر رہے ہیں اور انہوں نے ہی کیا ہے۔ اس لئے اس ادا سے شکر کے اندر میں انکی طرف سے نیابت کر رہا ہوں حق تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر دے آپ کے احوال میں اور اولاد میں برکت عطا فرمائے۔

ما بنا تقبل منا انک انت السميع العليم و قب علينا انک
انت التواب الرحيم۔ سبحان ربك رب العزة عما يصفون
وسلام على المرسلين۔ والحمد لله رب العالمين۔

مغیمِ اربابی،

منشأ
عالم انسانی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُكَ وَنُسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنُتَوَكَّلُ عَلَيْكَ
وَنُعوْذُ بِكَ اللّٰهُ مِنْ شَرِّ رِيَاقِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مِنْ يَدِيْكَ يَا اللّٰهُ فَلَا مُقَالَ
لَكَ وَمَنْ يُصَلِّهِ فَلَا هَادِيَ لَكَ. وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ
لَهُ، وَنَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدٌ عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ. اَمَّا سَلَةُ اللّٰهِ اِلَى كَافَّةِ النَّاسِ بَشِيْرًا
وَمَنْ يَزَادُ اَعْيَالًا اِلَى اللّٰهِ بِاُذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيْمًا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى
اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ وَبَاْرَكَ وَسَلَّمَ وَسَلِّمْ كَثِيْرًا كَثِيْرًا -
اَمَّا بَعْدُ - فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَللّٰهُمَّ اَلِكُتُبِ لَا مَآئِبَ فِيْهِ هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ

قرآن روح خداوندی ہے | بزرگان محترم - آج ہم سب کے لئے بے انتہا خوشی
اور مسرت کا دن ہے کیونکہ آج ہماری قوم کے چند بچے
حافظ ہوئے اور ان کو بگڑی باندھی گئی اور سند عطا کی گئی اور ان کے سینے میں حق تعالیٰ نے
اپنا کلام مبارک اتار دیا۔ خدا کا کلام کسی بندے کے سینے میں آجانا یہ خود ایک عظیم سعادت ہے،
حق تعالیٰ کی ذات بابرکات اور اس کی صفات کمال نور مطلق ہے اور بندہ ظلمت محض ہے اس
ظلمت کو میں یہ چراغ روشن ہو جانا اور نور مطلق کی کرنیں اس میں گھومنا اور انشراح قلب۔ یہ خود ایک
عظیم کرامت ہے انسان کے لئے اور قرآن کریم ایک عظیم ترین برکت اور سعادت ہے۔ اگر
غور کیا جائے تو ایک حیات ہے اور ایک زندگی، اس نے دنیا کو بھی زندہ کیا، اقوام کو
بھی زندہ کیا، اور عربوں کو بھی زندہ کیا اور انہیں زندگی کی روح ڈالی، خود قرآن کریم میں اس کی
طرف اشارہ موجود ہے حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا وَكَذَٰلِكَ اَلَلَّكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ دُوحًا مِّنْ
اَمْرِنَا، اسے پیغمبر آپ کی طرف ہم نے وحی کی اور وحی کے ذریعہ اپنی روح آپ کے اندر
ڈالی، مراد ہے قرآن کریم۔ آگے فرمایا گیا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَ

لَکِنْ جَعَلْنَاهُ نَذْرًا لِّتَذَكَّرَ بِهِ مِمَّنْ تَنسَوْنَ عِبَادِنَا آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے، اس کے بھی آپ واقف نہیں تھے کہ ایمان کیا ہوتا ہے۔ ہم نے اس وحی اور اس روح کو نور بنا کر آپ کے اندر ڈالا کہ جس سے تمام علوم آپ پر منکشف ہوئے تو قرآن کریم کے بارے میں دو باتیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ روح خداوندی ہے اور نوعیت اسکی علم اور کمال ہے۔ تو دوسرے لفظوں میں علم کو روح بتلایا گیا ہے۔ ہم اور آپ اپنے عرف میں جانتے ہیں کہ روح باطنی چیز ہے اور وہی زندگی ہے بدن کی، بدن کی کوئی زندگی نہیں اصل میں زندگی روح کی ہے اس کی وجہ سے بدن بھی زندہ ہو جاتا ہے جس دن روح نکل جاتی ہے اسی دن یہ بدن بھی پاش پاش ہو کر گندگی شامہا ہوتا ہے تو حقیقت زندگی روح کی ہے اور بدن کی زندگی اس روح کے روپ میں اللہ کے کمال کی ہے تو قرآن کریم جس کو روح کہا گیا ہے وہ روح خداوندی ہے اور حقیقت میں ایک معدن حیات اور سرچشمہ زندگی ہے۔ یہ روح خداوندی حبیب عیالوں میں پہنچی تو وہ قوم زندہ ہوئی کہ جو پستہا پشت سے مردہ بلی اُڑی تھی، دنیا جس کو خیر و ذل جانتی تھی۔ کوئی ان کو اونٹ کی مینگنیوں میں کھیلنے والا سمجھتا تھا، کوئی ان کو جہلا عرب کا خطاب دیتا تھا، کوئی جاہلین کہہتا تھا۔ اور مختلف تحقیر آمیز خطابوں سے ان کو یاد کیا جاتا تھا لیکن جب یہ روح ان کے اندر بھری گئی تو وہ عالوں سے بڑھ کر عالم اور عارفوں سے بڑھ کر عارف باطن بن گئے، اور جن کا نام جہلا عرب تھا ان کا نام ہو گیا صحابہ کرام پہلے ان کو نفستہ سے یاد کیا جاتا تھا اب ان کو "رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ" کے اعزاز کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ اس روح خداوندی سے پہلے جس زمانہ کا نام تھا جاہلیت اب اس کا نام خیر القرون ہے، تو زمان میں بھی زندگی آئی، مکان میں بھی زندگی آئی اور ایمان میں بھی اور افرامی ایسے زندہ ہوتے کہ دنیا کو زندہ کیا، اور دنیا کی مردنی کو دفع کر کے پوری دنیا میں زندگی پھیلا دی، اور مردہ قوم جو پہلے کر دھڑ نہیں لے سکتی تھی اب قوت پا کر جو بڑھی تو اتنی بڑھی کہ قیصر و کسریٰ کا کبر و غرور خاک میں ملا دیا اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ ان مقدس بیٹوں کو اپنی جو ائمہ دی ثابت کرنی نہیں تھی بلکہ ان خرافات کو مٹانا تھا کہ جو دنیا کے اندر پھیلی ہوئی تھی، قیصریت و کسریت کا حاصل خدا کی کرنا

تھا۔ وہاں جو آتا تھا اسے اپنے بادشاہ کو بندہ کرنا پڑتا تھا بعض نے زبان سے دعویٰ کیا کہ ہم
 معبود اور خدا ہیں۔ اور بعض نے غلامی رعایا سے وہ کام کرانے جو خدا ہی کے لئے مخصوص تھے
 تاکہ سمجھا جائے کہ وہ خدا ہیں۔ چنانچہ رعایا کا ہر فرد اگر بندہ کرتا تھا، اور سر یا دیگر تاکہ میری ساری
 حاجتیں آپ سے متعلق ہیں، تو جو خدا کی شان میں کہا جاتا ہے وہ قیصر و کسریٰ کی شان میں کہا جاتا
 تھا، رعایا سب کی سب غلام سمجھی جاتی تھی، اس کی غلامی کے معنی صرف یہ تھے کہ وہ اپنے
 خون پسینے کی کمائی سے چند امراء اور بادشاہ کو عیش کراتے اور خود بیوں کی طرح اپنے کھیتوں
 میں لگی رہے اور ان کی غفلتوں سے چند افراد فائدہ اٹھائیں، نہ مساوات تھی اور عدل و علم تھا۔
 ان ناگفتہ بہ حالات میں حضرات صحابہؓ کی جیگس ملک گیری کے لئے نہیں تھیں وہ تخت شاہی
 کے خواہش مند نہیں تھے بلکہ اس اقتدار کو خاک میں ملانا تھا، حواشہ کے دین کی سر بلندی
 اور اللہ کے بندوں میں عدل و مساوات کی راہ میں خارج تھا، اس وقت دنیا میں قیصر
 روم اور کسریٰ کی دو بڑی بڑی حکومتیں تھیں حواشہ کے دین کی بلندی میں سب سے بڑی رکاوٹ
 تھیں۔ اس وقت دنیا میں وہی دو حکومتیں تھیں انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ جب تک یہ اقتدار
 ختم نہیں کیا جائے گا یہ اوصاف کمال عالم میں نہیں پھیل سکتے ہیں۔ انسانوں میں خدائی
 اور بندگی کی تفریق رہے گی۔ یہ مساوات اور عدل اسلام لے کر آیا ہے، اس میں سب سے
 بڑی رکاوٹ یہی قیصریت کسرویت ہے۔ اس لئے ان حضرات نے ملک قیصریت کسرویت
 کو مٹایا، بڑی بڑی حکومتوں اور سلطنتوں کا تختہ الٹا جب جاہ کے مساوات پیدا ہوئی۔ اسلام
 پھیلو۔ دین پھیلو۔ اور وہی لوگ جو انسانوں کے عبد بنے ہوئے تھے وہی عباد اللہ بنے، وہ اللہ
 کے بند بنے، سب میں مساوات آئی، ان میں زندگی آئی تو قرآن کریم نے اپنے کو روح
 کہا ہے۔ اور حق تعالیٰ نے روح بتلایا ہے اور روح ہی ممدن حیات ہے، اس سے گویا فہم
 ہو گیا کہ قرآن زندگی ہے۔ اور جس قوم میں یہ سرایت کر جاتے گا وہ زندہ ہو جائے، اور
 جس سے نکل جائے گا۔ وہ مردہ ہو جائے گی۔ خود اپنے اوپر غور کر لیجئے۔

جب تک مسلمانوں میں قرآن کی روح رہی وہ بلند و بالا رہے
 قوم مسلم کا حال | جس دن یہ روح نکلے ہے اسی دن سے ذلت کے ساتھ دین

سے نکلے جا رہے ہیں۔ ہماری مثال ایسی ہے جیسی کہ گیند ہوتی ہے کہ اگر زمین پر دے کر مار دو تو وہ گد لکھا کر زمین سے دس گز اوپر جائے گی اگر سخت ہے تو جتنا زیادہ زور سے دے کر مار دو گنا اتنا ہی زیادہ وہ بلندی کی طرف جائے گی، یہ رٹ کی خاصیت نہیں ہے وہ جو رٹ نے اپنے اندر ہوا بھر رکھی ہے اس کی یہ خاصیت ہے کہ وہ نیچا نہیں دیکھ سکتی۔ زمین پر دے کر مارو گے تو اوپر کی طرف جائے گی۔ لیکن گیند سے ہوا نکال دو تو جس جگہ آپ ڈالیں گے وہ وہیں پڑی رہے گی، اسمیں اٹھنے کی بھی صلاحیت باقی نہیں رہے گی یہی حال مسلم قوم کا ہے کہ جب تک اس میں روح قرآنی ہے۔ جب تک اس کی عزت و روح ایمانی زندہ رہی۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ اقوام نے جتنی قوت سے دبا مارا یا مارا اور زمین پر بیٹھے زور سے دیکر مارنا چاہا اتنی ہی یہ اوپر اٹھی۔ لیکن ہوا ہوا نکل گئی یہ خالی نکل رہ گئی، تو جس نے جہاں ٹنچ دیا وہیں پڑی رہی اٹھنے کی سکت نہ رہی۔ لوگ کہتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں دنیا کی اقوام کی کہ دوسروں نے ہمیں ختم کر دیا ہمارے گھر جلا دیئے گئے۔ ہم پر ظلم کیا۔ خاص طور پر یہود کے عربوں پر مظالم، حقیقت یہ ہے کہ ظلم انہوں نے نہیں کیا، قصور اپنا ہے، تم نے ان پر ظلم کیا ذمہ داری تھی، ان کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں۔ اگر انہوں نے تم کو جلایا تو میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی مردہ لاش پڑی ہوئی ہو تو ہر قوم کا فرض ہے کہ اس کو جلا دے یا دفن کر دے۔ اگر نہ جلایا جائے یا نہ دفن کیا جائے تو تعفن ہو جائے گا اگر مردہ لاشوں کو کسی قوم نے جلایا ہی دیا یا دیا برد کر دیا تو کیا غلطی کی اس قوم نے، اگر آپ چاہتے ہیں کہ کوئی آنکھ بھر کر بھی نہ دیکھے تو وہ روح پیدا کیجئے جس سے زندگی ملے۔ تو پھر کسی کی مجال نہیں کہ نگاہ بدل سکے، لیکن لاش بننے کے بعد تو ہر قوم کا فرض ہے کہ اسے جلا دے یا دریا میں ڈال دے، یہ تو قصور آپ کا ہے اس قصور کو آپ کیجئے اور اپنی اصلاح کیجئے۔

۱۔ آپ کو خیر امت کا خطاب دیا گیا کہ دنیا کو ہدایت کرے اور زندگی بخشے جب امام ہی مردہ بنکر پڑ رہا ہو تو پھر مقتدیوں کی نماز کہاں سے ہوگی، اگر امام کی وضو ٹوٹ جائے تو مقتدی کہتے ہیں شیوع و خضوع سے کٹ رہے ہوں، نہ ان کی اطاعت ہوگی، نہ عبادت بنے گی، پہلے امام تو اپنی نماز درست کر لے پھر

مقتدیوں کی بھی نماز درست ہوگی تو آپ میں وضو نہیں، آپ میں طہارت نہیں۔ آپ میں سماحت نہیں، عدل نہیں، انصاف نہیں تو دنیا میں ظلم پھیلے گا، اقوام کی برائیوں کی ذمہ داری آپ کے اوپر ہے۔ آپ کی برائی کی ذمہ داری کسی قوم کے اوپر نہیں۔ جو امام بنکر آیا ہے وہ خود کو درست کرے، اگر وہ مقتدیوں سے کہنے لگے کہ تم نے میری نماز خراب کر دی تو مقتدی کہہ سکتے ہیں کہ تو نے بگڑا کر ہماری نماز بگاڑ دی، الٹا چور کو تو اسے ڈالنے، آپ کا فرض خیر بن کر دکھائیں، خیر امت تو آپ ہی کو کہا گیا ہے۔ وہ خیریت اپنے اندر پیدا کریں اور وہ خیریت جب ہی پیدا ہوگی جب قرآن کریم کو اپنے اندر رکھ لیں بایں۔ اور وہی زندگی اپنے اندر پیدا کر لیں جس کو قرآن کہا گیا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کا قول ہے لا یصلح آخرہ ذہ
قرآن بہترین مصلح ہے | الامۃ الاہلہ بالصلح

آخر کی اصلاح اسی سے ہو سکتی ہے جس سے امت کے اول کی اصلاح ہوئی ہے امت کے اولین طبقے کی اصلاح کا ضامن ہی قرآن کریم ہے۔ صحابہ کتب خانہ میں کوئی کتاب نہیں تھی بجز کتاب خداوندی کے۔ اسی کو لیکر آگے بڑھے تو جس چیز سے امت کے اولین طبقے کی اصلاح ہوئی ہے۔ اسی چیز سے امت کے آخری طبقے کی اصلاح ہوگی۔ اور وہ قرآن کریم ہے جو منبع حیات اس حیات کا آپ تجربہ کر چکے ہیں۔ جب تک یہ چیز باقی تھی تو آپ زندہ تھے جس دن سے یہ چیز نکل گئی ہے اسی دن سے آپ پر مردنی چھا گئی ہے، یا تو آپ کی زندگی کا یہ عالم تھا کہ بدر کے میدان میں تین سو تیرہ آدمیوں نے مکہ کی قسمت پلٹ دی یا آج آپ ہیں کہ ستر کروڑ ہیں اور آپ کی قسمت بدل رہے ہیں دوسرے لوگ، آپ میں یہ طاقت نہیں کہ دنیا کو بدل سکیں۔

بہر حال — قرآن کریم کا ایک وصف حیات ہے۔ زندگی ہے، جب تک یہ حیات نہیں پیدا کریں گے مردنی رفع نہیں ہو سکتی۔ آپ لاکھ شور مچائیں مگر آپ کے لئے معدن حیات ہی ہے۔ آخر یہ حیات کہاں سے آتی تھی کہ فرمایا اِنْ یَکُنْ مِشْکُہُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یُعْلِمُوْا مَا مَتٰیْنَ۔ تم اگر بیس ہو گے تو دوسو پر غالب ہو گے۔

اور ہزار ہو گئے تو دہزار پر غالب ہو گئے، اور وہ محض کوئی آرڈر ہی نہیں تھا۔ اور وہ
عض کوئی منقبت نہیں تھی۔ اسپر تو صحابہ نے عمل کر کے دکھایا۔ اسلام میں کثرت کوئی چیز
نہیں وہاں قوت اور معنویت دیکھی جاتی ہے، اگر ایک ہے مگر اسمیں معنویت ہے تو
ہزار بے معنی انسانوں پر اپنی قوت معنوی سے غالب آتے گا۔

مسلمانوں کا مقابلہ باہان بن دلی سے ہوا مسلمانوں کے لشکر
خالد بن ولید کی بہادری

کا لشکر تھا اور مسلمان دس ہزار تھے۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کی قوت کتنی ہے۔ صحابہ میں سے
ایک ہزار ٹھہر گئے اور تین سو آدمی منتخب کئے گئے کہ جا کر یہ پتہ چلائیں کہ دشمن کا لشکر کہاں
ہے۔ اور اسکی تعداد کتنی ہے! اور اس کے پاس سامان کیا ہے خالد بن ولید سے کہا گیا کہ آپ
تین سو آدمی لے جائیں انہوں نے کہا کہ تین سو کی کیا ضرورت ہے میرے ساتھ آپ تیسری دلی
کر دیجئے بس یہ کافی ہیں۔ وہ صرف تیس آدمی لے گئے صحابہ نے کہا کہ آپ کی قوت ایمانی
آپ کو مبارک، مگر دنیا عالم اسباب ہے، تیس آدمی کچھ نہیں ہوتے، آپ کم سے کم ساٹھ
آدمی لے لیجئے۔ تیس آدمی مجبور کر کے اور بڑھائے گئے، اور ساٹھ آدمی لے کر پتہ لگانے
کے لئے گئے۔ باقی حضرات اپنے قیام پر ہی ٹھہر گئے۔ تو چند میل کے فاصلے پر جا کر معلوم ہوا
کہ وہاں دشمن کا لشکر بڑا ہوا ہے۔ اور ساٹھ ہزار اس کی تعداد ہے، اس کی تعداد کا بھی، اس
کی قوت کا بھی پتہ چل گیا تو حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ بھائی! لشکر تو سامنے آگیا، اب انہیں اطلاع
کیجاتے یا ہم خود جنگ کر لیں میری رائے تو یہ ہے کہ ادھر اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہے
جتنے آگئے ہیں وہ کافی ہیں۔ ان سے لڑنے کے لئے، صحابہ نے کہا ہے کہ بیشک ہم شوق
شہادت میں آئے ہیں۔ کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ جب شہادت سامنے ہے تو پھر دشمن
کی کثرت کی کیا پرواہ۔ اور اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ ان حضرات کو اطلاع دیجاتے
ساٹھ آدمی ہم ہیں۔ خالدؓ بن ولید نے ساٹھ آدمیوں کو صفت بنا کر کھڑا کیا۔ دوسری طرف ساٹھ
ہزار کا لشکر تھا۔ تو باہان بن دلی نے آگے بڑھ کر کہا کہ اے خالد! ہم سمجھتے تھے کہ مسلمان قوم
بڑی بگھڑا قوم ہے۔ مگر تم لوگ تو احمق معلوم ہوتے ہو۔ ساٹھ ہزار سے لڑنے کے لئے تم

ساتھ آدمی لیکر آئے ہو۔ ہم تم پر رحم کھاتے ہیں اور ہم تمہیں دُودو بوسے کھجوروں کے دے دیں گے، دودو چار چار شرنیاں دیدیں گے، تم چند بھیک منگے لوگوں کو لے آئے ہو جو ہم تم کو دیں گے یہی تمہارے لئے کافی ہو گا۔ کیوں اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہو۔ جاؤ یہاں سے۔ خالد بن ولیدؓ نے کہا کہ توہ اعظم بن کر آیا ہے یا کمانڈر بنکر آیا ہے تجھے شرم نہیں آتی تو اپنی بزدلی کو وعظ کے پردے میں چھپا رہا ہے۔ تم میں لڑنے کی طاقت نہیں۔ یہ سنکر اس کے غصے کا پارہ انتہاء کو پہنچ گیا۔ اس نے ساتھ ہزار کو حکم دیا کہ بچکدوان ساتھ آدمیوں کو، تو ساتھ ہزار نے حملہ کیا اور صحابہؓ ان میں گھس گئے۔ راوی کہتا ہے کہ گھستے ہوئے نظر آتے پھر پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں ہیں سوائے تلوار کی چمک کے اور کچھ کچھ کی آواز کے ساتھ چیز سنائی نہیں دیتی تھی تین گھنٹے میں جنگ کا فیصلہ ہوا، ساتھ نے ساتھ ہزار کا منہ پھیرا اور سرحد سے باہر نکال کر پھر واپس ہوئے، اور وہ دس ہزار منتظر ہیں کہ وہ ساتھ آدمی اب خبر لے کر آویں گے، اب جہاد شروع ہو گا۔ اور وہ سارے مجاہدین جنگ کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ یہاں ساتھ آدمیوں نے جنگ کا فیصلہ بھی کر دیا۔ اور سرحد سے باہر کر دیا۔

ہر جگہ قوت ایمانی کا رگر ہے | یہ جو فرمایا کہ تم دس آدمی بھی ہو گے تو ہزار پر غالب ہو گے یہ بعض خوش اعتقادی نہیں ہے بلکہ واقعی اس کے اندر

قوت کا رگر ہے۔ اور علما یہ نمایاں ہو چکا ہے کبھی صحابہؓ نے یہ پرواہ نہیں کی ہے کہ ہم تھوڑے ہیں اور دشمن عدد میں زیادہ ہیں۔ ہمارے پاس سامان نہیں اور ان کے پاس سامان ہے میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ روح کہاں سے آتی تھی، یہی فیضانِ نبوت تھا، یہی قرآن کی روح تھی جو ان کے اندر سرایت کئے ہوئے تھی، کہ ایک ایک کو ہزار بھاری کر دیا، جب روح نکل جائے گی تو سوائے گوشت کے آپ کے پاس کیا رہ جائے گا۔ آپ کبھی غالب نہیں ہوں گے تیر و تنگ سے، آپ کبھی غالب نہیں ہوں گے ہتھیاروں سے، آپ کے اندر طاقت وہی ایمانی قوت کی تھی جس نے تلوار کو بھی حرکت دی، اور نیزے کو بھی حرکت دی، تو اسی ایمانی قوت نے حرکت دی۔ اگر آدمی بڑا مضبوط ہو، دیکھنے میں ہتھیار بھی ہیں، لیکن دل چڑیا کا سا ہے اور اسمیں جان بھی نہیں تو تلوار ہی کیا کام کرے گی۔ تلوار بھی جب ہی

کام کرتی ہے جب دل میں طاقت ہر لانے والی چیز مل ہے۔ ہاتھ نہیں ڈالتا ہے۔ اور دل کی قوت ہے قوت ایمانی، قوت توحید، اور یہی قوت ہے جو دلوں کو قوت بخشی ہے اس سے لایں گے تو ہر حال قرآن کا ایک وصف تو یہ ہے کہ وہ حیات ہے۔ وہ زندگی پیدا کرتا ہے۔ مردوں کو زندہ کرتا ہے

عربی زبان ثقیل نہیں ہے | دوسرا ایک بڑا وصف قرآن کا جو ہے وہ موقعہ کے مناسب ہے اور وہ یہ کہ جو بچے آپ کے ساتھ

آئے جن کو آپ نے قرآن کی پگڑی باندھی ایک گوند مشابہت حاصل ہوئی نبی کریم سے اس واسطے کہ قرآن کریم کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ اِنَّهُ لَتَنزِيلُ مِنَ رَبِّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ۔ یہ اتارا ہوا کلام ہے اللہ رب العزت کا، اس کو لے کر نازل ہوئے روح الامین، یعنی حضرت جبریل۔ آپ کے قلب مبارک پر اسے محمد! تاکہ آپ دنیا کو ڈرائیں اور تبلیغ کریں اور انذار فرمائیں۔ اور زبان اس کی عربی مبین ہے۔ یعنی واضح زبان ہے کھلی ہوئی ہے جس کے ادا کرنے میں کوئی پیچ بچ نہیں ہے۔ کوئی تعقید نہیں۔ زبان کو مڑنا نہیں پڑتا ہے۔ واقعی زبان عربی کے اندر فصاحت و بلاغت اور سلاست و بداعت کی ساری چیزیں جمع ہیں جس کو ادا کرنے میں زبان کو توڑنا، موڑنا نہیں پڑتا بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ زبان عربی خود زبان کو جلا رہی ہو۔ کہ مجھے ادھر چلنا ہے اے زبان! تو بھی ادھر کو گھبل تو ساتھ ساتھ زبان بھی چلتی ہے۔

دوسری زبانیں ثقیل ہیں | عربی زبان سے پہلے جو زبان رائج تھی اور جس میں آسمانی کتابیں بھی آئیں وہ عبرانی یا سریانی زبان تھی، اس کے

بعد اللہ نے عربی پیدا فرمادی اور دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبرانی زبان کی اصلاح یافتہ صورت ہے عربی زبان کی اس کی نقل کو ختم کر حقیقت پیدا کر دی گئی۔ اس میں بس وہ عربی بن گئی، اور وہ میں اس سے سمجھا کہ تورات کی ایک آیت یاد آئی، وہ قریب قریب عربی ہے۔ مگر۔ ہے وہ پیچیدہ لب و لہجہ میں۔ عربی نے اس کو واضح کر دیا تورات میں حق تعالیٰ

نے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب فرمایا جس میں پیشین گوئی نبی کریم کی فرمائی، آیت کے لفظ
 یہ ہیں **يَا مَعْزُورٌ مَّا خَوَّخَ يَا خَيْمٌ لَخَ الْوُحُوحُ قَسْمٌ مِّنْ** "یہ کیا چیز ہے اس کی
 تشریح یہ ہے **يَا مَعْزُورٌ** یعنی نبی مَعْزُورٌ یعنی **مِنْ قَرْدِيَاكَ** - **مَّا خَوَّخَ** یعنی **مِنْ اَخِيكَ** -
يَا خَيْمٌ لَخَ یعنی **يَقِيْمُ لَكَ الْوُحُوحُ** یعنی **الْمَلَكَ** - **قَسْمٌ مِّنْ** یعنی **قَسْمٌ مِّنْ** -
 یعنی ایک نبی آنے والے ہیں جو تمہارے قریب میں ہوں گے، تمہارے عزیز ہوں گے
 تمہارے بھائیوں میں سے ہوں گے، وہ الوہیت کو قائم کریں گے خداوندی نور دکھائیں گے
 اب آپ میں فرق پیدا کیجئے ان دونوں عبارتوں میں - صرف **خَا** کے سوا کچھ نہیں۔ باقی
 مستثنیٰ میں کوئی فرق نہیں، خبر دی ہے اسمیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے قریب ہی
 آنے والے ہیں۔ تمہارے نبی اعمام میں سے ہوں گے اور وہ اللہ کی الوہیت کو قائم کریں
 گے، دنیا میں اس کی توحید کو پھیلائیں گے، اس کے علم کو اس کے دین کو پھیلائیں گے۔
 تو عزری زبان میں ہے، کھلی ہوئی ہے، نقل نہیں اس کا جو کلمہ ہے واضح ہے کانوں پر
 بھی بھاری نہیں۔ دل پر بھی بھاری نہیں، اور اپنے معانی کے لحاظ سے بھی بھاری نہیں ہے۔
 اسمیں ہر پہلو سے خفت ہے اس لئے یہ کلام مبین ہے۔

قرآن کے الفاظ و معانی منزل من اللہ ہیں | **اَلْاٰیٰتُ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ**

نَزَلَ مِنْ السَّمَاءِ الْاَوَّلٰیْنَ، عَلٰی قَلْبِكَ، یہ نازل کردہ کلام خداوندی ہے جس
 کو روح الامیں آپ کے قلب پر لے کر آئیں ہیں۔ تو قرآن کریم کی پہلی شان تو یہ ہے کہ وہ
 دل میں بیٹھا حضور کے اور جب ذخیرہ جمع ہوا تو آپ کے قلب مبارک نے اسے ضبط کر لیا۔
 اس کے الفاظ کو بھی، اس کے معانی کو بھی۔ اس کے بعد دوسری چیز ہوئی کہ زبان مبارک
 آپ نے امت کے سامنے پڑھا جس کو قرآن نے دوسری جگہ بیان کیا ہے **لَا تُحَدِّثُ**
بِهٖٓ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهُ جب وحی نازل ہوتی تو عادت
 یہ تھی کہ آپ اسے دشنا شروع کر دیتے تھے کہ میں بھول نہ جاؤں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ **لَا**
تُحَدِّثُ بِهٖ لِسَانَكَ زبان مت ہلاؤ آپ یہی تو خوف ہے کہ بھول نہ جاؤں، فرمایا **اِنَّ**

علیٰ جامعہ و قرآنہ ہماری ذمہ داری ہے ہم جمع کر دیں گے سینے میں و قرآنہ ادرہم
اسے آپ کی زبان سے پڑھا بھی دیں گے اور ابھی کرا دیں گے تو آپ حافظ بھی نہیں گے۔
آپ کے سینے میں قرآن بھی محفوظ، اور قرأت بھی آپ کی زبان پر رہی۔ پھر اتنی ہی گارنٹی
نہیں کہ سینے میں جمع کر دیں اور زبان سے پڑھا دیں "قُرْآنٌ عَلَيْنَا بَيِّنَاتٌ" پھر اس
کے معنی و مضامین کو کھولنے کی بھی گارنٹی ہم دیتے ہیں کہ جتنے اس کے مطالب اور مرادات
ربانیہ ہیں وہ بھی آپ پر منکشف کر دیں گے، تو اللہ رب العزت نے تین چیزوں کی ذمہ داری
لی ہے۔ سینے میں جمع بھی کر دیا۔ زبان سے پڑھا بھی دیا۔ اور زبان سے ان معانی کو ادا بھی
کر دیا۔ تو حضورؐ کی شان یہ ہے کہ قلب مقدس میں قرآن جمع ہوا زبان مبارک سے الفاظ
جاری ہوئے، اور سینہ صافی سے معانی و مضامین کھلتے شروع ہو گئے۔

حافظ قرآن کو تشبیہ حاصل ہے نبی کریمؐ سے | ایک بچہ حفظ کرتا ہے تو سب

سے پہلے اپنے دل میں جمع کرتا ہے قرآن کو اس کو تشبیہ حاصل ہوا نبی کریمؐ سے، جیسے کہ آپ کے قلب پر قرآن اترا
ویسے ہی اس بچہ کے قلب پر قرآن اترا، اس کے بعد آپ نے زبان سے پڑھا، جب
یہ بچہ قرأت کرتا ہے تو دوسری مشابہت ہوتی نبی کریمؐ سے، اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ ترقی
دے اس مدرسہ کو جہاں انہوں نے قرآن کے الفاظ پڑھائے ہیں وہاں معانی بھی پڑھا دیں تو
قُرْآنٌ عَلَيْنَا بَيِّنَاتٌ، بھی اس کے ذریعہ ظاہر ہو جاتے اور کھول کھول کر معانی و مطالب
بھی بیان کریں، تو قرآن کریمؐ کی ایک شان تو یہ ہے کہ وہ حیات ہے اور زندگی ہے اور
دوسری شان یہ ہے کہ اس سے مشابہت ہوتی ہے نبی کریمؐ کے ساتھ کہ قرآن سینے میں اترا
تھا اور اس کے حافظ تھے اور زبان سے بھی اس کو ادا کرتے تھے۔

دین کے ہر شعبہ کو مستقل ایک طبقے نے سنبھالا ہے | حقیقی معنی میں قرآن کے حافظ اور حفاظ

خداوندی ہیں پھر معانی میں خلفاء ہیں علماء پھر اخلاق میں خلفاء ہیں حضرات صوفیاء، تو الفاظ
قرآن حفاظ خلفاء ہوتے۔ اگر وہ ان الفاظ کو یاد کر کے امت تک نہ پہنچا دیں تو قرآنی تعمیر

محفوظ نہیں رہ سکتی تو حق تعالیٰ نے مختلف خلفاء اپنے پیدا کئے، اور طریقہ وہی ہے جس میں اصل کمفادات کچھ نہ کچھ چلی آئیں، تو علماء نے معانی کی صفات اپنے اندر لی، فقہاء فقہاء کی صفات اپنے اندر جمع کر لی، متکلمین نے عقائد کو جمع کیا، حفاظ نے قرآن کے الفاظ کو جمع کیا۔ قراء نے اس کے طرزِ ادا کو محفوظ کیا، اور تجوید سے بڑھ کر سنایا، تو ایک ایک پہلو کے لئے مختلف جماعتیں کھڑی ہو گئیں۔ حفاظ کھڑے ہو گئے الفاظ کی حفاظت کے لئے، قراء کھڑے ہو گئے لب و لہجہ کی حفاظت کے لئے، علماء رسم الخط کھڑے ہو گئے طرزِ کتابت کی حفاظت کے لئے، فقہاء کھڑے ہو گئے اس کے علوم کی حفاظت کے لئے یہ تمام خلفاء خداوندی ہیں، کسی نے لفظوں کو سنبھالا، کسی نے معانی کو سنبھالا، کسی جماعت نے قرآنی حقائق کو سنبھالا، کسی نے قرآنی عقل اور اسرار کو سنبھالا۔ اور سب کی سندیں جا کر ملتی ہیں حق تعالیٰ شانہ سے وہ استاد ہیں خلفاء قرآن کے۔

حفاظت قرآن پر بیان اسناد | اب یہ سندیں جو آپ نے ان حافظوں کو دی اور ان پر ان کے اساتذہ نے دستخط کئے جن سے

انہوں نے پڑھا ہے ان اساتذہ کو سند دی ان کے اساتذہ نے ان کو سند دی ان کے اساتذہ نے، اسی طرح سے سلسلہ اور پرنک چلا گیا، تو سب کے اساتذہ اساتذہ نبی کریم ہیں اور آپ پر قرآن لیکر آئے حضرت جبریل امین، اور جبریل امین کو پڑھایا حق تعالیٰ نے تو اخیر میں حق تعالیٰ اساتذہ ٹھہرتے ہیں ان تمام حفاظ اور قراء کے، تو ہماری سند اللہ تعالیٰ تک جا پہنچی۔ دنیا میں آج کون سی آسمانی کتاب ہے کہ جس کی سند اساتذہ و ادا استاد پر داد اساتذہ تک بھی پہنچی ہو اس کی سند کا سلسلہ ہی موجود نہیں۔ انجیل کے بارے میں آپ نہیں بتا سکتے کہ کہاں آری، اور کون اسے لیکر آیا، یہ کس طرح ہم تک پہنچی ہے ہاں ان آسمانی کتب کی جتنی حفاظت کی ہے وہ قرآن نے کی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی کتاب انجیل بھی ہے۔ خود انجیل والے جو ہیں ان کو سند کا پتہ نہیں۔ توراہ والوں سے پوچھو تو کوئی سند نہیں۔ دوسروں سے پوچھو تو کوئی سند نہیں۔ کہاں سے یہ کتابیں لے کر آئے ہو کہیں گے ہمارے باپ دادا سے چلی آرہی ہیں۔ لیکن اسناد متصل

جس کا سلسلہ پیغمبر تک پہنچا دے اس کا کوئی وجود نہیں۔ اور مسلمانوں نے کتاب آسمانی کی وہ حفاظت کی ہے جس کی نظیر آج دنیا میں موجود نہیں ہے، مجھے اگر آج کوئی کہے کہ تمہیں قرآن شریف کس نے پڑھایا ہے تو میں کہوں گا کہ قاری عبدالوہید صاحب نے، اور ان کو پڑھایا قاری عبدالرحمن صاحب الہ آبادی نے، ان کو پڑھایا قاری عبداللہ صاحب الہ آبادی نے اور ان کو پڑھایا قاری محمود صاحب مکی نے ان کو پڑھایا قاری محمود صاحب مصری نے، اور چلتے چلتے حضرت ابی ابن کعبؓ تک سند پہنچ جائے گی اور پھر نبی کریمؐ تک کہ قرآن کے الفاظ تک کی سند مسلمانوں میں محفوظ ہے۔ پھر اتنی محفوظ کتاب کہ سورتیں اس کی گنی ہوئی۔ رکوع اس کے گئے ہوتے، آیتیں اس کی گنی ہوئی، حروف گئے ہوتے، لکھات گئے ہوتے۔ زبردہ گئے ہوتے ہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں اور مستقل کتابیں مدون ہو گئیں کہ قرآن کو اٹھا کر دیکھتے کہ حروف و کلمات تک گئے ہوتے محفوظ ہیں کہ اتنے لاکھ حروف ہیں۔ اتنے ہزار جملے ہیں، اتنے رکوع ہیں، اتنی سورتیں ہیں تو اب کوئی تغیر و تبدل ممکن نہیں، پھر ہر زمانہ میں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں حفاظ موجود رہتے ہیں جن کے سینے میں قرآن لکھا ہوا ہے۔ لکھی ہوئی کتاب دریا برد ہو سکتی ہے اس کے حروف مثلے جاسکتے ہیں۔ لب و لہجہ بدل دیا جائے۔ معانی بدل سکتے ہیں۔ لیکن قرآن کی کسوٹی وہ ہے کہ نہ لب و لہجہ بدلے گا اس لئے سر کے اوپر قراء کھڑے ہوتے ہیں کہیں گے یہ پڑھو، اس طرح مت پڑھو۔ کتابت نہیں بدل سکتی کیونکہ علماء رسم الخط کھڑے ہوتے ہیں کہیں گے کہ یہ لکھا جائے گا جیسے حضور کے زمانہ میں لکھا گیا۔ مطلب بدل تو علماء کھڑے ہوتے ہیں انہوں نے قواعد اور میزان بنادی ہیں کہ عربیت اور شریعت کے لحاظ سے یہی مطلب ہو سکتا ہے دوسرا مطلب نکل ہی نہیں سکتا ہے۔ تو معانی کی حفاظت، الفاظ کی حفاظت، لب و لہجہ کی حفاظت، اور رسم الخط کی حفاظت، واقعہ یہ ہے کہ قرآن نے صحیح و دعویٰ کیا ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَآلِہٖ اَلْغَافِقُونَ کہ ہم ہی نے یہ قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، سوائے حفاظت خداوندی کے یہ شکلیں بنیں سکتیں، تورات

اور انجیل کے بارے میں فرمایا گیا تھا کہ "اَنَا اَنْزَلْتُ التَّوْرَةَ فِيْهَا هُدًى وَ نُوْرٌ يَّحْكُمُ بَهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا اِلَيْهِمْ هَادٍ وَّالْوَبَّائِيْنَوْنَ وَالْاَجْبَارَ بِمَا اسْتَحَقُّوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ" تورا کو اتارا ہم نے۔ اجار اور رہبان اور ربانیوں سے کہا کہ تم ذمہ دار ہو اس کی حفاظت کے۔ مگر حفاظت نہیں کر سکتے اگر قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ہم اور آپ پر چھوڑ دیجاتی تو اس کی بھی وہی گت بنتی جو تورا اور انجیل کی بنی ہے اور پھر یہ آخری کتاب ہے آئندہ کوئی کتاب آنے والی نہیں تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اسکی حفاظت کی گارنٹی خود لی کہ ہم نے ہی یہ کتاب اتاری ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کی ذمہ دار ہیں۔ اور اسکی ہر صفت کا ظہور خود قرآن کریم ہی سے ظاہر ہے قرآن کی صفت اول اس کا حفظ ہے۔ مگر اس کا پہلا تعلق خود ذات خداوندی سے ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اصل حافظ خود حق تعالیٰ ہیں۔

دنیوی اسباب کے ذیل میں | اصل میں حافظ حق تعالیٰ کی ذات گرامی ہے | ہی اللہ کی صفات کا ثبوت ملتا

ہے۔ مثلاً وہ رازق ہے۔ مگر اس کی رزاقی کو ظاہر کرتے ہیں زمین، کاشت کار اور تخم ریزی اور کھیت کو زندگی بخشنے والی بارش، وہ خالق ہے مگر مرد اور عورت کے فطری تعلق اور بچے کا نو مہینے پیٹ میں رہنا، اسکی صفت تخلیق کا مظاہر ہے۔ وہ ہادی ہے، مگر اپنی ہدایت کو ظاہر کرتا ہے علماء اور شاگردی اور استاذی کے ذریعہ وہی اصل میں حافظ ہیں۔ قرآن کے حفاظت کرنے والے ہیں۔ مگر ان حفظ ظاہر ہو رہا ہے، اس طرح سے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے دلوں میں محفوظ کر دیا۔ اور بچوں کے ماں، باپ کے دلوں میں جذبہ پیدا کر دیا کہ بچوں کو حفظ کرائیں گے۔ ورنہ چھ چھ برس کے بچوں کو کیا خبر کہ قرآن کیا چیز ہے۔ نہ معنی کی خبر نہ یہ خبر کہ یہ وحی ہے اور کلام خداوندی ہے، مگر لگے ہوتے ہیں رٹنے کے اندر محفوظ کرنے کے لئے۔ یہ سوائے حفاظت خداوندی کے اور ہے کیا، اور پھر اس پر یہ کہ کوئی وعدہ نہیں کہ تم حافظ قرآن بنو گے تو کلکڑ بنا دیتے جاؤ گے، مجھڑ بنجاؤ گے ہندوستان کے پرنسڈنٹ بن جاؤ گے۔ بلکہ وعدہ ہے تو یہ ہے کہ حفظ کر لو گے

تو لوگوں کی گایاں سننی پڑیں گی کوئی کہے گا کہ دنیا تو سی تھی۔ کوئی کہے گا کہ قدامت پسند ہے، کوئی کہے گا کہ وقت ضائع کنندہ ہے، ان سب کے باوجود ماں باپ کے دلوں میں جذبہ ہے کہ بچوں کو داخل کرو۔ اور سرآن یاد کرو اور بچپن میں کہ رٹ رہے ہیں یہ سوائے حفاظت خداوندی سے اور کیا ہے۔ اگر واقعی بڑے بوڑھے یاد کیا کرتے تو اللہ کی حفاظت نمایاں نہ ہوتی۔ یہ کہا جاتا کہ بڑے بوڑھوں نے سنجیدگی سے سمجھا کہ بھائی خدا کی کتاب ہے، اس کی حفاظت ہونی ضروری ہے۔ یہ ان کی حفاظت سمجھی جاتی، مگر یاد کرایا جا رہا ہے چھ چھ برس کے بچوں کو عقل نہ شور، یہ سوائے حفاظت خداوندی کے اور کیا ہے جس کا وعدہ انا عن منزلنا اللہ ذکر و انا لہ لحافظون میں لیا ہے کہ حافظ اصل میں ہم ہی ہیں۔ اور پھر کتنی کریم بارگاہ ہے کہ اصل میں تو حافظ وہ ہیں۔ انا لہ لحافظون اور اصل میں قاری حق تعالیٰ شائد کی شان ہے جیسا کہ فرمایا کہ ”تلك آیت الله نسلوها عليك بالحق“ تلاوت کرنا ہماری شان ہے، تمہارے ادب پر ہم تلاوت کر رہے ہیں ”نسلوها عليك من نبأ موسى و فرعون بالحق“ ہم ہی موسیٰ اور فرعون کا قصہ تلاوت کرتے ہیں تو حافظ ہونا بھی انہیں کی شان اور تلاوت کنندہ ہونا بھی ان ہی کی شان ہے۔ اور قاری ہونا بھی ان ہی کی شان ہے جیسے فرمایا فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ اے پیغمبر! جب ہم قرأت کریں تم سستے رہو تو حافظ بھی وہی، قاری بھی وہی، تالی بھی وہی، لیکن یہ کتنی کریں گے کہ جو بچہ یاد کر لے۔ فرماتے ہیں کہ جو ہمارا لقب تھا آج سے وہ ہم نے تمہیں دیدیا۔ ہم بھی حافظ، تم بھی حافظ، پھر زبان سے اسے پڑھ دیا تو فرمایا کہ جو ہمارا لقب تھا ہم نے تمہیں دے دیا کہ ہم بھی قاری، آج سے تم بھی قاری، تم تلاوت کرنے بیٹھ گئے، ہمارا نام تھا تالی و تلاوت کنندہ، ہم آج سے یہ لقب تم کو بھی دیتے ہیں تو سرکاری القاب رعایا کے پروردگار دیتے گئے یہ سوائے فضل و کرم کے اور کیا ہے، مثلاً ہندوستان کا پرنسپل اور وزیر اعظم ہے۔ اگر آپ آج یہ دعویٰ کریں کہ میں وزیر اعظم ہوں تو مقدمہ قائم ہو جاتے گا۔ آپ اعلان کریں کہ پرنسپل آف انڈیا ہوں تو مقدمہ قائم ہو جاتے گا اس لئے کردہ خاص لقب ہے سرکاری لقب ہے۔ آپ انہیں اختیار نہیں کر سکتے، مگر یہ

اللہ کی بارگاہ کی کریمی ہے کہ جب ان کے کلام پاک کو یاد کریں اور سینے میں لے لیا تو کہا کہ آج سے جو ہمارا لقب وہی لقب تمہارا بھی ہے۔ سرکاری القاب دیدیتے ہیں، غرض اس طرح ایک تو مشابہت پیدا ہوئی تھی نبی کریمؐ سے کہ جیسے آپ کے قلب کے اندر قرآن آیا اور پھر زبان مبارک پر آیا یہی شان اس حافظ بچے کی ہو جاتی ہے کہ پہلے اس کے سینے میں قرآن آجاتا ہے اور پھر اس کی زبان پر آتا ہے اس کو تشبہ حاصل ہوا نبی کریمؐ سے اور اس سے بڑھ کر مشابہت یہ کہ سرکاری خطابات دیدیتے گئے جو اپنے خصوصی خطابات تھے، کہ اللہ کے ساتھ اتنا قریب کہ لقب ان کا آگیا اور رسول کے ساتھ اتنا قرب مشابہت حاصل ہو گئی تو اور کیا چاہتے ہو اور یہ سب کرنے کے بعد شمرہ یہ مل گیا کہ اللہ کا قرب اور رسول کے ساتھ تشبہ کس کے یہ نصیب کہ رسول کے ساتھ تشبہ ہوا اور سرکاری خطاب دیتے جاویں یہ سب اللہ کا فضل و کرم ہے ورنہ حافظ حقیقی تو ذات خداوندی ہے اور جس بندہ کو حفاظت قرآن کے لئے حق تعالیٰ شاد منتخب کریں یہ اس کی خوش نصیبی اور خوش قسمتی ہے۔

حق اور باطل جمع نہیں ہو سکتے اور پھر آپ غور کریں تو واقعی جس سینے میں قرآن ہو گا باطل اس کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا ہے۔ اس واسطے کہ قرآن کی شان مثبت طریق پر یہ فرمائی گئی ہے کہ **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ** وہ لوگ جو ایمان لائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ چیز پر عیسیٰ قرآن پر فرمایا **دھوا الحق من ما بهمّ وہ** اللہ کی طرف سے حق ہی بنا کر اتارا گیا ہے۔ تو مثبت طریق پر تو قرآن کو حق کہا ہے، اصل میں حق یہی ہے۔ دوسرے منفی پہلو میں دوسری جگہ فرمایا گیا کہ **لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَنِيدٍ** یہ وہ کلام ہے کہ اس کے آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں باطل نہیں پھٹک سکتا ہے، یہ حق ہی حق ہے، اندر سے بھی حق، اوپر سے بھی حق، نہ باطل اس کے اندر ہے نہ اس کے آس پاس آ سکتا ہے پھر قرآن کریم باطل سے منزہ اور مبرا اور ذاتی طور پر حق اور سربا حق۔ اب یہ حق اور غیر باطل

جب کسی سینے میں گھسے گا تو اس سینے میں بطلان کہاں سے آجائے گا۔ دوسرے حیب حق ہے اس میں تو باطل نہیں آسکتا ہے۔ تو جن بچوں نے آج قرآن کو اپنے سینے میں لے لیا ہے۔ حقیقت میں لفظوں کے اعتبار سے تو وہ مشرہ ہو چکے ہیں باطل سے۔ کل کو معافی اس کے پڑھ لیں گے۔ تو معافی کے لحاظ سے بھی باطل سے مشرہ ہو جائیں گے۔ تو ایک وصف تو یہ تھا کہ قرب خداوندی ملا۔ دوسرا وصف یہ کہ مشابہت علی نبی کریم سے اور تیسرا وصف یہ ملا کہ جسم حق بنے گا۔ باطل اس کے اس پاس نہیں آسکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے اندر قرآن روح بنکر سرایت کر گیا ہے۔ اور وہ حق ہی حق۔ بطلان اس کے پاس نہیں ہی باطل دور بھاگے گا

حافظ قرآن کبھی نہیں مرتا | اگر اس پہلو کو دیکھیں تو وہ حیات ہے اور آپ نے حیات کو اپنے اندر ڈال لیا ہے اس کا مطلب یہ

ہے کہ آپ زندہ ہیں۔ مردہ نہیں ہو سکتے ہیں۔ یہ مردنی بدن پر طاری ہوگی اور بدن پہلے ہی سے باطل ہے اسے موت آجائے تو کوئی سی بڑی بات ہے۔ اصل میں زندہ روح ہے اس کی زندگی کا سامان ہو تو وہ دوامی زندگی ہے۔ تو حافظہ قاری مرنے والا نہیں روح اس کی جاری دساری ہے۔ نہ حافظہ مرتا ہے نہ قاری مرتا ہے نہ عالم مرتا ہے بلکہ اس کا بدن مرتا ہے اس کی روح زندہ رہتی ہے اس روح کا بقاء اس عالم میں پہنچتا رہتا ہے اس لئے مستحقیق یہی اس کے پاس چمکتی ہے نہیں اور موت کا یہ حاصل ہے کہ بدن کھانے پینے کے قابل نہ رہا۔ بلکہ روح کھانے

پینے کے قابل ہے۔ اسے غذا وہاں بھی مل رہی ہے یہاں بھی مل رہی ہے۔ یہاں بھی اس کی غذا علم و معرفت تھی اور برز میں بھی اس کی غذا علم و معرفت ہے۔ اور جنت میں بھی اس کی غذا اعلیٰ سے اعلیٰ علم و معرفت ہی ہوگا، تو ہر جگہ اسے زندگی ہے۔ بدن کو یہاں غذا ملتی تھی مگر بہت سی دفعہ بیمار ہو کر یہاں بھی محروم ہو جاتا ہے، برزخ میں پہنچا وہاں بھی محروم ہوگا۔ حشر میں پہنچے گا تو وہاں بھی محروم ہی رہے گا۔ جب تک وہ روح اپنے ساتھ نہ ملے کوئی اس کی قدر و قیمت ہی تو بدن کی نہ یہاں زندگی نہ برزخ میں زندگی اور نہ وہاں زندگی اور روح یہاں بھی زندہ، برزخ میں بھی زندہ اور عالم آخرت میں بھی زندہ۔ اور روح کی غذا

بھی قرآن کریم جسک حیات ملتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ حافظ قرآن مرتائیں وہ زندہ ہی زندہ رہے گا۔ اس کے لئے موت نہیں، ایک جی موت ہے کہ بدن ناکارہ ہو جائے۔ روح اسے چھوڑ کر چلی جلتے مگر روح جو لپک گئی ہے وہ قائم ہے اس کے ساتھ وہ اس سے بیٹھے والی چیز نہیں وہ قرآن ہے۔ روح ہے۔ روح خداوندی ہے۔ تو حافظ کی شان یہ ہے کہ باطن اس کے پاس نہیں آئے گا۔ جس حد تک وہ قرآن کو لے چکا ہے۔ اور حیات دائمی اس کی بن گئی ہے۔ اور وہ مشاہد بن گیا بنی کریم کے اہل اللہ کی صفات اور خطابات اُسے ملی گئے کس کے لیے نصیب ہیں۔ اسی واسطے اس کا اثر یہ ہوگا

محشر میں حافظ قرآن کے باپ کی تاج پوشی ہوگی | حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ قیامت کے دن

حافظ کے باپ کی تاج پوشی کی جائے گی یعنی میدان محشر میں جہاں اولین و آخرین جمع ہوں گے تاج پہنایا جائے گا جس کی نورانیت سے پورا محشر منور ہوگا اعلان ہوگا کہ وہ ہے جس نے اپنے بچے کو قرآن کریم یاد کر لیا تھا یہ آج اس کی عزت افزائی ہو رہی ہے جو تاج پوشی کی گئی ہے دنیا میں اگر کسی کی تاج پوشی کیجاتے یہ عظیم ترین اعزاز ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی فخر و اعزاز کی چیز نہیں۔ لیکن کسی بادشاہ کی اگر تاج پوشی ہو تو اس ملک کے جراحان ہیں وہ جمع ہوئے ہیں اور بادشاہ کو تاج پہنا کر اعلان کرتے ہیں کہ آج سے یہ ہمارا بادشاہ ہے ملک والوں کو فخر ہوتا ہے اسیں ہر اقلیم کے لوگ جمع نہیں ہوتے بلکہ اپنے اپنے ملک والے لوگ جمع ہو کر تاج پہناتے اور ایک یہ اگر مان لیا جائے کہ کسی کی تاج پوشی میں ساری دنیا کے ملکوں کے نمائندے جمع ہو گئے ہیں اور سب نے کھڑے ہو کر تاج پہنایا مگر اس زمانہ کے جو لوگ گھڑ پکے ہیں وہ تو نہیں آویں گے۔ یا آئندہ آنے والے ہیں وہ تو شریک نہیں ہوں گے، پھر تاج پوشی ناقص رہی۔ مگر میدان محشر میں آدم کی ساری اولاد جمع ہوگی اذن سے لیکر آخر تک۔ اربوں کھروں انسان جمع ہوں گے، جلسہ ہوگا۔ اور صدر حق تعالیٰ شاہد ہوں گے ملائکہ علیہم السلام معاون ہوں گے، جلسہ کے تمام اتفاق پورا، زمینوں پر ان کی فوجیں کھڑی ہوتی ہوں گی بیچ میں بنی آدم ہوں گے، اسیں مسلم غیر مسلم

سبھی ہوں گے، ابھی حساب و کتاب نہیں ہوا ہوگا۔ اس وقت ایک بچے کے باپ کو جس نے حفظ کرایا تھا اس کی تاج پوشی کجائے، تو اولین و آخرین جمع، تاج پہنانے والے حق تعالیٰ تو اس سے بڑھ کر ایک حافظ کے لئے فخر و اعزاز کا اور کونسا موقع ہوگا حافظ کو اپنی ذات سے جو تھوڑا تھا ہی اس کے ماں باپ تک یہ اثر پہنچا کہ ان کو بادشاہ بنا دیا گیا، ان کی تاج پوشی کی گئی، اور اولین و آخرین میں شور یہ ہوگا کہ بھائی انہوں نے اپنے بچے کو قرآن کریم حفظ کرایا تھا۔ تو بہر حال خود کلام کو دیکھو تو وہ حق محض ہے جس میں باطل پاس نہیں آسکتا۔ جس محل میں آیا بچے کے وہ اتنا بلند ہوا کہ اسے مشابہت حاصل ہو گئی حضور سے، اسے القاب ملے حق تعالیٰ شانہ کے حیات علی اسے دائمی، اس کے اثرات متعدی ہوتے تو ماں باپ تک اثرات پہنچے، اور ماں باپ کی تاج پوشی کی گئی اولین و آخرین میں شہرت ہوئی تو گویا قرآن کے آثار دنیا سے لیکر برزخ تک اور برزخ سے لے کر آخرت تک سب اعلیٰ ہیں۔ اور پھر یہی نہیں کہ یہیں ختم ہو جائیں بلکہ آگے جنت تک بھی یہ اثر چلتا رہے گا۔

حافظ قرآن اور جنت کے درجات | حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ حافظ قرآن سے کہا جائے گا کہ دی

دارت کرنا جا اور ترقی کرتا جا، جنت کے درجات کما تا جا اس کی جزا یہ ہے، کیونکہ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ جتنی آیات ہیں قرآن کی اتنے ہی درجات ہیں جنت کے، ہر درجہ میں تفصیلات تو لاکھوں ہیں لیکن نوعی طور پر درجات کی وہی تعداد ہے جو قرآنی آیتوں کی تعداد ہے۔ اب جیسے کوئی قرآن کی آیت ہے چار حرفوں کی اس کے اندر غور کرو تو ہزاروں قسم کے درجات نکلیں گے، تفصیل کھولو تو احکام الگ نکل رہے ہیں۔ لطائف الگ نکل رہے ہیں، علل الگ نکل رہے ہیں۔ اسرار الگ، معلوم ہوتا ہے کہ کوئی حد و نہایت نہیں اس کے کمالات کی تفصیلات کی، آیت ایک ہی ہے۔ تو قرآن کی ایک آیت مستقل موضوع ہے علم و کمالات کا۔ لیکن اگر مجمل دیکھا جائے تو انواع علوم کی اتنی ہی ہیں، جتنی آیت ہیں۔ اور درجات جنت کے اتنے ہی ہیں جتنی آیتیں ہیں۔ تو فرمایا جائے گا اس حافظ قرآن سے

کے تلاوت کرتا جا جہاں تک تیری طاقت ہے درجات کھاتا جا، اور پھر ہر درجہ کی تفصیل الگ ہے جیسے آیات کے، نذر تفصیلات میں لاکھوں علوم بھرے پڑے ہیں تو جو درجہ جنت کا کھاتے گا اسکی نعمتوں کی تفصیلات اتنی ہیں کہ کوئی حد و نہایت نہیں ہے، ابد الابد گزر جائے گا مگر وہ سیر و سیاحت میں ہی رہے گا۔ اور نعمتیں کھاتا رہے گا۔ تو قرآن کی حکومت دنیا میں ہی نہیں، برزخ میں ہی نہیں، جہنم میں ہی نہیں، جنت میں ابد الابد تک رہے گی۔ اس واسطے کہ یہ اللہ کا کلام ہے میرا اور آپ کا کلام نہیں۔

ہمارے کلام کو فضا حاوی ہوتی ہے اور اللہ کا کلام فضا کو حاوی ہوتا ہے | ہمارا کلام

جب فضا میں آتا ہے وہ گم نہیں ہوتا وہ مٹا نہیں اس کو فضا گھیر لیتی ہے اور اللہ کا کلام جب چلتا ہے تو وہ فضا کو گھیر لیتا ہے۔ ساری فضا اس کا عمل بن جاتی ہے۔ تو فرق یہ ہے کلام اللہ نے فضا کو گھیرا اور ہمارے کلام کو فضا نے گھیر لیا ہے جیسے ریڈیو نے ضبط کر کے دنیا تک پہنچا دیا۔ اگر فضا میں محفوظ نہ ہوتا تو ریڈیو کس کو پیش کرتا، اسی پر ریڈیو کی ایجاد مبنی ہے کہ جو لفظ ہم بولتے ہیں فضا میں محفوظ ہو جاتا ہے، جیسے قرآن کریم نے فرمایا ہے "مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ" کوئی لفظ کوئی ہاں ہوں تم اپنے منہ سے نہیں نکالتے کہ ٹانگے والا اسے ٹانگ لیتا، محفوظ کر لیتا ہے۔ ہر ہر لفظ محفوظ ہے۔ ہر ہر ادا محفوظ ہے اور آواز محفوظ ہے۔ اور قیامت کے دن وہ سامنے کر دی جائے گی۔ وہ عمل بھی، وہ ہیئت بھی، وہ قول بھی، اس قول کی آواز بھی، وہ زمانہ بھی، وہ مکان بھی، ہر چیز محفوظ ہے تو پھر حال ہماری آواز جب نکل جاتی ہے منہ سے تو گم نہیں ہوتی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ سے جو کلام نکلے وہ گم ہو جائے۔ ہمارے اور آپ کے کلام کو تو فضا گھیر کر محفوظ کر لیتی ہے اور اللہ کا کلام نکل کر ساری کائنات کو گھیر کر اس کی وجہ سے ہے وہ کیسے گم ہو سکتا ہے، وہ تو گم ہونے والی چیز نہیں جس جس میں وہ کلام جذب ہو گا۔ وہ انشا اللہ گم ہونے والی

چیز نہیں ہے آخر تک اس کے آثار و برکات چلتے ہی رہیں گے۔

حافظ قرآن کو شفاعت کا حق دیا جائے گا۔ | حدیث میں ہے کہ حافظ قرآن کو حق دیا جائے گا کہ اپنے عزیزوں

میں سے پانچ کی شفاعت کر خواہ وہ ماں باپ ہوں، بھائی بند ہوں تجھے حق ہے پانچ آدمیوں شفاعت کا جس کی چاہے شفاعت کر۔ اور اگر کسی نے گھر میں سے پانچ بچوں کو حفظ کرا دیا ہے تو پچیس آدمیوں کی شفاعت کا حق ہو گا۔ ان کو اگر گھر میں پچیس آدمی نہیں تو باقی شفاعت اوروں کے کام آئے گی۔ گھر والے تو سارے بخشے ہی جائیں گے باقی شفا اوروں میں پہنچ جائے گی، کسی کو شفاعت کا حق دیا جانا بڑی عزت و عظمت کی بات ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود بخشنا بخشایا ہے۔ جب ہی تو اس کو دوسروں کو بخشوانے کا حق دیا جا رہا ہے۔ کہ تو شفاعت کر پانچ آدمیوں کی ہم قبول کریں گے اسی طرح سے علماء کو حق دیا جائے گا شہداء کو حق دیا جائے گا کسی کو سات کسی کو دس آدمیوں کی شفاعت کا اب اگر سارے ہی گھر والے حافظ ہیں تو اس کی شفاعت کہاں تک پہنچے گی آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

حافظ قرآن کے والدین ہمیشہ سر بلند رہتے ہیں | تو بہر حال جن ماں باپ نے اپنے بچوں کو حفظ کرایا ہے وہ

یہاں بھی محروم نہیں وہاں بھی محروم نہیں۔ یہاں بھی ان کی برکات ہیں۔ وہاں بھی ان کے لئے برکات ہیں بچہ ابھی چھ سات برس کا ہو تا ہے مگر جب پیش کرتے ہیں پہلے ماں باپ کا نام آتا ہے کہ فلاں صاحب کا بیٹا ہے جس نے قرآن حفظ کیا تو پبلک جان گئی کہ بچہ یہ ہے۔ باپ یہ ہے۔ اس باپ کا احسان ہے جو اس بچہ کو قرآن حفظ کرایا۔ تو دنیا میں بھی سر نام ہوا در آخرت میں تو شہید ہو گی ہی اولین میں اور آخرین میں تو بچہ بھی اور ماں باپ بھی سارے کے سارے ہی سر نام ہوں گے۔

دیگر مختلف | بہر حال قرآن کریم کی عظمت کے سیکڑوں پہلو ہیں جو احادیث میں فرمائے گئے ہیں، وقت اتنا بھی نہیں کہ ان سارے پہلوؤں

کا ذکر کیا جائے اور سارے پہلو ذکر میں آجھی نہیں سکتے ہیں۔ یہ دوچار پہلو ذکر کر دیئے گئے ہیں کہ یہ قرآن کے پہلو ہیں جس سے قرآن کریم کی عظمت واضح ہوتی ہے اور ان بچوں کو پگڑی باندھ کر چند چیزیں ذہن میں آئیں کہ واقعی بڑی برکت اور بڑی خوش نصیبی ہے ان بچوں کی، حق تعالیٰ نے ان کو یہ فضیلت عطا فرمائی اور یہ بھی کم فضیلت ہے کہ ایک نالائق یہاں آکر بیٹھا کر سی کے اوپر کہ بچوں کی پگڑی باندھے۔ اور آپ نے سپاس نامے میں یہ کس کی تعریفیں کر دیں؟ حالانکہ یہ مبالغہ ہے اور میں کہتا ہوں کہ مبالغہ تو جھوٹ کی قسم ہے۔ اور آپ لوگ بری ہیں۔ خدا نخواستہ جھوٹ بولیں۔ آپ نے تو اپنے نزدیک سچی باتیں سہی ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ آپ نے ایک نالائق بھائی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور محبت کی نگاہ سے کوئی چیز بری نہیں لگتی ہے اس کا عیب بھی اچھا معلوم ہوتا ہے یہ سب محبتیں میٹھے ہوتے ہیں، محبت اور اخلاص سے جب انہوں نے دیکھا شروع کیا تو عیب دار کے عیب ہی چھپ گئے، اور ساری چیزیں انہیں خوبیاں ہی نظر پڑیں تو خوبیاں سراہنی شروع کر دیں حالانکہ وہ خوبیاں کہاں اور ہم جیسی کہاں، اور سادگی سے میں کہتا ہوں کہ یہ تو آپ نے اپنی تعریف کی ہے۔ اس لئے کہ آپ نے اپنے حوصلہ کا ثبوت دیا ہے آپ نے اپنی وسعت قلبی کا ثبوت دیا ہے کہ آپ نے اپنے ایک ناکارہ بھائی کو بہت بڑھا دیا۔ آپ میں وسعت تھی جب ہی تو آپ نے بڑھا دیا۔ تو وسعت قلبی کا ثبوت آپ دیں تو شکریہ میں کیوں ادا کروں۔ یہ تو آپ نے اپنے کمالات ظاہر کئے ہیں۔ اسکی ضرورت نہیں کہ میں شکریہ ادا کروں۔ اور میں کہتا ہوں کہ نہ تم ہمارا شکریہ ادا کرو اور نہ ہم تمہارا شکریہ ادا کریں۔ بس ہم سب ملکر اپنے اللہ کا شکریہ ادا کر کہ اس نے ہم پر اپنا فضل فرمایا کہ ہمیں ایک جگہ جمع کیا۔ ہمارے بچوں کو حافظ بنایا، ہمیں توفیق دی کہ ان کو پگڑی باندھیں، ہمیں توفیق دی کہ ان کو سند دیں اور اس قرآن کریم کی تعلیم کو ہم آگے چلائیں، یہ حق تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے جو ہمیں توفیق عطا فرمائی۔ تو بجائے اس کے کہ ہم ایک دوسرے کا شکریہ ادا کریں کہ ہمیں جمع کر دیا کہ مسلمانوں کا اجتماع یہ خود مستقل ایک نعمت ہے۔ اور برکت ہے۔ اور اجتماعات جو قرآن کے لئے یہ

برکت سے بھی بڑھ کر برکت ہے۔ اور قرآن کے بھی افادے کے لئے وہ آگے بڑھیں
تو یہ برکت در برکت در برکت ہے۔ تو اتنی برکات اور اتنی نعمتیں ہمیں عطا فرمائیں تو اس
لئے اصل میں مستحق تو شکریر کے وہ ہیں "وله الثناء الحسن وله الكبرياء في السموات
والارض وهو العزيز الحكيم" عزت والا وہ شکر کا مستحق وہ حمد و ثنا اس کے لئے تو ہم
سب فکر اسی کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ مدرسہ کو اور زیادہ مضبوط
اور وسیع فرمائے، اور اس کے معلم اور ہمارے قاری صاحب کی عمر دوازہ فرمائے
اور ان کے ایثار اور اخلاص میں اور زیادہ برکتیں عطا فرمائے، اور
ہمارے اس قصبے اور علاقے کے لوگوں کو اور زیادہ زیادہ توجہ عطا فرمائے کہ مدرسہ کو
آگے بڑھاویں، اور آج ہم نے پانچ حافظوں کی دستار باندی اللہ ہمیں موقعہ نصیب
کرے تو ہم پچاس پچاس کے سروں پر پچڑیاں باندھیں اور گھر گھر میں حافظ نظر آویں
اور اسکی برکت سے یہ شہر مالا مال ہو۔

اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

مذاہب عالم میں اسلام کے تین بنیادی امتیازات

عقل نقل اور استنباد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خطبہ مسنونہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ
رَسُولُهُ أَرْسَلَهُ اللَّهُ إِلَى كَافَّةِ النَّاسِ بِشَيْءٍ أَوْ ذِي نَبَأٍ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِ
بِهِ وَسِرًّا جَامِعًا نَبِيًّا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ
تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ
الرَّحِيمِ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ
أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ وَهَمَّاءُ بَيْنَهُمْ رَاغِبُونَ إِلَى اللَّهِ مُبْتَلُونَ فَضْلًا
مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ
فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطَاًا فَكَادَ زَكَاةً فَاسْتَغْلَظَ
فَاسْتَوَىٰ عَلَى سَوْقِهِ فُبَعِيَ الْبُزْءُاعُ لِيُغَيِّظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا

تمہید

بزرگان محترم! میں نے جو آیت تلاوت کی ہے اس کے ذیل میں چند ضروری گزارشات عرض کروں گا وہ حقیقت میں تقریر نہیں ہوگی بلکہ ایک درجے میں تغیر ہوگی اس آیت کی جو میں نے تلاوت کی ہے اس کے ذیل میں کچھ تشریح و تفصیل پیش کی جائے گی اسے آپ تقریر کہہ سکتے ہیں۔

ہدایت خداوندی

حق تعالیٰ شانہ اپنا احسان و اکرام انسانوں پر بے حد فرماتے ہیں اور بہانے بہانے سے فرماتے رہتے ہیں ان احسانوں میں سے ایک احسان عظیم یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کو ہماری ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے ”هُوَ الَّذِي آتَاكَ سَكَنًا مَّسْكُوكَ ۖ يَالَهُدًى وَدِينًا حَنِیًّا“ وہ ذات ہے کہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت دے کر بھیجا تو ظاہر بات ہے کہ اس سے بڑھ کر انعام خداوندی اور احسان الہی اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ رستہ دکھلایا جائے اچھے اور بُرے کے اختیار کا طریقہ بخشا جائے۔ حدیث میں ہے کہ سورۃ فاتحہ میں ایک سوال کیا گیا ہے اور اسی لئے اس صورت کو سورۃ مسئلہ بھی کہتے ہیں۔ وہ سوال ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہ ہم کو سیدھا رستہ دکھلا دیجئے۔ ہماری رہنمائی فرمائیے۔ بظاہر یہ دعا معمولی سی دعا ہے جب کہ سوال بتانا تھا تو جنت کا سوال، اللہ کی جزا کا سوال، اور دین و دنیا کی بھلائی کا سوال سکھایا جاتا۔ یہ سوال کہ سیدھی راہ کی ہدایت کر دیجئے ایک عام سی بات معلوم ہوتی ہے۔ کسی بڑی بات کی درخواست بظاہر نظر نہیں آتی لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درخواست تمام دعاؤں کو شامل ہے اگر سیدھے راستے کی ہدایت ہوگئی تو ہدایت خداوندی بھی حاصل ہوگئی۔ اگر سیدھے راستہ پر چل پڑیں تو دین و دنیا کی فلاح و بہبود بھی حاصل ہوگئی۔ اور آخرت کی دائمی عیش و عشرت بھی تو اللہ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور احسان جتلیا کہ ہم نے اپنے رسول کو وہی چیز دے کر بھیجا جو تم نے مانگی تھی یعنی ہدایت دے کر رسول کو بھیجا۔ وہ رہنمائی کرتے۔ تمہیں راستہ بتلاتے ہیں۔ شاید کوئی یہ اعتراض کرے کہ ہدایت کا رستہ عقل بھی ہے۔ ممکن ہے حضورؐ نے اگر فرما دیا ہو کہ اپنی عقلوں سے راستہ تجویز کر لیا کرو۔ دنیا میں اچھے بُرے کا خدا نے تمہیں عقل دی ہے۔ دل میں سمجھ موجود ہے۔ اپنی عقل سے اپنی سمجھ سے تم راستہ تجویز کر لو۔ اور طے کر لو۔ میں تو یہ ہدایت کرنے آیا ہوں کہ عقلوں کو درست کر لو۔ تو تقاضا بشریت سے یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ ہدایت سے مراد عقلی ہدایت ہے اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں ہدایت مانگنے کا مقصد یہ ہے کہ انسانی عقلوں کو ابھار دیا جائے تاکہ وہ اپنے راستے بنالیں لیکن اس غیبہ کار دفرمایا اس شکر سے کہ اَمَّا سَلٰ

مَا سُوَّلَهُ بِاِسْهَادِي وَدِدِّيَنِ الْحَقِّ يَعْنِي هِدَايَةِ 'دور رہنمائی دے کر بھیجا۔ اور سچا دین بھی دے کر بھیجا ہے اس طریقے پر چل کر آدمی فلاح و بہبود کو پہنچتا ہے۔ لہذا دین کے بارے میں عقل کا فی فی نہیں ہے۔ جب تک کہ وحی کی رہنمائی نہ ہو۔ اس لئے کہ عقل کا دائرہ عموماً تک ہو کچھ چیزیں آنکھوں سے دکھائی دیتی ہیں۔ کچھ چیزیں سننے میں آتی ہیں۔ کچھ چکھنے میں آتی ہیں۔ عقل ہی ان کے دائرہ میں کام کرتی ہے اور کر سکتی ہے جو اس کے دائرہ ترغیب کی چیزوں میں عقل کام نہیں کرتی ہے۔ اور نہ ہی عالم غیب کی باتوں کا عقل ادراک کر سکتی ہے۔ اس میں ضرورت پڑتی ہے وحی کی۔ علم خداوندی کی، اور خبر صادق کی خبر کی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عقل غرض بیکار ہے۔ ایسا نہیں ہے اسلام نے عقل کو اس کا صحیح مقام عطا کیا ہے۔

عقل اور حواس خمسہ | عقل کے بارے میں فرمایا گیا اَدَّكَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ يَعْنِي اللّٰهُ تَعَالٰی نے سب سے پہلے عقل کو

پیدا فرمایا ہے۔ اور عقل کی بہت سی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں اس لئے عقل کو بے کار نہیں سمجھنا چاہیے۔ البتہ اس کو اس کے حدود اور اس کے دائرے میں استعمال کرنا چاہیے جیسے آنکھ میں دیکھنے کی طاقت ہے۔ وہ صرف شکلیں اور صورتیں دیکھ سکتی ہے۔ کانوں میں سننے کی طاقت ہے وہ آوازیں سن سکتے ہیں ناک میں سونگھنے کی طاقت ہے وہ خوشبو اور بدبو کا ادراک کر سکتی ہے زبان میں چھکنے کی طاقت ہے۔ وہ کھٹے اور میٹھے کا ادراک کر سکتی ہے ان سب کے دائرے الگ الگ ہیں اگر آپ یوں چاہیں کہ کان سے خوشبو سونگھ لیں یہ کیسے ممکن ہوگا۔ آپ یوں چاہیں کہ آنکھ سے آوازیں سن لیں تو اس کام کے لئے آنکھ بیکار ہے اس کا دائرہ یہ ہے کہ وہ شکلیں اور صورتیں دیکھے۔ زبان کھٹے اور میٹھے کو چکھتی ہے آپ چاہیں کہ میں زبان سے خوشبو سونگھ لوں زبان پر ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کا یہ دائرہ نہیں ہے اور یہ حق تعالیٰ کی حکمت ہے کہ یہ سونگھنے چکھنے اور سننے کی ساری طاقتیں ان تینوں کے اندر رکھ دیں جب کہ ان کا درمیانی فاصلہ بہت معمولی ہے کان بالکل ملا ہوا ہے آنکھ سے آنکھ بالکل علی ہوتی ہے ناک سے لیکن

ہر ایک کے درمیان میں ایسی سد سبذری حائل ہے کہ کان آنکھ کے کسی کام دخل نہیں دے سکتا اور آنکھ کان کے کسی کام میں دخل نہیں دے سکتی۔ اور زبان ناک کے کسی کام میں دخل نہیں دے سکتی۔ حالانکہ ناک منہ سے متصل ہے غرض ہر ایک کا دائرہ الگ الگ ہے۔ ہر ایک کے دائرے میں دوسرا دخل نہیں دے سکتا ہے۔ اسی طرح ان سے بالاتر ایک حائل ہے عقل کا۔ دیگر حواس اس میں دخل نہیں دے سکتے۔ اگر آپ عقلی کلیات کو آنکھ سے معلوم کرنا چاہیں تو نہیں معلوم کر سکتے کان سے اگر آپ کام لینا چاہیں کہ کلیات میں سے جزئیات نکال دے اور فلسفہ گھڑ لیں تو کان یہ کام نہیں کر سکتا۔ تو گویا حواس جہاں ختم ہو جاتے ہیں عقل کا دائرہ وہاں سے شروع ہو جاتا ہے۔ مگر عقل کا دائرہ مغیبات تک ہے۔ مغیبات پر جا کر عقل عاجز ہو جاتی ہے۔ عقل یہ ادراک نہیں کر سکتی۔ عرش کسے کہتے ہیں۔ عرش کے معنی کیا ہیں۔ کرسی کے معنی کیا ہیں۔ جنت کے کیا صفات ہیں۔ جہنم کے کیا صفات ہیں۔ پلہرا کیسا ہے۔ میلان شری کیا کیفیات ہوں گی یہ باتیں عقل کے دائرہ سے خارج ہیں۔ یہ حتی کے دائرہ میں داخل ہیں مخبر صادق اگر خبر دے کہ اللہ کا ایک عرش ہے، ایک کرسی ہے۔ ایک جنت ہے۔ ایک سرکاری ہوان خانہ ہے ایک سرکاری جیل خانہ ہے، ایک مجرموں کی جگہ ہے۔ ایک مطبوعوں کی جگہ ہے۔ اس سلسلہ میں عقل بیکار ہے۔ عقل صرف محسوسات میں کار آمد ہے۔ مغیبات میں وحی خداوندی کام دے گی اور عقل کو اس کے تابع بن کر خادم کی حیثیت سے چلنا پڑے گا اسی لئے حق تعالیٰ نے اَمَّا سَلَّمَ مَسْوُكَةً بِالْهُدٰی کے بعد دین الحق کی قید لگائی کہ ہدایت کسے لئے اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا مگر انسان کو نہیں سونپا کہ جس طرح چاہیں عقل سے تجویز کر لیں بلکہ دین حق بھی بھیجا ہے یعنی طریقہ بھی بتا دیا کہ اس دین پر پلو اور یہی دین حق ہے اسی پر چل کر تم کامیاب ہو سکو گے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اب رہا یہ سوال کہ دین حق | دین حق کی پہچان اور اس کے دو معیار
ہم کس طرح سے پہچانیں

کیونکہ دنیا میں تو بہت سے آوازے لگتے ہیں، ہر قوم مدعی ہے کہ میرا دین حق ہے۔ ہر طبقہ مدعی ہے کہ میرا دین حق ہے تو کوئی معیار بھی ہونا چاہیے کہ جس سے ہم حق و باطل کی پہچان کر سکیں۔ اور پہچان سکیں کہ واقعی دین حق کونسا ہے جو اللہ کا دین ہے تو اسلئے دو معیار ہیں۔ ایک روایت اور ایک روایت۔

پہلا معیار روایت | روایت کے لئے سند ضروری ہے کہ دین پیغمبر سے منقول ہوتا ہوا آ رہا ہو اور روایت میں جو رجال ہوں

ان کی سند پیغمبر تک متصل ہو کہ اس نے اس سے سنا۔ اسنے اسکے سنا اس نے سنا عرض سند جا کر ختم ہو جائے نبی کریم پر تو جب تک کہ سند نہ ہوگی اور سند کے اندر جو راوی ہیں ان کے صفات معلوم نہیں ہوں گے اور راویوں کے احوال معلوم نہ ہوں گے اسوقت تک سند نہیں چلے گی اور جب سند نہ ہوگی تو روایت نہ چلے گی اور جب تک روایت نہ ہوگی تو اختراع اور قصہ کہانی رہ جائے گا۔ سند متصل کے بغیر دین باقی نہیں رہے گا۔ تو پہلا معیار تو یہ ہے کہ ہم دین کو سند کے ساتھ پرکھیں گے کہ دین پیغمبر سے منقول ہو کر ابھی رہا ہے یا نہیں یا بیچ میں کسی نے بنالیا ہے۔ سند کیساتھ ثابت بھی ہے یا نہیں۔ اس لئے علماء اور محدثین نے ایک مستقل فن ایجاد کیا ہے اسماء الرجال کا کہ جس میں ان راویوں کے حالات جمع کئے ہیں۔ ان کا خاندان، ان کا نسب نامہ، ان کا کیر کڑ اور کردار کہ جو روایت کرتے آئی ہیں نبی کریم سے تقریباً پچاس ہزار افراد کی تاریخ مدین کی کہ یہ ہیں وہ افراد جو حدیث کے راوی ہیں قرآن کی روایت تو بہت مضبوط ہے۔ یہ تو تو اتر ہے اور تو اتر بھی طبقہ کا ہر قرن میں لاکھوں کی تعداد میں حافظ موجود رہے ہیں۔ زیر و زبر کی بھی غلطی نہیں ہو سکتی ہے ہر زمانے میں، ہر ملک میں ہر علاقے میں بے شمار اور لاتعداد حفاظ موجود رہے ہیں۔ اگر معاذ اللہ قرآن کریم کے نسخے خرید کر سمندر میں بھی ڈال دیئے جائیں تو اگلے دن پھر قرآن لکھا جائے گا۔ وہ تو سینوں میں موجود ہے بلکہ اُیَاتٌ بَیِّنَاتٌ فِي صُورِ الْغَيْبِ اَوْ تَوَالِیْہُمْ۔ یہ آیات بینات اہل علم کے سینوں میں محفوظ کی گئی ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کی جگہ وہ تجویز کی ہے کہ جہاں نہ چور

پہنچ سکے نہ ڈاکو پہنچ سکے، نہ کوئی آفت پہنچ سکے۔ اگر آپ کا غدر لکھ کر اس کو آگ میں رکھ دیں تو آگ کا غدر کو جلا سکتی ہے۔ اگر کاغذ کو سمندروں کے اندر ڈال دیں تو کتاب اس میں غرق ہو جائے گی اور اگر زمین میں دفن کر دیں تو چند دن کے بعد کاغذ گل جاتے گا۔ دیمک لگ جائے گی کاغذ ختم ہو جائے گا۔ ان سب چیزوں کی حفاظت عارضی ہے۔

حق تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم کی جگہ سینوں کو قرار دیا ہے کہ جہاں نہ دیمک پہنچتی ہے نہ چور پہنچتا ہے۔ نہ ڈاکو پہنچتا ہے۔ نہ وہ گل سکتا ہے نہ پھٹ سکتا ہے بلکہ لوح محفوظ بنا دیا سینوں کو کہ اس میں قرآن کریم محفوظ رہے اور لاکھوں کی تعداد میں ہر دور میں حفاظ موجود رہے ہیں قرآن کریم کی حفاظت ہے تو اتر کے ساتھ اور تو اتر بھی طبقے کا اور سب کی سندیں الگ الگ ہیں۔

حفاظت قرآن کی ظاہری سند | ہرقاری، ہر بخود کی سند محفوظ ہے۔

ہے مثلاً میں ہوں میں کہتا ہوں کہ میں نے قرآن کو پوری سند کے ساتھ نبی کریمؐ سے پڑھا ہے اور میں اسکی سند بیان کر سکتا ہوں۔ اس طرح پر کہ میں نے قرآن کریم تجوید کے ساتھ پڑھا ہے حضرت قاری عبدالوحید خان صاحب الہ آبادی سے انہوں نے تجوید کے ساتھ پڑھا قاری عبدالرحمن صاحب مکتی سے انہوں نے حفظ اور قرأت کی سند حاصل کی قاری عبداللہ صاحب مکتی سے اور قاری عبداللہ مکتی نے شیخ عمود مصری سے اور سلسلہ بسلسلہ حضرت ابی بن کعبؓ سے اور حضرت ابی بن کعبؓ نے نبی کریمؐ سے اور حضورؐ نے حضرت جبریلؑ امین سے اور جبریلؑ امین نے حق تعالیٰ شانہ سے۔ اس طرح ہر حافظ کی سند ملی ہوئی ہے اللہ کے ساتھ جماعت اور توازن کا طبقہ تو الگ رہا۔ فرداً فرداً بھی حضرات حفاظ اور مجتہدین اپنی سندیں پیش کر سکتے ہیں تو قرآن کریم میں غلط ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ سورتیں اسکی گنی ہوئی رکوع اس کے گئے ہوئے حروف اس کے گئے ہوئے۔ زیر اور زبر اس کے گئے ہوئے، قرآن کریم جس طرح سے نازل ہوا تھا اسی طرح سے محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا۔ اسکی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرات حفاظ کے سینوں کو منتخب کر لیا ہے۔

صرف سند ہی پر قناعت نہیں کی گئی پھر سند کے دو درجے رکھے ہیں۔ ایک درجہ تو وہ ہے کہ حضورؐ سے صحابہ اور تابعین سے ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے یہ تو ظاہری سند ہے۔

اور ایک باطنی سند ہے کہ حضورؐ کی

سند اللہ تک پہنچ رہی ہے اس سند

حفاظت قرآن کی باطنی سند

میں حضورؐ کے اور اللہ کے درمیان صرف ایک راوی ہے یعنی جبریل امین کہ حضورؐ نے سنا جبریل امین سے اور جبریل نے سنا قرآن کو حق تعالیٰ شائد سے۔ مروی عنہ، جس قرآن کی سند چل وہ حق تعالیٰ شائد کی ذات بابرکات ہے جو ہر عیب سے پاک ہے۔ ہر برائی سے بری۔ خدا کہتے ہی اس کو ہیں جو ہر عیب سے منزہ اور مقدس ہو تو جو وہ بات فرماتا گا وہ کیسے غلط ہو سکتی ہے غلطی کا وہاں امکان ہی نہیں اسلئے اس میں تو کلام کرنے کے گنجائش ہی نہیں۔ اور نبی کی ذات وہ ہے کہ اس میں بھی کلام کرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ نبی کہتے ہی اس کو ہیں جو سچا ہو جس میں شائبہ تک نہ ہو جھوٹ کا یا غلط بیانی کا تو نبی کی ذات بھی مقدس اور اللہ کی ذات تو سرچشمہ تقدس ہے ہی۔ اب رہ جاتے ہیں بیچ والے راوی یعنی جبریل امین۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو یہ کہہ کر نہیں منوایا کہ جبریل ہمارا فرشتہ

اوصاف راوی

ہے مانو! اگر نہیں مانو گے تو ہم سزا دیں گے فرشتہ معصوم ہے

کیا وجہ ہے کہ اس کی روایت پر اعتماد نہ کیا جاوے یہ نہیں کہا بلکہ جبریل کے جو اوصاف بیان

کئے وہ ہیں جو ایک راوی میں ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس راوی کو فنی طور پر رکھ کر قبول

کو۔ اس دباؤ سے مت قبول کرو کہ ہمارا فرشتہ ہے جب یہ لیکر آگیا ہے ماننا ہی

پڑے گا نہیں بلکہ جبریل کے اوصاف دیکھو! ان اوصاف کے ہوتے ہوئے وہ غلط بیانی

کر ہی نہیں سکتے ہیں قرآن کی جو روایت کریں گے وہ سچی کریں گے۔ اسی لئے قرآن

نے جبریل کے اوصاف بیان کئے۔ بحیثیت راوی کے سورہ تکویر میں فرمایا اِنَّہٗ لَقَوْلُ

رَسُوْلٍ کَرِيْمٍ یہ قول جو ہم تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں یہ رسول کا قول

ہے اور ظاہر بات ہے کہ جب رسول کہہ دیا یہ خود دلیل ہے سچے ہونے کی کیونکہ کوئی

حکومت اگر کشی کو اپنا قاصد یا سفیر بنائے تو سب سے پہلے یہ دیکھتی ہے کہ یہ اطاعت گزار بھی ہو سکتا ہے یا نہیں فرمانبردار بھی ہے یا نہیں اور حکومت کی پالیسی کا اوّل سے آخر تک حامی بھی ہے یا نہیں۔ پالیسی سے ذرہ برابر اسے اختلاف تو نہیں ہے۔ دیگر ممالک میں حکومت کے منشاء کو پورے طور سے ادا کرے اگر سفیر میں ذرا بھی بغاوت یا غلط بیانی کا خیال ہو اور اندیشہ ہو تو حکومت ایسے شخص کو کبھی سفیر نہیں بنا سکتی ہے اگر سازش سے یا غلطی سے سفیر بن جائے تو فوراً ایسے سفیر کو معزول کر دیا جاتا ہے اور سزا دی جاتی ہے سفیر متمدن علیہ ہوتا ہے اپنی دلیل کے لئے وہ کاغذات لا کر پیش کرتا ہے یہ کاغذات اس کے لئے سند کا درجہ رکھتے ہیں پھر اس کو سفیر تسلیم کر لیا جاتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کسی کو سفیر بنائے اور اسمیں ادنیٰ شائبہ بھی بغاوت کا ہو یا ذرہ برابر حکم عدولی کا کوئی شائبہ ہو اقل تو رسول کے لفظ سے ہی صداقت ظاہر ہے کہ جبریل نے اللہ کے اس کلام کو پہنچایا ہے تو جب وہ رسول ہیں تو سچے ہی کہیں گے مگر ممکن تھا کہ کوئی یوں کہہ دے کہ رسول تو ہے مگر کیا ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات سے کوئی بزرگی اور بڑائی بھی رکھتا ہو۔ ادنیٰ یا اعلیٰ ہو جیسے چاہے اللہ سفیر بنا کر بھیج دے اس شبہ ہی کو دور کرنے کے لئے آگے ایک لفظ بڑھایا ہے **إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ** کہ یہ نبی کریم رسول بھی ہے اور کرامت والا بھی ہے اسمیں بزرگی کی شان موجود اس واسطے کوئی وجہ نہیں کہ اس کے قول کا اعتبار نہ کیا جائے۔ اقل تو ہمارے رسول ہیں اور سے کریم النفس۔ وہ وصف ہو گئے جو راوی میں ہونے چاہئیں جب ہی اسکی روایت سچی ہو سکتی ہے پھر ممکن تھا کہ کوئی یوں کہے کہ ہم نے مان یا رسول ہیں اور کرامت والے بھی ہیں لیکن ہے بیچارہ کمزور اور کسی دباؤ والا جھٹ بات بدل دی۔ اگر ڈرپوک قسم کا آدمی ہو گا تو ذرا سی دھمکی میں ڈر جائے گا اور بات بدل دے گا وہ سچی نہیں کر سکتا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے ایک جملہ اور بڑھا دیا **ذی قوۃ** کہ وہ طاقت ور بھی ہے ڈرپوک نہیں کمزور نہیں، ایسا نہیں کہ دباؤ ڈال کر جس کا جو جی چاہے کہلوالے۔ وہ وہی سببہ اجوائی نے کہلا کر بھیجا ہے تو وہ رسول بھی ہے، کریم بھی ہے ذی قوۃ بھی ہے۔ اور طاقتور بھی ہے جیسے حدیث میں ہے کہ ایک

مرتبہ جبریل امین نے حضور کے سامنے اپنی طاقت کا ذکر کیا کہ اللہ نے مجھے اتنی طاقت دی ہے کہ جب اللہ نے قوم لوط کی بستیاں الٹنے کو کہا تو میں نے اپنے ایک ہاتھ پر ان کی ساری بستیاں رکھ کر آسمان کے قریب لپکا کر بیچ دیا۔ یہ طاقت ہے جبریل کی۔ ایک چنگھاڑ ماری اور ایک ڈانٹ دی تو قوم غود کے علیحدہ پھٹ گئے اور ایک آن میں ساری قوم ختم ہو گئی تو کیا ان کی آواز تھی؟ اور کیا ان کی طاقت تھی؟ اسٹس فرمایا کہ قول ہے رسول کا وہ کریم النفس بھی ہے۔ اور طاقتور بھی ہے لہذا یہ ممکن نہیں کہ دباؤ میں آکر بات بدل دے۔ وہ وہی کہے گا جو مالک نے کہلا کر بھیجا ہے مگر یہاں ممکن تھا کہ کوئی سوال کرے کہ صاحب مان لیا ہم نے کہ وہ رسول بھی ہے۔ کرامت والا بھی ہے اور طاقتور بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سننے میں غلطی ہو کیونکہ دور سے آواز آرہی تھی۔ معلوم نہیں کہ صحیح سُننا یا غلط سُننا۔ تو راوی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس وہ روایت کر رہا ہو اس سے اس کا سماع ثابت ہو۔ راوی مروی عنہ کے پاس ہو اگر آپنے ٹیلیفون پر کہلایا ریڈیو کے ذریعہ آواز دیدی۔ ایک مشرق میں ہے آواز دی ہے مغرب میں تو سننے میں غلطی کا امکان قوی ہے۔ کہ بات کچھ ہو اور سُننا کچھ اور ہو اسکی روایت میں شبہہ پر جاتا ہے اس لئے جبریل کی روایت کو کیسے مانیں گے اسٹس حق تعالیٰ شانہ نے ایک جملہ اور بڑھا دیا۔ کہ اِنَّهُ لَكَوْلٌ مَّا سُوِّلَ كَذِبُهُ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٌ کہ عرش والے کے پاس ہی ان کا مکان اور مقام ہے کہیں دور نہیں اس لئے جو حق تعالیٰ فرمائیے گے وہ وہی سنیں گے۔ اب جس راوی کا سماع بھی ثابت ہو اپنی ذات سے بزرگی بھی رکھتا ہو، کیر کر بھی اس کا ادب نہ ہو خدا کا بنایا ہوا قاصد بھی ہو طاقتور بھی ہو کہ دباؤ میں آکر بات بدل بھی نہیں سکتا پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسکی روایت نہ مانی جائے، کوئی وجہ نہیں کہ اس پر اعتماد نہ کیا جائے لیکن پھر بھی شبہہ کرنے والے تو ہر موقع پر شبہہ کر رہے گزرتے ہیں۔ کوئی کہے کہ صاحب یہ تو صحیح ہے کہ وہ رسول بھی ہیں۔ کریم النفس بھی ہیں طاقتور بھی ہیں اور اللہ کے مقرب بھی ہیں۔ مگر پوزیشن زیادہ بڑی نہیں ہے جیسے اور فرشتے ہیں وہ بھی ایک فرشتہ ہے اور بات مانی جاتی ہے پوزیشن کی

جب حیثیت بڑی ہوتی ہے تو بات بھی بڑی سمجھی جاتی ہے ایک جملہ میں کہوں تو معمولی بات سمجھی جائے گی اور وہی جملہ پریذیڈنٹ یا وزیراعظم کی زبان سے نکلے تو دنیا کی سیاست میں انقلاب آجاتا ہے شخصیت کی وجہ سے گواہی میں بڑائی گواہ سے پیدا ہوتی ہے۔ گواہ اگر اونچے درجے کا ہے تو گواہی ادنیٰ ہے اور اگر گواہ معمولی درجے کا ہے تو گواہی بھی معمولی درجے کی ہوگی۔ تو ہم نے مان لیا کہ جبریل میں ساری صفیتیں موجود ہیں جو ادھر بیان ہوئی ہیں۔ مگر کوئی عہدہ یا پوزیشن معلوم نہیں ہوئی جس سے انکی حیثیت کا پتہ چلے اس لئے حق تعالیٰ نے ایک جملہ اور بڑھا دیا کہ اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُطَاعٌ وَهٗ وَاجِبُ الْاِطَاعَةِ بھی ہیں اور سید الملائکہ ہیں ظاہر بات ہے کہ تمام ملائکہ کا جو افسر اعلیٰ ہوگا اور سب پر حکمران ہو جب وہ پیغام لے کر آئے گا تو شخصیت اور پوزیشن کتنی بڑی ہوگی پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسکی روایت کو غلط سمجھا جائے وہ خدا کی نسبت سے قاصد ہیں اور نبی کی ذات سے کریم النفس اور قوی ہیں انشاء کا قرب الگ حاصل ہے سننے میں بھی کوئی غلطی نہیں ہو سکتی ہے اور مطاع بھی ہیں یعنی ذات واجب الاطاعت ہیں۔ تمام ملائکہ انکی اطاعت کرتے ہیں سب سے پہلے وحی کو سنتے ہیں پھر ملائکہ میں اسکی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس کے بعد پھر وحی خداوندی نیچے اترتی ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قلوب پر وارد ہوتی ہے وہ بھی جبریل لیکر آتے ہیں تو بہر حال بیچ میں راوی ایسا ہے کہ اس میں کوئی کھٹکے کی بات نہیں جب اتنے اوصاف ان میں جمع ہیں جتنے ایک راوی کے اندر ہوتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ کوئی وجہ نہیں کہ روایت کے اندر شک و شبہ کیا جائے۔ کوئی وجہ نہیں کہ روایت نہ مانی جائے لیکن ان تمام اوصاف کے باوجود شبہ ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات بڑا آدمی بھی اپنے کسی جذبے کے تحت یا کسی وجہ سے امانت داری میں خلل ڈال سکے یا امانت میں فرق آجائے۔ بہر حال انسان ہو یا فرشتہ اگر معصوم نہ بنائے تو احتمال ہے کہ کوئی دخل و خلل ہو جائے اس واسطے ایک جملہ اور فرمایا کہ مطاع ثم امین وہ امانت دار بھی ہیں گویا امانت داری ان میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے۔ خیانت کا کوئی جذبہ ہی نہیں تو ظاہر بات ہے کہ جب کوئی ایسا راوی روایت

کرے کہ خدا کا قاصد بھی ہو، کریم النفس بھی ہو، طاقتور بھی ہو، سرش والے کے پاس مقیم بھی ہو اور واجب الاطاعت بھی ہو اور اوپر سے امانت دار بھی ہو تو کیا وجہ ہے کہ اسکی روایت کو نہ مناجائے تعصب کی وجہ سے کوئی نہ مانے لیکن عقل سے ممکن نہیں کہ انکار کرے عقل تو کہتی ہے کہ جب راوی اتنا اعلیٰ ہے تو مانا جائے۔ مطلب عرض کرنے کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے روایت کو جبراً نہیں منوایا کہ یہ کہہ یا ہو کہ چاہے سمجھ میں آوے یا نہ آوے۔ چاہے عقل مطمئن ہو یا نہ ہو۔ یہ آڈر سرکاری ہے، ماننا ہی پڑے گا۔ نہیں۔ بلکہ فرمایا کہ راوی کے اوصاف دیکھو کہ فن کے قواعد کے اعتبار سے وہ اس درجے کا ہے یا نہیں کہ اسکی روایت مانی جائے تو راویوں کے جتنے اوصاف محدثین نے لکھے ہیں اور عقل تجویز کر سکتی ہے ان سب اوصاف پر پرکھ کر حق تعالیٰ فرمایا کہ اب بتلاؤ کیوں روایت قبول نہیں کرتے۔ کیوں روگردا کرتے ہو۔

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف

خود ان کی ذات بابرکات پر اتر آ اور آپ کا لقب امین ہے حتیٰ کہ آپ کے دشمن بھی آپ کو امین کہتے تھے۔ دعویٰ نبوت سے قبل تمام عرب آپ کو امین کا خطاب دیتے ہوئے تھا۔ آپ کہیں تشریف لے جاتے تو لوگ کہتے تھے جاء محمد بن الامین امانت والے محمد آگئے کہ جن میں ذرہ برابر بھی خیانت کا شائبہ نہیں ہے تو دشمن بھی جسکی امانت کو مانتے ہوں اس سے زیادہ امین ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ وَالْفَخْلُ مَا شَهِدَ بِهِ الْأَعْدَاءُ فَضِيلَتَهُ تَوَدُّهُ ہے جسکی دشمن بھی گواہی دیں کہ واقعی اس کے اندر وہ کمال موجود ہے تو حضور کی ذات سرچشمہ امانت ہے اور جبریل کا لقب بھی امین ہے یہ لقب جبریل کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور اللہ کے منانوں میں ایک نام امین بھی ہے تو امین سے روایت چلی، امین کے ذریعہ آئی اور امین کے اوپر اتاری اور روایت خود امانت ہے۔ تو نیچے سے اوپر تک ساری روایت کو گھیر رکھا ہے امانت نے، جس میں خیال کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا ہے اور رد و بدل کا امکان بھی نہیں تو پھر نہ ماننے کی کیا وجہ ہے

قرآن کی سند کو حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اصول و قواعد پر پرکھ کر مانو۔ زبردستی قرآن کو نہیں منوایا۔ جب کوئی کمی نہیں ہے تو اب تمہارا فرض ہے کہ اس کو مانو اگر نہیں مانو گے تو یہ ہٹ دھرمی ہوگی۔ اسکی آیت کو سمجھو بصیرت سے غور کرو اس کے ادنیٰ بیج کو سمجھو صحابہ کی شان فرمائی گئی ہے اِذَا ذُكِرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَعَيْنًا

جب اللہ کی آیت ان کے سامنے پڑھی جاتی تھیں وہ اندھے اور بہرے کی طرح سے نہیں گرتے تھے سمجھو سمجھ کر شنو اور مینا ہو کر اور بصیرت کے ساتھ قبول کرتے تھے۔ اس سے عقلیں بھی تسکین پاتی تھیں اور دل بھی تسکین پاتے تھے جس کو قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا گیا۔ مقولہ وہ حضور کا ہے مگر اس کو نقل کیا حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم کے اندر کہ عَلٰی بَصِيْرَةٍ اَنَّا دَعَيْنَا تَبَعَيْنِيْ وَتُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمَشْرِكِيْنَ میں اور میرے ماننے والے بصیرت پر ہیں یہ نہیں کہ کوئی رسمی بات میں نے کہدی اور انہوں نے رسم بنالی۔ نہیں۔ بلکہ حقیقت کو سمجھ کر تسلیم کیا اور قبول کیا۔ تو اسلام کوئی رسمی مذہب نہیں کہ چند رسوم کے مجموعہ سے کہدیا جائے کہ اب ہو گیا مسلمان وہ تو حقائق کا مذہب ہے قلوب انہیں سمجھیں دماغ اور عقلیں قبول کریں۔ وہ دین فطرت ہے عقل بھی انکار نہیں کر سکتی دماغ اور قلوب بھی انکار نہیں کر سکتا اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں اور میرے ماننے والے بصیرت پر ہیں۔ شنو اور مینا ہو کر سمجھتے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں احکام بیان کئے گئے ہیں وہاں احکام کے ضمن میں حکمتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ ہر حکم کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہے اور حکمت کسی نہ کسی علت پر مبنی ہے اور ہر علت کسی نہ کسی مصلحت پر مبنی ہے تو ایک سلسلہ ہے احکام کا۔ محض یہی نہیں فرمایا کہ اقموا الصلوٰۃ نماز پڑھو۔ بلکہ نماز کے فوائد، اوپر کی معنوی حقیقتیں، ظاہر ہونے والے برکات و فوائد سب کی تفصیل بھی کی گئی ہے کہ یہ فائدہ ہوگا۔ فلاں جگہ سے نماز چلی، فلاں سرچشمہ سے نماز چلی یہ اسپر ثمرات مرتب ہوں گے، تو ہر حکم کے نیچے کوئی نہ کوئی حکمت اور ہر حکمت کے نیچے کوئی نہ کوئی علت ہے جس پر وہ حکم دار ہے۔ اسی علت کو سامنے رکھ کر مجتہدین اجتہاد کرتے ہیں اور حق تعالیٰ نے اس امت میں اجتہاد کا درجہ رکھا ہے کہ حکم کے جب علت معلوم ہو جائے جب سر وہ مبنی ہے

تو جہاں جہاں یہ علت پائی جائے گی حکم منتقل ہونا چلا جائے گا۔ چنانچہ قیاس کے ذریعہ سے ہزاروں چیزوں کے احکام معلوم ہو جاتے ہیں۔ جب علت جامعہ اور مشترک علت کا پتہ چل گیا تو احکامات کا علم ہو گیا اور علت جامعہ کا پتہ بہر حال اجتہاد سے عقل سے اور بصیرت سے ہی چلے گا۔ اس لئے اسلام نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ ہر حکم کو بصیرت کے ساتھ سمجھو۔ تعلیم و تعلم کے ذریعہ، مشائخ کی صحبت اور رعیت کی برکات کے ذریعہ کسی حکمت تک پہنچو، اور اس نور منوی کو حاصل کرو، جس کے ذریعہ سے تم احکام کی اونچ نیچ کو سمجھ سکو، تو حق تعالیٰ نے ہر حکم میں یہی طریقہ رکھا ہے کہ بصیرت سے سمجھو۔ اس لئے روایت کو سمجھانے میں فنی اصول کو استعمال فرمایا ہے کہ جبریل کی روایت کو بھی محض اس لئے نہ مانو کہ فرشتہ ہے بلکہ اس لئے مانو کہ رسول بھی ہے، اکرم بھی ہے ذی قوۃ بھی ہے عرش والے کے پاس مقیم ہے سماج بھی اس کا ثابت ہے۔ اور ساتھ میں امانت دار بھی ہے تو جب ظاہری اور باطنی تمام اوصاف موجود ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی روایت قبول نہ کی جائے۔

کلام خدا و کلام رسول کی حفاظت کی ذمہ داری

روایت ہے رسول سے لیکر حق تعالیٰ تک، اور ایک روایت ہے رسول سے لیکر ہم تک اور آپ تک، تو اوپر کی روایت میں تو ایک ہی واسطہ ہے اور نیچے کی روایت میں درمیان میں واسطے زیادہ ہیں۔ مگر ان کے اوصاف اور کردار مضبوط کر لئے گئے ہیں کہ جسک ہم نے سیکھا اس کا یہ خاندان تھا۔ یہ اسکی عادتیں تھیں، یہ اس کے خصائل تھے، کلام خداوندی تو بجائے خود ہے اس امت نے کلام رسول کی وہ حفاظت کی ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اسکی نظیر پیش نہیں کر سکتی ایک چھوٹا سا حدیث کا جملہ بھی اگر ہے تو اسکی سند اوپر تک موجود ہے کہ حدیثا فلاں قال حدیثا فلاں کہ مجھ سے یہ حدیث فلاں نے بیان کی اس سے فلاں نے بیان کی اس سے فلاں نے بیان کی یہاں تک کہ سلسلہ پہنچ گیا نبی کریم تک، اس طرح ایک ایک جملہ ہم تک پہنچا ہے کلام خداوندی کے بارے میں تو حق تعالیٰ نے ہی فرمایا تھا کہ اِنَّا غَنِّیْ نَزَّلْنَا السِّبْرَ وَ اِنَّا لَآ لَٰحٰظُوْنَ، کہ ہم نے ذکر اتارا ہے اور ہم اسکی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ لیکن حدیث

بھی درحقیقت اللہ ہی کی حفاظت میں چلی آرہی ہے جب وحی قرآنی اترتی تو حضور کی عادت
 کریمہ یہ تھی کہ آپ جلدی جلدی پڑھنا اور رٹنا شروع کر دیتے تھے تاکہ ذہن سے نہ نکل جائے،
 اور یاد ہو جائے اور وحی اتر رہی ہے اور ساتھ ہی ساتھ آپ رٹ بھی رہے ہیں۔ حق تعالیٰ
 نے فرمایا لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُحْجِلَ فِيهِ اَمْرًا نَبِيًّا؛ جب وحی آئے تو زبان کو
 حرکت مت دو۔ آپ جلدی مت کریں۔ آپ اسی لئے تورٹ رہے ہیں کہ کہیں بھول نہ
 جاویں، اسکی ذمہ داری لی کہ "اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهُ" یہ ہمارے ذمہ ہے کہ آپ کے
 سینے میں جمع بھی کر دیں اور پڑھوا بھی دیں۔ آپ کی زبان سے۔ آپ اسکی فکر نہ کریں۔
 فَاذْكُرْ اَنَّهُ قَدْ اَتَىٰكَ جَمْعُ قُرْاٰنِهِ جَبَّ هِمُّ قُرْاٰتِكُمْ لِيَاكُرْسِيَةً رُتْنِ
 کی کوشش نہ کریں۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُقَضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهُ،
 آپ جلدی نہ کریں جب تک کہ وحی پوری نہ ہو جائے۔ آپ زبان سے بھی ادا نہ کریں بھولنے
 کی فکر نہ کریں ہم ذمہ دار ہیں آپ بھول نہیں سکتے ہم آپ کے سینے میں بھی جمع کر دیں گے
 اور پڑھوا بھی دیں گے آپ کی زبان سے۔ یہاں تک ہوا قرآن کا بیان کہ قرآن کی حفاظت
 ہمارے ذمہ ہے ہم نے ہی اس کو اپنے رسول پر اتارا ہے، اب آگے فرماتے ہیں کہ آیت
 قرآنیہ کی تفسیر کیا ہے مراد اسکی کیا ہے اس کو بیان کریں گے اللہ کے رسول اسی کا نام حدیث
 تو حدیث گو یا سب سے پہلی تفسیر

کلام رسول خداوندی کا بیان ہے | ہے قرآن کی جو چیز اس کے

اندراگتی ہے اس کے بعد پھر کسی کی تفسیر مقبول نہیں اسی لئے حدیث کو قرآن کا بیان کہا گیا ہے
 کیونکہ کلام رسول نے ہی قرآن کی وضاحت کی ہے اور کھولا ہے جگہ قرآن میں فرمایا بھی گیا ہے اَوَلَمْ نَذَرْ
 اِلَيْكَ الْكِتَابَ الَّذِي يَتْلُوْنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔
 ہم نے یہ ذکر آپ پر اتارا تاکہ آپ کھول کھول کر بیان کر دیں کہ اسکی مراد یہ ہے اور اس کا مطلب
 یہ ہے، پھر جب بیان سے مراد خداوندی واضح ہو جائے تو اسے سمجھو مگر مراد کو بس اپنی عقل
 سے مت سمجھو۔ بلکہ وحی سے سمجھو جو رسول فرمادیں کہ یہ مطلب ہے تو مان لو۔ جب مراد متعین
 ہو جائے پھر اس میں جتنا تدبیر کرو گے علوم کھتے چلے جائیں گے اور وہ علوم تابع ہوں گے

مراد خداوندی کے اور اگر مراد ہی کا پتہ نہیں تو جتنا غور و فکر کریں گے وہ تخیلات نفسانی ہوں گے اس کا تفسیر سے کوئی تعلق نہیں وہ خیالات و ادہام پر اگندہ ہیں تو حقیقی معنی میں نتائج وہ ہوں گے جو مراد کے تابع ہوں۔ اس لئے لُبِّیْنِ لِلْمَیْسِ تُو رکھا پہلے کہ ہم نے ذکر اتارنا کہ آپ بیان کر دیں اور دوسرا لفظ وَلَعَلَّہُ یَتَفَكَّرُوْنَ بیان کے بعد اب مراد متعین ہو گئی، غور و فکر کریں تدبیر کریں علوم نکالیں، لطائف نکالیں۔ اور وہ لطائف فرائی قیامت تک ختم نہیں ہوں گے، جن کا وعدہ دیا گیا ہے کہ لا تنقضی عجاہبہ کہ قیامت آجائے گی مگر قرآن کے عجائبات ختم نہ ہوں گے۔ لطیف پر لطیف علوم پر علوم نکلتے رہیں گے۔

پھر صہ پس راست اندر معنی 'معنی در معنی در معنی'
چھوٹا سایہ ایک حکم ہے۔ اس کے اندر غور کرو گے ایک اور علم نکلے گا۔ پھر اسمیں غور کرو گے تو اسمیں سے بھی ایک اور علم نکلے گا، پھر اسمیں تدبیر کرو گے اس کے نیچے ایک اور علم نکلے گا۔ غرض علوم کا ایک سمندر ہے جتنا اسمیں ادراک و قوت ہے غوطہ لگاتا جائے اس سمندر میں سے جواہرات نکالتا جائے۔ لہذا قیامت تک عجائبات ختم نہیں ہوں گے مگر وہ عجائبات وہی معتبر ہیں جو مراد خداوندی کے تابع ہوں۔ اگر مراد کو آپ عقل سے متعین کرنے لگیں تو عقل کا کام یہ نہیں کہ اللہ کے اندر کی چیز کو معلوم کرے عقل تو محسوسات کو معلوم کرے گی اور اللہ کی ذات بابرکات تو دور اراک و اوار ہے میں کہتا ہوں کہ حقیقی بھائی ہیں۔ ایک ماں کے پیٹ میں دونوں نے پاؤں پھیلا دیئے ہیں۔ وہ دونوں سینے سے سینہ ملا کر بیٹھ جائیں ایک کے دل کی بات دوسرے کے دل میں نہیں جائے گی جب تک وہ خود زبان سے نہ بیان کر دے خواہ وہ دونوں ملکر بیٹھیں اور دونوں ایک ماں کے پوت ہیں مگر ایک کے ضمیر کی بات دوسرے کی ضمیر میں منتقل نہیں ہوگی جب تک خود نہ کہے۔ کہ میرا مطلب یہ ہے تو جب یہ بات ہے کہ ایک ہی نوع اور ایک ہی جنس اور ایک ماں کے دو پوت بغیر بیان کے ان کے دل کی بات نہ کھلی تو اللہ کے لہجہ میں جو کمالات موجود ہیں کون بندہ ہے جو ان کمالات کو اپنے دل میں محض اپنی عقل سے اخذ کر لے جب تک کہ وہ خود نہ جھلائے کہ یہ ہے میری مراد تو حق تعالیٰ شانہ نے جیسے قرآن میں وہ الفاظ نازل فرماتے

معنی بھی نازل فرمائے۔ نبی کریمؐ نے کبھی ایسا نہیں فرمایا کہ آیت نازل ہوئی ہو اور آپؐ غور کر رہے ہوں کہ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے اور زمانے کے مطابق یہ بھی ہو سکتا ہے لہذا بس یہ تفسیر ہو گئی یہ نہیں بلکہ جن معانی کے اندر تعدد ہوتا تھا اور الفاظ کے کسی کسی معانی ہوتے تھے تو آپؐ وحی کا انتظار فرماتے تھے کہ یہاں پر حق تعالیٰ کی مراد کیا ہے۔ خود غور نہیں فرماتے تھے حالانکہ آپؐ سید العالمین ہیں۔ نبی کی عقل سے بڑھ کر کس کی عقل ہو سکتی ہے؟ پوری امت کی عقلیں ایک پلڑے میں رکھ دی جاویں اور تنہا نبی کی عقل ایک پلڑے میں تو دہی پڑا جھکا رہے گا جس میں نبی کی عقل ہوگی تو آپؐ جیسے افضل الخلائ ہیں ایسے آپؐ عقل الخلائ بھی ہیں کہ سب زیادہ عقل کا مل حضورؐ کو عطا کر گئی لیکن اس کمال عقلی پر بھی کبھی آپؐ نے مراد خداوندی کو متعین کرنے میں عقل کو استعمال نہیں فرمایا۔ بلکہ انتظار کیا کہ حق تعالیٰ خود کیا فرماتے ہیں کہ میرا مطلب یہ ہے۔ تو اللہ کے کلام کے اندر جو چیز ہے وہ تو اس کے بیان کرنے سے آئے گی۔ جو مطلب آپؐ پر واضح ہوا وہ آپؐ نے بیان فرمادیا وہی حدیث ہے۔ تو حدیث درحقیقت بیان ہے قرآن کا اس لئے جیسے قرآن کے حفاظت کی ذمہ داری حق تعالیٰ نے لی ہے اور فرمایا کہ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ آپؐ کے سینے میں جمع کرنا اور اس کو پڑھوا بھی دینا ہم پر لازم ہے۔ چونکہ پڑھنے کا تعلق الفاظ سے ہی ہوتا ہے اور معنی پڑھے نہیں۔ بلکہ سمجھے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ الفاظ کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اس سلسلے میں آگے فرمایا اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ پھر یہ بھی ہمارے ذمے ہے کہ اس کے مطالب و مراد کو کھول کھول کر بیان کر دیں تو اسلئے مراد کے واضح ہونے میں اللہ ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا کہ آپؐ اس لفظ کا کیا مطلب ہے وہ اسکی مراد کو اپنے رسولؐ پر کھول دیں گے وہ پھر امت کے سامنے بیان کریں گے تو جیسے الفاظ خدا کی طرف سے آتے ہیں ایسے ہی معانی و مطالب و مراد کی حفاظت کی ذمہ داری بھی آگئی ہے اور وہ حدیث ہے۔ تو حدیث درحقیقت بیان قرآنی ہے اگر حدیث کو الگ کر دیا جائے قرآن اور پھر مراد کو متعین کر دیا جائے تو وہ اختراعی اور عقلی مراد ہوگی۔ مراد خداوندی ہرگز نہ ہوگی۔ تو بہر حال حدیث سے کٹ کر قرآنی لفظ رہ جائیں گے مگر معانی باقی نہیں رہیں گے۔ وہ حدیث

اور سنت ہی سے متعین ہوتے ہیں، کیونکہ قرآن کے جملے تو جامع ہیں وہ تو دستوراً ساسی ہے کئی کئی معنی میں عبارت ڈھل سکتی ہے۔ رہی بات یہ کہ کون سے معنی مراد خداوندی ہے وہ سنت متعین کرے گی۔

حضرت علیؓ کی جانب سے ابن عباسؓ کو استدلال بالقرآن کی ممانعت

چنانچہ حضرت علیؓ نے جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خوارج سے مناظرہ کرنے کے لئے بھیجا تو کہا کہ ان سے جا کر بحث و مباحثہ کرو اور ان کو راہ راست پر لاؤ۔ روانگی کے وقت ایک وصیت فرمائی۔ فرمایا دیکھو خوارج کے سامنے قرآن سے کوئی دلیل پیش نہ کرو۔ دلیل سنت اور حدیث سے پیش کرو۔ تو ابن عباسؓ کو حیرت ہوئی اور عرض کیا کہ امیر المؤمنین قرآن کریم تو میرا مضمون ہے مجھے اللہ کے رسول نے خاص دعا فرمائی ہے اس کے بارے میں اللہمَّ عَلَيْنَا الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اے اللہ ابن عباسؓ کو کتاب اللہ کا علم اور حکمت عطا فرما۔ تو اس کا علم تو خصوصی طور پر حق تعالیٰ نے مجھے دیا ہے اور اسی سے آپ مجھے روک رہے ہیں کہ میں اس سے دلیل نہ پکڑوں حجت قائم نہ کروں، حدیث اور سنت سے دلیل قائم کروں۔ اسکی کیا وجہ ہے۔ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ القرآن ذود جواہر یعنی قرآن کی ایک ایک آیت اتنی بلیغ ہے کہ کئی کئی معنی ڈھل سکتی ہے۔ تم اگر قرآن سے اپنا مطلب ثابت کرنا چاہو گے تو فریق مخالف اسی آیت کا دوسرا پہلو لے کر اپنا مطلب نکالے گا۔ عوام کہیں گے کہ یہ بھی قرآن پڑھ رہے ہیں اور یہ بھی قرآن پڑھ رہے ہیں دونوں ہی حق ہیں تو حق اور باطل میں امتیاز نہ ہوگا۔ لیکن جب کلام رسول اور فعل رسول سے دلیل پیش کرو گے تو اس میں دوسرے احتمال کی گنجائش نہیں اسلئے مراد ہو جائے گی متعین اس سے انکار کرنا ممکن نہیں ہوگا لہذا قرآن سے استدلال نہ کرنا حدیث سے کرنا۔

منکر بین حدیث کا انجام اور حدیث کا مقام | حدیث کو دراصل ایک
یہ لڑکی سی حیثیت

حاصل ہے کہ آدمی قرآن کے اندر اپنے عقلی گھوڑے کتنے ہی دوڑائے۔ حدیث کی موجودگی میں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ حدیث متن قرآن کے معنی متعین کرتی ہے اور مراد ربانی بتلاتی ہے۔ اس لئے عقل زدہ لوگوں کے تیر کے ہرگز کارآمد نہیں ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ قرآن سے اپنی من مانی مرویوں نکالنے کی سعی کرتے ہیں۔ وہ

حدیث کا انکار پہلے ہی کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے مقاصد حدیث کے سامنے کبھی پورے نہیں ہو سکتے۔ ان کا ذہن یہ ہے کہ حدیث سے انکار کر دو۔ اور بس آزادی مل جائے گی۔ جو مطلب چاہیں گے نکال لیں گے۔ اور منکرین حدیث کا طبقہ مختلف اوقات میں مختلف شکلوں

میں نمودار ہوا۔ ابتدا میں عین حدیث کی صورت میں ظاہر ہوا۔ کہ حدیث گھر گھر آکر ان کو روایتوں میں لانا شروع کیا تاکہ اصلی اور نقلی اور جعلی چیزیں خلط ملط ہوں گی تو اصل کا یہی اعتبار نہ ہوگا مگر انشاء جزائے خیر دسے محدثین کو۔ انہوں نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر کے دکھلادیا۔ ایسے اصول بنا دیئے جن سے واضح ہو کہ یہ کلام رسول ہے۔ فن اسماء الرجال بنویا،

فن مصطلحات الحدیث بنادیا جو کوئی اور معیار ہے کہ یہ حدیث رسول ہے اور یہ حدیث نفس ہے اس سلسلے میں مستقل کتابیں لکھی گئیں چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی نے اللالی المصنوعہ لکھی

یعنی مصنوعہ قسم کے موتی ہیں۔ آب و تاب انکی اچھی ہے مگر حقیقت میں وہ کانچ کے ٹکڑے ہیں۔ تو اصلی حدیث اور نقلی حدیث میں یہ فرق ہے۔ روایت و درایت میں جو کچھ شبہ ہو سکتا تھا محدثین نے حقیقت بیانی سے کام لیا اور دھما مین کی پول کھول کر رکھ دی، آج حدیث کی

وضع کرنے والوں کا کہیں پتہ بھی نہیں ہے اور حدیثیں اسی طرح جگمگا رہی ہیں اور انشاء اللہ

قیامت تک جگمگاتی رہیں گی۔ مدارس میں اسکی تعلیم جاری ہے ختم پر اجتماعات ہوتے ہیں

اور بڑی شان و شوکت سے یہ جلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ بعض لوگوں نے حدیث کی انکار کی

دوسری شکل اختیار کی کہ الفاظ تو حدیث کے باقی رکھے۔ ان کے انکار کی جرأت تو ہوئی نہیں

مگر معافی کے اندر رد و بدل شروع کر دی کہ یہ معنی نہیں ہیں یہ مطلب ہے۔ اور یہ

اس کا مطلب نہیں ہے بلکہ یہ ہے۔ اور کہیں اتنے مطالب بیان کر دیتے کہ جو اصل مطلب

نقاہت اس میں غلو ہو کر رہ گیا۔ اور لوگوں کو حق و باطل سمجھنا دشوار ہو گیا۔ اسپر شکر یہ

مستحق ہیں فقہاء اربعین کہ انہوں نے قواعد عربیت اور قواعد شرعیہ ایسے منضبط کئے کہ مراد اور غیر مراد کے اندر امتیاز ہو جائے کسوٹی ہاتھ میں دیدی کہ اسپر پر کھ کر معلوم کر لو کہ حدیث کا یہ مطلب غلط ہے اور یہ صحیح ہے۔ قواعد عربیت کے لحاظ سے اور قواعد شرعیہ کی رو سے یہ مطلب صحیح بنتا ہے اور یہ مطلب نہیں بنتا۔ تو الفاظ کے بارے میں محدثین کی سنی مشکور ہوتی اور معانی کے بارے میں فقہاء و اصولیوں کی سنی مشکور ہوتی۔

غرض روایت و روایت دونوں لحاظ سے مسلمانوں کے ہاتھ میں ترازو رکھ دی کہ وہ بہک نہ جاویں۔ اب یہ خود ہی معلوم نہ کرنا چاہیں اور جہالت میں مبتلا رہنا چاہیں اور کسی مدرسہ میں نہ پڑھیں یا کسی عالم سے نہ پوچھیں یہ سب ان ہی کا قصور ہے۔ اللہ نے تو ساری چیزیں عطا فرمادی ہیں اور سارے راستے ہموار بھی کر دیئے ہیں اب بھی اگر کسی کو سمجھ میں نہ آئے تو وہ جانے، جبکہ الفاظ محفوظ، معانی محفوظ، مرادات خداوندی محفوظ اور حدیث محفوظ

قرآن کے اندر جیسے الفاظ و معانی ہیں تیسری چیز لب و لہجہ بھی ہے۔ یعنی بعضہ مطالب لب و لہجہ سے متعلق ہیں،

کلام کی بہت سی خصوصیات ہیں کہ لب و لہجہ بدلنے سے وہ بدل جاتی ہیں۔ جیسے کسی لفظ کو متکلم نے ادا کیا۔ اگر ایسے ہی ادا کریں گے تبھی وہ مطلب ادا ہوگا جو متکلم کی مراد ہے مثال کے طور پر میں کہتا ہوں کہ ہماری اردو زبان کا ایک جملہ ہے کیا بات ہے۔ آپ لوگ اس جملہ کو ہر روز استعمال کرتے ہو اس کے بہت سے معنی آتے ہیں لب و لہجہ بدلنے سے معانی بدل جاتے ہیں اگر اسے یوں کہو کہ بھائی کیا بات ہے۔ استفہامیہ، تو سب کہیں گے کہ سوال کر رہا ہے کہ کیا واقعہ پیش آیا اور اگر میں یوں کہوں کہ کیا بات ہے۔ تعظیم کے لئے، اب اس جملے سے آپ بالکل نہیں سمجھیں گے کہ میں سوال کر رہا ہوں بلکہ سمجھ گئے ہوں گے کہ اس کسی شے کی بڑائی بیان کر رہا ہوں اب اگر لب و لہجہ بدل کر یوں کہوں کہ کیا بات ہے۔ تحقیر کے لئے، تو آپ سمجھیں گے کہ میں کسی چیز کی حقارت بیان کر رہا ہوں۔ اور اگر لب و لہجہ بدل کر یوں کہوں کہ کیا بات ہے۔ تعجب کے لئے، آپ اس پر سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کسی شے پر تعجب کا اظہار کر رہا ہوں۔ تو جملہ ایک ہی ہے محض لب

دلہجہ بدلنے سے استفہام ہو گیا تفہیم شان ہو گئی۔ تحقیر شان ہو گئی، تعجب ہو گیا۔ سارے معافی اس ایک جملے سے نکل رہے ہیں۔ اور لب و لہجہ بدلنے سے معافی بدل جاتے ہیں۔ مان لیجئے اگر یہ جملہ آپ کو خط میں لکھ کر بھیج دوں اور اسکی ادائیگی کا لب و لہجہ آپ کے سامنے نہ ہو تو پھر آپ اس کا مطلب کیا سمجھیں گے؟ اسوقت آپ جو مطلب متعین کریں گے وہ ہو گا جو آپ کے ذہن میں آئے گا۔ جو کیفیت آپ پر غالب ہو گی، وہ اس کا مطلب نکال لے گی اس سے متکلم کی مراد ظاہر نہیں ہو گی اور یہ ایک دھوکہ اور تلبیس ہو گی کہ الفاظ تو پیش کریں گے متکلم کے اور معنی داخل کریں گے اسمیں اپنے اور دھوکہ دیں گے کہ متکلم نے یہ کہا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ کو یہ ہے کہ متکلم نہیں کہہ رہا ہے اسلئے حق تعالیٰ شانہ نے فقط قرآن ہی نازل نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ اپنے رسول کو بھیجا کہ لوگوں کو طرز ادا سمجھا دیں کہ یہ مطلب نہیں بلکہ یہ مطلب ہے ورنہ یہ مشکل تھا کہ قرآن کریم لاکر بیت اللہ کی چھت پر رکھ دیا جاتا اور حضرت جبریلؑ آواز لگا دیتے کہ اے لوگو! تم سب روحانی بیمار ہو۔ یہ نسخہ شفا ہے۔ اسے لے لجاؤ۔ اپنا اپنا علاج کر لیا کہ وہ نہیں کیا بلکہ قرآن بھیجا اور ساتھ میں رسول بھیجا تاکہ وہ پڑھ کر سناتے اور لب و لہجہ بتلا لیں اور عمل کر کے دکھلائیں تاکہ مراد متعین ہو جلتے۔ اور غیر مراد کا دخل نہ رہے۔ ٹھیک سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے کہا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر نبی کریمؐ تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ قانون تو نازل کر دیا گیا ہو اور شخصیت کوئی نہ آئی ہو یا عرض شخصیت بھیج دی گئی قانون کوئی نہ آیا ہو۔ اگر آدمؑ آئے تو دست پا رہے صحف آدمؑ کے بھی اترے یا عرض سپارے ہی نہیں بھیج دیئے گئے۔ بلکہ ساتھ میں حضرت آدمؑ کو بھی بھیجا گیا۔ حضرت موسیٰؑ آئے تو تورات بھی آئی، اور توراۃ آئی تو موسیٰؑ بھی آئے۔ انجیل آئی تو حضرت عیسیٰؑ بھیجے گئے زبور آئی تو حضرت داؤدؑ کو بھیجا گیا۔ قرآن آیا۔ تو نبی کریمؐ تشریف لائے تو کوئی دور ایسا نہیں کہ عرض قانون اتار دیا گیا ہو مگر شخصیت نہ آئی ہو۔ اسلئے کہ اگر عرض قانون اترتا اسمیں لوگ عقلیں لٹا اتے اور اپنی عقلوں سے مرادیں متعین کرتے اور وہ اللہ کی مراد نہ ہوتی۔ اس پر دین اور غیر دین مخلوط ہو کر رہ جاتا

مشتبہ بن جانا اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے ہر قانون کے ساتھ ایک شخصیت نازل فرمائی کہ وہ اس کو دکھلائے چلائے، سنائے، قرآن کریم کے اندر حضور کے چار فریضے ذکر کئے گئے ہیں۔

هُوَ الَّذِي يَخْتِ فِي الْأَمْتِينَ رَاسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ رَسُوْلًا كُوْهُمُ نَے چار باتیں دے کر بھیجا۔ سب سے پہلی یہ کہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرو۔ یعنی حق تعالیٰ نے جو الفاظ آپ کے قلب مبارک پر نازل فرمائے ان کو امانت داری کے ساتھ اہمیت تک پہنچا دے کہ یہ قانون کی تعمیر ہے۔ چونکہ میں نے عرض کیا کہ تعمیر بدل جاتی ہے تو معانی بدل جاتے ہیں۔ حقیقت بدل جاتی ہے۔ اس لئے تعمیر ان کی اتنی صاف ہونی چاہیے کہ ذرا بھی گنجلک باقی نہ رہے۔ پہلا فریضہ جب پورا ہو گیا اور الفاظ کی صحیح تلاوت آپ نے فرمائی تو اب دوسری چیز رہ گئی معانی۔ اس کی طرف اشارہ کیا وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ کہ تعلیم کر و کتاب کی اس سے مراد خداوندی کی ہی طرف اشارہ ہے۔ تیسرا جملہ فرمایا کہ تعلیم حکمت کی۔ حکمت کے معنی یہاں منطق اور فلسفہ کے نہیں ہیں۔ بلکہ حکمت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک حکمت نظری اور ایک حکمت عملی۔ حکمت نظری تو تعلیم کے اندر آگئی کہ یہ مراد ہے علمی طور پر سمجھ میں آگئی۔ اب باقی رہ گئی حکمت عملی تو بنی کام یہ ہے کہ وہ حکمت کا کام کر کے بھی دکھلائے جس کے کرنے کو کہا ہے اب ظاہر بات ہے کہ مراد کے سمجھنے میں اور متعین ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا اس لئے کہ نبی نے الفاظ بھی سننا دیئے اور معانی بھی سمجھا دیئے، کر کے نمونہ بھی دکھلا دیا۔ اب اس میں گنجائش کیلئے احتمال باطل کا کیسے پیدا ہو بھی وجہ ہے کہ رسول نے آپ کو آرڈر ہی نہیں دیا کہ صلوٰۃ کو گو انماز پڑھ لیا کرو۔ نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ صَلُّوا كَمَا مَأْتِيْتُمُوْا اَصْلٰی نماز پڑھو جس طرح سے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو وہی نمونہ اختیار کرو۔ تب نماز بنے گی تم نے اپنے نمونے سے من گھڑت کوئی نماز اختیار کی وہ خدا کے یہاں مقبول نہیں ہوگی۔ بلکہ اپنے ہر علم کا عملی نمونہ پیش کر کے بنادیا کہ یہ کام ایسے ہوگا اگر جب د کا حکم دیا تو جہاد کر کے بھی دکھلایا کہ بطریقہ بے جنگ کرنے کا۔ صلح کرنے کا حکم دیا تو صلح کر کے بھی دکھلائی کہ یہ شرائط ہوتے ہیں صلح کے۔ معاہدے کئے تو وہ قول ہی سے نہیں بتلایا بلکہ حکومتوں سے معاہدے بھی کئے تو ہر چیز کا نمونہ عملی پیش کر دیا۔ جیسے قرآن جامع ہے تمام علوم کا اور اس کو فرمایا یٰٰنَا یَحْیٰی سُبْحٰی ہر دعویٰ مع دلیل کے اس میں موجود ہے اسی طرح عمل کے بارے میں فرمایا کہ لَقَدْ كُنَّا كُفُوًا

۱۔ سُورَةُ اللّٰهِ اُسُوَّةٌ حَسَنَةٌ۔ عمل کے نمونے اللہ کے رسول کی ذات میں رکھ دیئے گئے ہیں تو قرآن جامع علوم ہے اور حضور کی ذات جامع اعمال ہے۔ جو قرآن کہتا ہے وہ حضور کر کے دکھلاتے ہیں اور جو حضور کر کے دکھلاتے ہیں وہی قرآن کہتا ہے تو علم و عمل میں کامل مطابقت ہے نہ ذرہ برابر آپ کا قرآن کے خلاف ہے اور نہ ذرہ برابر کوئی آیت آپ کے عمل کے خلاف ہے تو میں بعض دفعہ کہہ دیا کرتا ہوں کہ اللہ نے دنیا میں دو قرآن نازل کئے ہیں ایک علمی قرآن جو کاغذات میں محفوظ ہے اور عملی قرآن جو ذات بابرکات ہے نبی کریم صلی اللہ وسلم کی قرآن کہتا ہے تو آپ عمل کر کے دکھلاتے ہیں جو آپ عمل کرتے ہیں قرآن اس کا مؤید ہوتا ہے۔ تو ایک علمی قرآن ہے اور ایک عملی قرآن ہے اول آپ نے لفظ پڑھے پھر معانی بتلا دیئے پھر عمل کر کے دکھلا دیا اس کے بعد میں ایک چوتھا فریضہ اور ذکر کیا گیا ہے کہ وَیُزَكِّیْهِمْ یَعْنٰی اِن كے قلوب کا تزکیہ بھی کریں۔ ذہن سازی آپ کا کام ہے کہ ان کا ذہن بھی وہی بنائیں جو اللہ کے یہاں مطلوب ہے ذہن کے اور کچھ نہ رہے نہ ریغ نہ رہے۔ استقامت پیدا ہو جائے تشبیہ رہے پر ذہن اُجائے کہ اللہ کی آیتیں پڑھی جائیں تو ٹھیک وہی مطلب سمجھیں جو اللہ کی مراد ہو۔ اسی میں کج روی نہ ہو چنانچہ صحابہ کے قلوب کو مجاہدات اور ریاضتوں کے ذریعہ اور تہجد و ذکر اللہ اور جہاد کے ذریعہ ایسا اللہ کی طرف مائل کر دیا کہ وہی صحابہ جن کے قلوب زمین کی طرف تھے ان کا رخ بدل کر عرش کی طرف کر دیا اسی بنا پر وہ ٹھیک وہی چیز سمجھتے تھے جو حق تعالیٰ کے یہاں سے نازل ہوتی تھی جہاں سنا کہ اللہ نے اور اللہ کے رسول نے یہ فرمایا بس ان کے ذہنوں نے قبول کر لیا۔ ذہن سازی بھی اللہ کے رسول کا ہی کام ہے کیونکہ اگر قلب کا رخ سیدھا ہے تو ہر چیز کا سیدھا ہی مطلب سمجھے گا اور اگر قلب کا رخ الٹا ہے تو ہر چیز کا مطلب الٹا ہی نکالنے کی کوشش کرے گا۔ اگر کسی آدمی کے ذہن میں خدا خواستہ نصرانیت رائج ہوگئی تو۔ اس کو ہر آیت سے نصرانیت ہی نکلتی ہوئی معلوم ہوگی، اگر یہودیت کا اثر ذہن میں ہو تو ہر آیت سے یہودیت نکلتی ہوئی معلوم ہوگی۔ اگر قادیانی ذہن میں ہے تو ہر آیت سے قادیانیت نکلتی معلوم ہوگی۔ اس لئے کہ ذہن بنا ہوا نہیں ہے تو محض قرآن کے الفاظ اور معانی اور عمل کا نمونہ کافی نہیں ہے۔ جب تک کہ ذہن نہ بنا ہوا ہو۔ اور ذہن کو

مانجھ کر درست نہ کر لیا ہو تاکہ قلب میں صحیح طور پر کجی اور زینغ باقی نہ رہے قلب کے اندر یہ چار چیزیں ذکر فرمائی گئیں جسک معلوم ہوا کہ محض قرآن کے الفاظ کافی نہیں ہیں اس کے معانی، لغت، ادب کے زور سے حل نہیں کئے جاسکتے ہیں وہ تو روایت کے ذریعے حل کئے جائیں گے۔ لغت سے اگر معانی ہی سمجھ لئے معیار تو نہیں سمجھ سکیں گے۔ اور لغت مراد خداوندی کو متبعین نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے لغوی مطلب کچھ ہو اور عرفی مطلب کچھ اور ایک وہ شخص ہے جو زبان وال نہیں وہ لغت دیکھ زبان دانی نہیں سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی بول سکتا ہے اگر بولے گا بھی تو وہ مطلب نہیں ہو گا جو عوام میں رائج ہے اور معروف ہے قوم کے اندر مثلاً ہمارے یہاں اردو میں ایک محاورہ ہے سونے پر سہاگہ۔ لغت میں تو اسکس معنی یہ ہیں کہ سونے کو ہاتھ میں لو۔ اور سونے کو نیچے رکھ کر سہاگہ اس کے اوپر رکھ دو تو سونے پر سہاگہ ہو گیا ہے لیکن یہ مراد نہیں ہے عرف میں مراد اس سے یہ ہے کہ اگر کسی چیز کی خیر اور بھلائی میں مبالغہ کیا کرتے ہیں تو کہا کرتے ہیں کہ سونے پر سہاگہ یعنی اپنی ذات سے تو سونا تھا ہی اس پر سہاگہ اگر گڑو تو اور چمک جاتا ہے اور اسمیں خوب صورتی پیدا ہو جاتی ہے۔ تو مبالغہ فی الخیر کے لئے یہ محاورہ استعمال کیا جاتا ہے۔

یا کسی کی برائی میں اگر مبالغہ کیا جائے تو ایک محاورہ ہے کہ کرید اور نیم چڑھا۔ اسکے لغوی معنی تو یہ ہیں کہ کرید میں دھاگہ باندھ کر نیم پر ٹانگ دو۔ کرید اور نیم..... چڑھا ہو گیا مگر یہ مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ کرید اپنی ذات سے تو گڑوا تھا ہی نیم پر چڑھنے کے بعد اسمیں اور گڑواہٹ بڑھ گئی اور زیادہ بُرائی پیدا ہو گئی۔ اب جو شخص اردو ماحول میں نہ رہا ہو محض ڈکشنری دیکھ کر بول رہا ہو تو کرید کو نیم پر چڑھا دے گا اور یہی اس کا مطلب بیان کرے گا۔ اور سمجھے گا اپنے آپ کو کہ بس میں نے اردو کا حق ادا کر دیا۔ حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ مراد تو اور ہے جسے اہل عرف اور اہل زبان سمجھتے ہیں۔ تو ایسے محاورے لغت سے حل نہیں کئے جاتے جب تک کہ اہل زبان سے تحقیق نہ کر لے۔ اور ہر زبان میں اس قسم کے محاورے موجود ہیں جن کو خود سمجھنے میں لغات سے حل نہیں ہوتے۔ اسی طرح سے قرآن کریم اور حدیث شریف کا بھی ایک عرف ہے۔ اس کو محض ادب دانی اور لغت کے زور سے حل کرنا یہ کافی نہیں ہے جب تک کہ اہل عرف میں رہ کر باقاعدہ اسکی تعلیم حاصل نہ کر لے۔ اور اس لب و لہجہ کو نہ معلوم کر لے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے جہاں روایت حدیث کے لفظوں کے نقل کی ہے وہاں معانی اور کیفیت اور لب و لہجہ کو بھی نقل کیا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں مشکوٰۃ

شریف پڑھتا تھا اور مشکوٰۃ میں نے اپنے والد ماجد سے پڑھی ہے توجہ حدیث آئی غنیۃ النہاج کی۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں ایک دستور تھا کہ مرنے والا وصیت کرنا کہ مجھے چھ مہینے روایا جائے مجھے ایک سال روایا جائے۔ اگر ایک دو دن روپیٹ کر بیٹھ گئے تو سمجھا جاتا تھا کہ کوئی چھوٹا آدمی ہوگا لیکن اگر چھ مہینے یا ایک سال روپیٹ گئے تو سمجھا جائے گا کہ کوئی بڑا آدمی گذر گیا کہ چھ مہینے گذر گئے مگر اب تک روپی رہے ہیں تو اس قسم کی وصیتیں کرتے تھے۔ اب ظاہر بات ہے کہ کس کے اٹکھ میں اتنے آنسو رکھے ہیں جو وہ چھ ماہ یا ایک برس تک روئے اسٹس رونے والیاں کراتے پر رکھی جاتی تھیں۔ چونکہ رونے کی زیادہ مشتاق ہوتی ہیں اس لئے ان کو ہی منتخب کیا جاتا تھا اور ان کا کھانا پکڑا نہیں دیا وغیرہ دیکھائی تھی اور طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جہاں کوئی اجنبی آدمی آتا معلوم ہوا۔ انہوں نے گھبراٹا اور رونا شروع کیا کیونکہ مرد تو ذرا قوی القلب ہوتا ہے اسے دیر میں رونا آتا ہے اور ان عورتوں نے جہاں ارادہ کیا اور پیٹ پیٹ آنسو گرنے شروع ہو گئے۔ اور واجلہ۔ واثمساہ کہہ کر روتی تھیں کہ تو پہلاڑی کی برابر تھا، تو تو سورج کی برابر تھا، سننے والا کتنا تھا کہ بھائی کوئی بڑا آدمی ہوگا مرنے والا جس کو چھ ماہ سے روایا جا رہا ہے۔ اور اس رونے میں وہ ایک عجیب قسم کی لے اور آواز بناتی تھیں جس سے سننے والے کا دل بھی بھل جاتے۔ تو میرے والد نے جب اس حدیث کو پڑھ کر سنایا تو ایک منٹ تک کچھ راں راں کر کے بتلایا، اس طرح روایا کرتی تھیں تو اس پر ہمیں تعجب ہوا کہ اسکی ضرورت کیا تھی کہ اس لب و لہجہ اور اس بیعت سے کر کے دکھلایا نہا ہر شہر سے ایک خفیف حرکت معلوم ہوئی۔ پھر خود فرمایا کہ شاید تمہارے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ میں نے اس رونے کی نقل کیوں اتاری۔ فرمایا کہ میں نے اس لئے یہ نقل اتاری کہ جب میں نے یہ حدیث حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے پڑھی تو انہوں نے بھی یوں کر کے دکھلایا تھا اور حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ جب میں نے یہ حدیث حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب سے پڑھی تو انہوں نے بھی یوں کر کے دکھلایا تھا اور حضرت شاہ عبد الغنی صاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب سے پڑھی تو انہوں نے بھی یوں ہی کر کے دکھلایا تھا اور انہوں نے کہا کہ جب یہ حدیث میں نے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب سے پڑھی تو انہوں نے بھی مجھے یوں ہی کر کے دکھلایا تھا اور میں نے بھی یوں ہی کر کے دکھلایا تھا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے پڑھی تو انہوں نے بھی مجھے یوں کر کے دکھلایا تھا اور

اور سند پہنچادی راوی حدیث صحابی تک تو فقط الفاظ حدیث ہی روایت نہیں کئے بلکہ مٹا بھی روایت کئے اور وہ کیفیت وہ لب و لہجہ وہ ہیئت بھی روایت کی حدیث میں مستقل روایات ہیں جیسے سلسلات کی روایت کہ بعضی روایتیں ایسی ہیں کہ ان کو کہتے ہیں کہ یہ سلسلۃ الاولیاء ہے اڑاں وہ کام کیا بنی کریم نے پھر صحابی نے پھر تابعی نے پھر تبع تابعی نے جیسے حدیث سلسلۃ المار والتمتر ہے کہ آپ نے حضرت علیؑ کی کھجور کی دعوت کی اور خود کچھ کھجور رکھا کہ اس کا بقیہ حصہ حضرت علیؑ کو کھلایا پانی پی کر بچا ہوا پانی بھی انہیں پلایا اور پھر اس کے بعد فضیلت بیان کی کہ جو اس طرح مہمانی کرے کسی کی اس کے یہ درجات و مراتب ہیں تو حضرت علیؑ کو فقط حدیث ہی نہیں سنائی بلکہ اسپر عمل کر کے دکھلایا۔ حضرت علیؑ کے ایک شاگرد تابعی ہیں انہوں نے اسی طرح سے اس حدیث کی اجازت حاصل کی کہ حضرت علیؑ نے کھجوروں کی دعوت کی دعوت کی خود کھا کے انہیں کھلائی خود پانی پی کر ان کو پلایا پھر تابعی نے اپنے شاگرد تبع تابعی کو اسی طرح سے دعوت دی اور یہ تمام کیفیت کر کے دکھلائی۔ اور اجازت دی یہ حدیث سلسلۃ بالاولیاء کہلاتی ہے۔ اور یہ مسلسل بالمار والتمتر ہے یعنی پانی اور کھجور کے اندر تسلسل کے ساتھ حضورؐ سے یہ عمل چلا آ رہا ہے بعض حدیث ہی نقل نہیں کی بلکہ وہ عمل بھی نقل ہوتا چلا آ رہا ہے جو حضورؐ نے کر کے بتلایا تھا جس ہیئت کے ساتھ۔ یاد دہری حدیث مسلسل بالمصافحہ ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں صَافَحْتُ بِكَفِّيْ هَذَا كَفَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ میں نے اپنی اس ہتھیلی سے حضورؐ کی ہتھیلی پر رکھ کر مصافحہ کیا صَافَحْتُ خَدَّ اِلَا حَبِيْبِ الْبَنِّ مِنْ كَفِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضورؐ کی ہتھیلی پر میں نے ہاتھ رکھا تو اتنی ملائم اور اتنی چکنی تھی کہ میں نے ریشم میں وہ چمکا ہٹ نہیں دیکھی۔ میں نے حریرہ میں وہ نرمائی عسوس نہ کی جو آپ کے دست مبارک میں تھی تو آپ کے شاگرد تابعی نے کہا کہ ہاتھ پھیلائیے اس نے ہاتھ رکھا تو کہا کہ آپ مصافحہ کریں تو مصافحہ کیا اس کے بعد تابعی کے جوشاگرد ہیں تبع تابعی انہوں نے کہا کہ آپ ہاتھ پھیلائیے تاکہ میں مصافحہ کروں تو انہوں نے مصافحہ کیا یہاں تک کہ وہ مسلسل بالمصافحہ حدیث لوگوں تک پہنچ گئی۔ حضرت مولانا غلیل احمد صاحب سہارنپوری ہیں انہوں نے مجھے سلسلات اور حدیث کی تمام کتابوں کی اجازت دی ہے۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو مولانا ذکر یا صاحب سے فرمایا کہ

بھائی مظاہر علوم کے کتب خانہ میں حدیث کی جتنی کتابیں ہوں وہ سب لے آؤ، تو صحاح ستہ، معانی، دمسائید اور اجزا ساری کتابیں آگئیں۔ حضرت نے تمام کتابوں کی اول اول حدیث مجھ سے پڑھوائی۔ اور اجازت دیدی۔ اور بعض کتابوں کی حدیث خود پڑھی اور اجازت دی۔ اسی طرح سے ان دونوں سلسل بالمار والتمر اور مسلسل بالمصنف کی عملی اجازت دی۔ کچھ منگائی خود کھائی مجھے کھلائی پانی پیا بچا ہوا مجھے بلایا اور پھر حدیث سنائی۔ اسی طرح سے حدیث انس میں مصنفہ کیا اور کہا کہ یہ مصنفہ کی سند حضور تک پہنچ گئی گویا کہ بالواسطہ تمہاری، تھیلی رکھی گئی بنی کریم کی، تحصیل مبارک پر پھر حضرت نے اجازت دے دی۔

دارالعلوم میں سلسلہ مسلسلات بالاولیت ::

پنچا نچہ دارالعلوم میں یہ عام دستور ہو گیا ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ پڑھنے والے طلبہ کو سال کے آخر میں جب سند ملتی ہے تو مجھ سے براہ راست کہتے ہیں کہ مسلسلات کی کی بھی سند دو پھر مجھے کھجوریں منگوانی پڑتی ہیں ماشاء اللہ تین سو ساڑھے تین سو کے قریب طالب علم ہوتے ہیں۔ چالیس پچاس روپیہ کی کھجوریں آتی ہیں اگر میں ایک ایک کھجور کھا کر دوسرے کو کھلاؤں تو میرا بیٹ معلوم نہیں کہاں جائے گا اس میں تو کہہ دیتا ہوں کہ میں فرض چند کھجوریں کھا کر ان تمام میں ڈال دیتا ہوں سب کا یہی حکم ہو جائے گا جو میری کھائی ہوئی کا ہے اور جب پانی پینے کا موقع آتا ہے تو میں کہہ دیتا ہوں کہ اگر ایک ایک گھونٹ بھی پریں تو تین سو ساڑھے تین سو گھونٹ ہوتے ہیں میرا بیٹ تو خدا جانے کہاں جائے گا۔ اس لئے تھوڑا پانی پی کر سچا ہوا پانی بالٹی میں ڈال دیتا ہوں اور وہ پانی سب کو پلا دیا جاتا ہے تو ان مسلسلات بالاولیت کا ایک سلسلہ جاری ہوتا ہے تو عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ محدثین نے فقط الفاظ ہی کی روایت نہیں کی یا فقط معانی کی ہی روایت نہیں کی بلکہ ہیئت کذاتی کی بھی روایت کی ہے اور لب و لہجہ کی بھی روایت کی ہے اور ان کیفیات کو روایت کیا ہے کہ جو اس حدیث کے سننے کے وقت پیش آئیں۔ تو ظاہرات ہے کہ حدیث کی وہ حفاظت ہوئی کہ دنیا کی قومیں اپنی آسمانی کتابوں کی بھی وہ حفاظت نہیں کر سکی ہیں جو اس امت نے کلام رسول کے

از روئے روایت دین اسلام اور اسکی ہر بات مستند ہے

دین کو اگر روایت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو قرآن مستند اور مکمل حدیث بھی مستند اور مکمل اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے قلوب میں سند ایک جزو مستقل بن کر داخل ہو گئی تھی کہ آپ فقہ پڑھ لیجئے تو ہدایہ کی سند موجود ہے کہ صاحب ہدایہ سے کس کس نے ہدایہ کو سنا۔ اور وہ ہم تک کس طریقے سے پہنچی، اسی علم کلام کی بہت سی کتابوں کی سند موجود ہے کہ مصنف سے لیکر یہاں تک اتنے واسطوں سے یہ کتاب پہنچی ہے۔ تصوف کے اندر ایک رسالہ قشریہ ہے امام ابو اسحاق اسفہانی کا یہ رسالہ تصوف میں بنیادی کتاب سمجھی جاتی ہے وہ تمام محدثانہ طریق پر ہے اور طرز بیان بھی اس کا محدثانہ ہے کہ حدیث فلاں قال حدیث فلاں قال حدیث فلاں قال حدیث فلاں یعنی جلد نے یہ فرمایا سلسلہ سلسلہ ہم تک پہنچ گیا۔ حضرت شبلیؒ نے یہ فرمایا حضرت سری سقطیؒ نے یہ فرمایا اور سلسلہ وار تھا ہم تک پہنچ گئی تو مسلمانوں میں اسناد کا عام دستور ہو گیا کہ فن فقر کی الگ سند فن عقائد کی الگ سند، حدیث کی الگ سند اصول کی الگ سند۔ بے حجت کوئی بات ہی نہیں کہتے ہیں اور یہ کہنا کہ تم تو اپنے باپ دادا سے سنتے چلے آ رہے ہیں یہ کوئی سند نہیں۔ ہاں آپ یہ بیان کریں کہ آپ سے روایت کس راوی نے بیان کی ہے اور اس شخص کس سے روایت کی ہے اس کا کردار کیا تھا کہ روایت کا پتہ چلائیے اور مشرکین مکہ سے جب قرآن یہ مطالبہ کرتا ہے کہ تم جو یہ شرک کر رہے ہو۔ یہ سورج اور بت پرستیاں کر رہے ہو اسکی سند کیا ہے؟ کس پیغمبر نے تم کو یہ تعلیم دی ہے ان کے پاس اسکے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ اٰمَةٍ وَّ اِنَّا عَلَىٰ اٰثَارِهِم مُّقْتَدُوْنَ باپ دادا سے یہ نہی دیکھتے کرتے چلے آئے ہیں اسلئے ہم بھی یوں ہمارے باپ سے ہیں حجت اور سند کچھ نہیں ہے جس کا جواب قرآن نے دیا ہے۔ اَدْلُوْكَ اَنْ اَبَاءُ هٰؤُلَاءِ يَعْصُوْنَ مِثْلًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ یعنی خواہ وہ باپ دادا سے بے عقل کی ہی باتیں کہیں مگر اہی کی باتیں کہیں پھر تم اس لئے مانو گے کہ باپ دادا نے کہا ہے۔ یہ باپ دادا کا کہنا تو کوئی سند نہیں ہے بلکہ یوں کہو کہ خدا نے کہی ہے اور خدا

کے رسول تے کہی ہے۔ فلاں سند سے فلاں عالم نے کہی ہے سند حجت ہے تو اسلام نے ان بے سند چیزوں کو رد کر دیا ہے اس لئے میں عرض کر رہا تھا کہ روایت دین کے حق و بطلان کے پرکھنے کا پہلا ذریعہ ہے۔ تو پرکھ لیا اس بات کو کہ دین ثابت ہے تو حق تعالیٰ کا شکر و فضل ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں مستند دین موجود ہے اسلام فقہ اور کہانیوں کی صورت میں نہیں آیا بلکہ سند اور روایت کے طور پر آیا ہے اور اللہ کے رسول تک سند متصل موجود ہے۔ آپ مدارس کے اندر پڑھاتے ہیں اور سند دیتے ہیں۔ اس سند ہی سے تو آپ پہنچاتے ہیں کہ یہ واقعی عالم ہے۔ یہ نہیں کہ جو بعض مطالعہ کر کے آجائے اس کو آپ عالم کہیں یا صرف ادراک دیکھ کر آجائے اس کو آپ عالم کہیں۔ ایسا نہیں وہ سند نہیں ہے مگر آپ عالم کی نسبت پوچھتے ہیں کہ علم آپ نے کن مشائخ سے حاصل کیا ان کے عقائد کیا تھے ان کا طریق کیا تھا۔ ان کے کردار کیا تھے۔ پھر ان کے مشائخ کا کیا کردار تھا اس طرح سے آپ سند دیتے ہیں۔ اب سند سے ہی پہچانا جاتا ہے کہ واقعی عالم ہے آپ کسی عالم کو کتاب سے نہیں پرکھتے ہیں۔ آپ نہیں کہتے ہیں کہ فلاں صاحب نے مطبع مجتہبی کی بنجائی میں پڑھا تھا اس لئے وہ اچھا اور دوسرے نے اس کتاب میں پڑھا تھا جس کے حروف اچھے نہیں تھے اس لئے وہ اچھا عالم نہیں ہے کتاب سے کسی عالم کی بڑائی یا چھوٹائی نہیں پہچانی جاتی ہے بلکہ سند سے پہچانتے ہیں کہ اس کے مشائخ کا طبقہ کس درجے کا تھا اگر آپ کہیں کہ میں شاہ ولی اللہ کی جماعت میں سے ہوں تو اسکی وقعت ہوگی اور اگر آپ کہیں کہ میں نے تو خود مطالعہ کر لیا تھا اس کا مطلب یہ کہ کوئی سند نہیں ہے اور آپ مستند نہیں ہیں۔

علم بنی کریم کی وراثت ہے | علم تو بنی کریم کی وراثت ہے جس کو آپ نے فرمایا ہے کہ ان الانبیاء لحدود ثوا

دیناً و دلاہاً حضرات انبیاء جب دنیا سے جاتے ہیں تو وہ روپیہ یا اثرنی چھوڑ کر نہیں جاتے ہیں اپنے ورثے میں و لکن و ثوالعلم بلکہ وہ ورثہ چھوڑ کر جاتے ہیں علم کا معرفت الہی کا۔ اخلاقی کمالات کا۔ علوم غیبیہ کا۔ یہ انبیاء کی وراثت ہوتی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ وراثت دنیوی میں مال و دولت جیسی دیا جاتا ہے جب کہ نسب نامہ ماں باپ سے ملا ہوا ہوگا۔ اور اگر کوئی کسی کا باپ ہی ثابت نہ ہو تو وراثت کیسے مل جاوے گی؟ اسے کبھی بھی وراثت

نہیں مل سکتی ہے اب ثابت کرنا پڑے گا کہ میں فلاں کی اولاد ہوں اس وقت وراثت میں حصہ ملے گا۔ اور اس کو پہلے اس کے باپ سے ملا ہے اس کو بھی ایسے ہی ثابت کرنا پڑا تھا الی آخر الہائے تو جیسے مادی وراثت میں نسب کی ضرورت پڑتی ہے ایسے ہی روحانی وراثت میں نسبت کی ضرورت پڑتی ہے کہ میرے اساتذہ فلاں ہیں ان کے اساتذہ فلاں ہیں اور سند پہنچ گئی نبی کریم تک جو ہمارے مورث اعلیٰ ہیں جہاں سے یہ علم چلا ہے اور یہ درشہ ہم تک پہنچا ہے۔ ہم اس علم کے موجد نہیں، مخترع نہیں بلکہ ہم تو ناقل ہیں جیسا ہم نے سنا اپنے اکابر سے دیا ہی ہم نے نقل کرنا ممکنہ محنت کے ساتھ دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ۔ اب دوسروں تک علم کو پہنچا دیں گے یہ ہمارے گھر کی چیز نہیں کہ اس کو ہم اپنے گھر میں رکھیں ہم نے دوسروں سے سیکھا ہے اور دوسروں کو سکھایا گئے یہ درشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور وراثت کے لئے سند کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے دین میں بھی سند کی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کے ہاتھ میں مستند دین موجود ہے | آج تو بحمد اللہ مسلمانوں کے پاس سند موجود ہے

ہے وہ قرآن کی دعوت میں گئے تو مستند طریق پر دیں گے، وہ ہدایہ اور درختار کے مسائل بیان کریں گے تو سند دیں گے کہ فلاں نے فلاں سے یہ کتاب سنی اور فلاں نے فلاں سے اور سند پہنچ گئی ان مسائل کی امام ابو حنیفہ تک تو اسناد کے ساتھ جب دین ہوتا ہے تو وہ ماننے کے قابل ہوتا ہے اور جس دین کی کوئی سند نہیں وہ ماننے کے قابل نہیں ہوتا علماء نے لکھا ہے کہ **قَوْلُهُ لَا اسْتِثْنَاءَ كَيْفَ يُطْلَعُ** **الْبَدِيْنُ** اگر اسناد نہ ہو تو دین باطل ہو جاتا ہے جس کا جو جی چاہے کہہ بھلے گے ہم توجہ طلب کریں گے کہ تم نے یہ دین کہاں سے حاصل کیا ہے قرآن کا یہ مطلب کس حدیث سے لیا ہے کس فقہ سے سُنا کس امام مجتہد سے لیا ہے اگر حوالہ صحیح ہے تو ماننے کے قابل ہے اور اگر حوالہ صحیح نہیں تو ہم کہیں گے کہ تمہارے نفس کا اختراع ہے یہ ہم پر ماننا کب ضروری ہے ہر حال اصل چیز دین میں سند اور استناد ہے اسی بنا پر آج مسلمانوں کے ہاتھوں میں مستند چیز موجود ہے جو دنیا کی کسی قوم کے ہاتھوں میں نہیں ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ جو چیز پیش کرنے کی ہے وہ صرف مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اس لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ دنیا کی تمام اقوام کو یہ مستند دین پہنچائیں کوئی دوسری قوم جرات نہیں کر سکتی ہے کہ ہمیں وہ اپنا دین پہنچائے

اس لئے کہ ان کے پاس اس کی سند موجود نہیں ہے۔ اگر ہم اہل تورات سے اسکے بارے میں پوچھیں کہ تم نے تورات سے روایت بیان کی ہے اس کی کیا سند ہے اس کے رادی کون ہیں روایت کہاں سے چلی کس طرح سے چلی کہیں سند موجود نہیں، انجیل کی کوئی سند موجود نہیں۔ دجڑوں انجیل ہیں مگر تمام کی تمام انفرادی ہیں۔ ہرزمانے میں نئے سے نیا ترجمہ انجیل کا ہوا اور ان ترجمہ میں اختلاف و نزاع ہے۔ تو پہلا سوال یہی ہو گا کہ وہی انجیل ہے جو حضرت عیسیٰؑ پر اتاری تھی یا در کوئی دوسری ہے اگر وہی ہے تو سند لاؤ۔ ان کی سند و قیامت تک بھی پیش نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ دنیا میں کسی مذہب ہی کتاب کی سند موجود نہیں بجز قرآن کے اس واسطے اسی کا حق ہے کہ یہ دنیا کی اقوام کے سامنے پیش کیا جاوے اس لئے کہ یہ مستند دین ہے۔

مسلم دنیا میں لینے کے لئے نہیں بلکہ کچھ دینے کے لئے آیا ہے

مسلمان دنیا میں سائل بن کر نہیں آیا کہ دنیا کی قوموں سے بھیک مانگے یہ تو دینے کے لئے آیا ہے کہ دنیا کی قوموں کو امر بالمعروف کرے اور نہی عن المنکر کرے وہ اللہ پر ایمان لائیں گے۔ اور تمہارے ہاتھ میں ہند موجود ہے کتاب اللہ کی بھی کہ تم نبی تک سند پہنچا کر پیش کر دو گے کہ یہ ہے مستند چیز اسے قبول کر دو اب مسلمانوں کا کام یہ رہ گیا ہے کہ دنیا کی دیگر اقوام کے پاس بھیک مانگتے پھر رہے ہیں حالانکہ دین ان کے پاس مستند موجود ہے اور ہر مشکل کا علاج ان کے پاس موجود ہے مگر پھر بھی کسی قوم سے تمدن کی بھیج مانگ رہے ہیں کسی سے معاشرت کی کسی سے رہن سہن کی۔ اس لئے ہماری مثال ایسی ہوگی ہے جیسے مولانا رومی نے کہا ہے ۔

چوں یک بد بزنہ ترا در خرقے شے

تو ہمیں جوئی بسینہ در بدر !!!

ٹوکرا بھرا ہوا سر پر ڈیوں کا رکھا ہوا ہے اور گھر گھر بھیک مانگتے پھر رہے ہیں کہ خدا کے لئے ہمیں ٹوکرا دیدو۔ اس بے غیرتی کی بھی کوئی انتہا ہے کہ گھر میں موجود ہے سر ٹوکرا رکھا ہوا ہے اس کی توفیق نہیں ہوتی کہ ہاتھ ادا نہ کر کے اس میں سے نکال لیں یا نہ نچا کر کے دوسروں کے سامنے تو پھیلا رکھا ہے وہ اپنی حیثیت کو بھول گئے ہیں مسلم دنیا میں بھکاری بن کر نہیں آیا بلکہ دنیا کو کچھ دینے کے لئے آیا ہے اور دے گا وہی

چیز جو اس کے پاس ہے دوسروں کے پاس نہیں ہے اگر آپ دنیا دینا چاہیں تو دنیا آپ کے زیادہ دوسروں کے پاس موجود ہے۔ سونا چاندی دینا چاہیں تو وہ بھی دوسری اقوام میں زیادہ موجود ہے۔ کوٹھی بنگلہ دنیا چاہیں تو وہ بھی دوسری اقوام میں ہم سے زیادہ موجود ہے۔ آپ وہ چیزیں جو آپ ہی کے پاس ہے دوسروں کے پاس نہیں ہے۔ اور وہ ہے مستند دین کہ دنیا اور آخرت کی پہچان کا یہ طریقہ ہے جو تم میں کسی کے پاس نہیں اور اس کو ہم پیش کرتے ہیں تم قبول کر لو۔

ہم ہر مسلم کو اپنے لازم کی دوسروں کو دعوت دینی چاہیے | آج دنیا میں ہر شخص اپنے

مسن کی دعوت دے رہا ہے کیونست دعوت دے رہے ہیں کیونست کی اور شوشلٹ دعوت دے رہے ہیں شوشلزم کی کیٹپلسٹ دعوت دے رہے ہیں کٹپلزم کی آخر یہ اسلام کا نرم بھی آپ کے پسرو کیا گیا ہے آپ کو بھی ضرورت ہوتی ہے کہ دعوت دین دنیا کے ہر باطل سے باطل مذہب کی دعوت چل رہی ہے دعوت تو چلا نا آپ کا فرض ہے جس طرح اور انزم دنیا کے سامنے آرہے ہیں مگر جب بھی دنیا کو سکون ہوا ہوگا اسی اسلام ازم سے نہ کیونست سے ہوا ہوگا۔ نہ کٹپلزم سے اور نہ شوشلزم سے ہوگا۔ اور سب بناوٹی اور رومل ہے اور رومل کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی جو معتدل راستہ ہے وہی ازل سے قائم ہے وہی باقی رہنے والا ہے تو ہر مسلم کا فرض ہے خواہ وہ دنیا کے کسی بھی غلطے میں رہتا ہو کسی بھی نسل سے تعلق رکھنے والا ہو کہ اپنے ازم کو دنیا کے سامنے پیش کرے میں تو طلبہ سے عرض کیا کرتا ہوں کہ بھائی مدارس میں اگر تعلیم پانافرض ہے اور بہت ضروری ہے۔ لیکن تعلیم پانے کے بعد صرف یہی مقصد ہو کہ یہ کتاب دوسروں کو پڑھا دیں کافی نہیں یہ تو ایک محدود حلقہ ہو گیا آپ نے ایک سے پڑھا دوسروں کو پڑھا دیا یہ تو بنیادی چیز ہے اس کے بغیر تو کام چلے گا نہیں لیکن اس پر قناعت نہیں کرنی چاہیے بلکہ دعوت الی اللہ کا جذبہ عام ہونا چاہیے اور اس کا ڈھنگ یہ نہیں ہے کہ آپ ہر ایک سے یوں کہیں کہ تم مسلمان بن جاؤ بلکہ اس کے مختلف طریقے ہیں۔

دعوت الی اللہ کے مختلف طریقے | جس طریقے سے بھی انسان متاثر ہو اس کو اسی طرز سے دعوت الی اللہ پیش کرنی چاہیے کہیں حکمت سے دعوت دی جاتی ہے کہیں احسان و سلوک کے ذریعہ دعوت پیش کی جاتی ہے

انسان متاثر ہو کر خود دعوت قبول کرے گا۔ صحابہ نے کتابیں پڑھا کر دعوت نہیں دی کتاب پڑھانے کا الگ مخصوص طبقہ تھا اور مخصوص طبقے کے لئے تھا اور دعوت الی اللہ میں کتاب نہیں وہاں تو حکمت کام میں آتی ہے بعض حضرات نے طب کے راستے سے دعوت دی کہ مجالبات کرتے ہوئے گڈرے دعوت دیتے رہے۔ ظاہرات ہے کہ مریض طبیعت متاثر ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ میرا غن ہے اس متاثر کو اطباء نے دین کی باتیں سکھانے میں استعمال کیا ہے اس طب کے ذریعہ سے ہی لاکھوں آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

تجارت کے ذریعہ دعوت الی اللہ اور چین میں اسلام کا ورود مسعود

بعض نے تجارت کے ذریعہ دعوت الی اللہ دی ہے اپنی تجارت کرتے اور لوگوں کے ساتھ معاملات اختیار کرتے جو اسلام نے سکھائے ہیں اور ظاہرات ہے کہ انسان حسن معاملہ سے بہت متاثر ہوتا ہے اسی لئے تجارت نے اسی پیشے کے ذریعہ لاکھوں کو داخل اسلام کیا اور دعوت الی اللہ کی خاطر صحابہ آپ کے وصال کے بعد پوری دنیا میں پھیل گئے چنانچہ تاریخ میں ہے کہ اٹھ صحابہ بغرض دعوت الی اللہ تجارت کی لائن سے کسی علاقے میں گئے وہاں جا کر انہوں نے اپنا سلسلہ شروع کر دیا معاملات کی سچائی اور دیانت کی وجہ سے ان کے بازاروں کو اس درجے فروغ ہوا کہ دوسری سب دکانیں ٹھپ پر گئیں۔ ملک کے تجارت کو حسد ہوا کہ غیر ملکی لوگ کہاں سے آگئے کہ ہمارے سارے بازاروں پر انہوں نے قبضہ کر لیا یہاں سے ان کو نکالنا چاہیے حکومت سے درخواست کی کہ صاحب یہ چند غیر ملکی لوگ ہیں ہمارا کام انہوں نے چوہٹ کر دیا ہے آپ انہیں ملک سے نکال دیں حکومت وقت نے انہیں بلایا اور کہا کہ تم ہمارے ملک کو کیوں تباہ کرنے آگئے ہو انہوں نے کہا کہ تباہ کرنے کے لئے یا آباد کرنے کے لئے؟ تباہ تو ہمارے ملک دلوں نے کر رکھا تھا۔ چوری سے بددیانتی سے ہم نے امانت داری، دیانت داری اور معاملات کی سچائی سکھائی تو پورے ملک پر اثر پڑا۔ اس لئے ہم تو آباد کرنے کے لئے آئے ہیں انہوں نے کہا کہ نہیں آپ چلے جاتیے ان حضرات صحابہ نے کہا کہ اگر ہم سے کوئی غلطی ہوتی ہے تو آپ بتلائیں ہم بر ملا اتر لو کریں گے اگر آپ بے وجہ نکالنا چاہتے ہیں تو ہم پوری حکومت کو چینج دیتے ہیں کہ ہم نہیں نکلیں گے یعنی اٹھ آدمی حکومت وقت کو چینج دے رہے ہیں حکومت نے کہا کہ نہیں بہر حال آپ

پہلے جائیں انہوں نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا ہے۔ آپ حجت بیان کریں یا خطا بیان کریں اگر وہی خطا ہو گئی ہے تو ہم اقرار کریں گے نہیں ہوتی تو ہم جواب دیں گے لیکن یہ جواب آپ نے آرڈر دیدیا ہے یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ملک تو خدا کا ہے کوئی نکال نہیں سکتا بے پھر جب انہوں نے سختی کر کے کہا کہ نکلو، یہ خبر پورے علاقے میں پھیل گئی اس پر سب لوگوں نے مطالبہ کیا کہ یہ اگر نکلیں گے تو ہم بھی مارے ان کے ساتھ ہی نکل جاویں گے ہم بھی اس ملک میں رہنا نہیں چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ ان صحابہ کے اثرات ان پر قائم ہو چکے تھے اس لئے سب کے سب انکی طرف ہو گئے اب وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ حضور آپ کس کو نکال رہے ہیں وہ تو حکومت ہی جا رہی ہے آپ کا سارا ملک ان کے ساتھ جا رہا ہے تب جا کر مجبوراً حکومت کو جھٹکا پڑا۔ اور کہا بھائی تم اپنی دکانیں بازار میں اسی طرح قائم رکھو! ان ہی حضرات کے طفیل اس علاقے میں کروڑوں مسلمان آج بھی موجود ہیں، مومنین کی ہدایت کے مطابق وہ علاقہ چین کا ملک ہے۔ تو آدمی اگر دعوت الی اللہ کا جذبہ رکھے تو دکان پر بیٹھ کر بھی دعوت دے سکتا ہے، سرکاری دفاتر میں بیٹھ کر بھی دعوت دے سکتا ہے۔ طب کی لائن سے بھی دعوت دے سکتا ہے اور دوسری راہیں ہزاروں ہیں حکمت کے ساتھ دعوت دی جاتی ہے۔

نیز خواہی اور خدمت خلق بھی ذریعہ ہے دعوت الی اللہ کا۔

ایک یونیورسٹی میں اوپر کی جماعت میں چودہ پندرہ لڑکے غیر مسلم تھے اور ایک لڑکا صرف مسلمان تھا اور وہ بھی بیچارہ غریب کم گو، صوفی منش، اس کو انہوں نے اپنی مجلس کا مخڑ بنا رکھا تھا کوئی بھپتی کسی ہوتی تو اس پر کسی جاتی، کوئی جملہ کنا ہوتا تو اس پر کس دیا جاتا۔ رات دن اس کو پریشان کیا کرتے تھے اور وہ بیچارہ صبر کرتا، ایک لفظ نہ بولتا۔ یہ مخڑہ پن کرتے رہے اور صبر ہوتا رہا خدا کی قدرت کہ انہیں جو سب سے زیادہ رئیس اور امیر تھا نوجوان لڑکا وہ بیمار پڑا اور اتنا شدید بیمار ہوا کہ اس کے حینے کی توقع نہ رہی تو اب سب لڑکوں نے اس کو چھوڑ دیا اور ہسپتال میں داخل کر دیا اس مسلمان لڑکے نے خدمت شروع کی اس لئے کہ اس کا اور اس کا کمزور قریب قریب تھا اگر رات کے بارہ بجے وہ ادب سے نہ توٹھیک اسی وقت اس کے پاس دعا لیکر حاضر۔ اگر ڈاکٹر نے کہا کہ ایک بجے اس کو دودھ پلایا جائے تو ٹھیک اسی وقت دودھ دیا جاتا تھا۔ خدمت کرنے

میں دن اور رات ایک کر دی پندرہ بیس روز کے بعد وہ اچھا ہو گیا اب وہ ہاتھ جوڑ کر اس مسلم نوجوان کے سامنے بیٹھ گیا۔ کہ تم کوئی بھگوان معلوم ہوتے ہو۔ اور کوئی خدائی روح تمہارے اندر کام کر رہی ہے ہم نے تمہارے ساتھ یہ مخروط بن کیا اور تم نے یہ خدمت کی خدا کے لئے ہمارا قصور معاف کر دو اور جتنے اس جماعت میں لوگ تھے سب جمع ہو گئے اور سب نے کہا کہ ہمارا قصور معاف کر دو۔ ہم نے کمینہ بن کیا اور ذالت کی اور تم نے شرافت نفس کا ثبوت دیا۔ ہم نے تم پر بھیتیاں کیں تم نے صبر کیا اور اتنی خدمت انجام دی یہ کام کسی اونچے ہی آدمی کا ہو سکتا ہے اور پھر پوچھا انہوں نے کہ یہ باتیں تم نے کہاں سے سیکھی ہیں اس نے کہا کہ میرے مذہب نے سکھائی ہیں کہنے لگے کہ اس مذہب کی تلقین میں بھی کرو۔ انہوں نے اسلام کے کلمے بیان کرنے شروع کر دیئے اور اس کے فضائل بھی بیان کئے تو ان میں سے بہت سے اسلام کے طرف مائل ہو گئے اس لئے میں کہہ رہا تھا کہ خدمت کا راستہ بھی اسلام پھیلانے کا ہے اور دیگر مختلف طرق ہیں دعوت الی اللہ کے۔ جذبہ دل میں ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ دعوت چلتی ہے۔ اور کارگر بھی ہوتی ہے۔

حکمت کے ساتھ دعوت الی اللہ کی پیشکش | ہمارے مولانا محمد الیاس صاحب کے بڑے بھائی

حضرت مولانا محمد صاحب کے مریدین میں سے حاجی عبدالرحمن صاحب میواتی تھے صرف حافظ قرآن تھے زیادہ لکھے پڑھے آدمی نہ تھے مگر صاحب نسبت اور ذاکر و شاعر بھی تھے ہر وقت ذکر اللہ ان کی زبان پر جاری رہتا تھا اور قلب میں ایمانی کیفیات رچی ہوتی تھیں۔ تقریباً ایک ہزار غیر مسلموں کو انہوں نے دائرہ اسلام میں داخل کیا حالانکہ ایک حرفت بھی لکھنا نہیں جانتے تھے کچھ ڈھنگ بولنے کا ایسا تھا کہ دوسرا آدمی خواہ مخواہ مائل ہو کر اسلام قبول کر لیتا تھا یہ ان کے قلب میں ایک حکمت تھی ان کی موجودگی میں میوات کے علاقے میں ایک سادھوا گیا وہ ہندو تھا ریاضت و مجاہدے بہت کئے ہوئے تھا وہ کچھ کرشمے اور خوارق عادات بھی دکھاتا تھا لوگوں میں اس کی کافی شہرت ہو گئی۔ ان کا جی چاہا کہ اس کو دائرہ اسلام میں داخل کریں تو حاجی صاحب اس کے یہاں پہنچ گئے اس نے حاجی صاحب کا ادب و احترام کیا کیونکہ قوم کے سردار کا احترام و اعزاز کیا ہی جاتا ہے اور اس کے اخلاق بھی اونچے ہوتے ہیں اس نے کہا حاجی صاحب کیسے تشریف لائے حاجی صاحب

نے کہا کہ آپ کو دیکھنے کے لئے آگیا ہوں اس کے بعد حاجی صاحب نے اس کو اسلام کی طرف متوجہ کرنے کی تمہید شروع کی اور کہا کہ سادہ صوحی آپ تو بڑے باکمال معلوم ہوتے ہیں آپ کے تو کوششے بھی ظاہر ہوتے ہیں اس نے کہا کہ مالک کی دین ہے میں کیا چیز ہوں حاجی صاحب نے کہا کہ انہیں صاحب آپ تو بڑے باکمال ہیں ہر ایک میں ایسا کمال نہیں ہو سکتا ہے جو آپ کے اندر ہے جب خوب تعریف کر لی پھر اس کے بعد کہا کہ یہ کمال آپ کو کس طرح حاصل ہوا اس نے کہا کہ میرا ایک اصول ہے کہ جس چیز کو میرا جی چاہا میں نے وہ نہیں کی ہمیشہ میں نے جی میں آئی ہوئی چیز کے خلاف کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جی پر مجھے قابو ہو گیا اور اب میرا نفس اور دل میرے تابع ہیں میں اس کے تابع نہیں ہوں۔ یہ مشق کی میں نے۔ حاجی صاحب نے کہا کہ واقعی آپ نے تو اصول اختیار کیا یہ اسی مجاہد کا نتیجہ ہے کہ آپ بڑے باکمال ہو گئے ہیں۔ اس سے اس قسم کی باتیں خوب کہہ کر اخیر میں کہا کہ اسلام لانے کو کبھی جی چاہتا ہے یا نہیں اس نے کہا کہ بالکل نہیں۔ حاجی صاحب نے وہیں بات پکڑ لی کہ پھر تو ضرور قبول کرو۔ ورنہ تمہارا اصول ختم ہو جائے گا جو عمر بھر کی محنتیں ہیں وہ سب ضائع ہو جاویں گی۔ جب اصول کے خلاف ہو گا اگر جی چاہتا اسلام لانے کو تو بالکل نہ لاتے مگر جب جی نہیں چاہتا ہے تو جی کے خلاف کرو اور اسلام لاؤ۔ ورنہ تو پھر تمہارا اصول ختم ہو کر تمام محنت غارت ہو جائے گی کیونکہ جب اصول باطل ہو جاتا ہے تو اسکی جزئیات بھی باطل ہو جاتی ہیں غرض اس کو ایسا گھیر لیا کہ وہ اسی مجلس میں مسلمان ہو گیا اور اسکی وجہ سے اور بھی بہت سے مسلمان ہو گئے انہوں نے کوئی ایسی تعلیم نہ پائی تھی نہ مستند نہ غیر مستند مگر صاحب نسبت ضرور تھے ذکر اللہ رچا ہوا تھا ہر موقعہ کے مناسب حق تعالیٰ الہام فرما دیتے تھے اور قلب میں ایک قسم کا جذبہ تھا دعوت الی اللہ کا حکمت کے ساتھ اس کو پیش کرتے تھے وہ قاعدہ پنجاتی تھی اور تدبیر خود بخود سمجھ میں آتی چلی جاتی تھی۔ تو جب آپ دل میں ٹھان لیں گے اور قلب میں اللہ نے ایمان کا جذبہ بھی دیا ہے تو وقتی تدابیر خود آپ کے دل میں پڑ جائیں گی بشرطیکہ آپ کا عزم بھی ہو۔

دعوت الی اللہ کے بغیر مسلم بھی مستحق ہیں | ایک دعوت تو ہے انہوں کو
 دینا وہ تو ہر حالت میں ضروری ہے جیسے ہماری تبلیغی جماعتیں ہیں کہ انہوں نے ہزاروں آدمیوں کی اصلاح کی مگر یہ میدان کہ غیروں

کو بھی دعوت دی جائے بالکل خالی ہے آخر غیر مسلموں کا بھی تو حق ہے آپ کے اوپر آپ کا اسلام آپ کی جدی میراث تو نہیں ہے کہ کہیں نہ جائے آپ تک ہی محدود رہے وہ تو دنیا کی تمام اقوام کیلئے آیا ہے مگر اس کے ان تک پہنچانے کا آپ ہی ذریعہ بنیں گے۔ اور آپ ان تک پہنچا نہیں رہے ہیں اسلئے آپ ان کا حق مار رہے ہیں جیسے آپ کے اوپر انہوں کا حق ہے لیسے ہی اعیار کا بھی حق ہے وہ یہ ہے کہ آپ انکی خیر خواہی کریں اور خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں وہ دین پہنچائیں جس کے ذریعہ وہ عذاب آخرت سے بچ جائیں اور ان تک بات حکمت سے پہنچائیں۔ جیسے حاجی عبدالرحمن صاحب نے پہنچایا اور ایسے انداز سے پہنچائیں کہ ماننے پر مجبور ہو جائیں جو راستہ آسان ہو اس ذریعہ سے وہ دعوت چلائیں چاہے خدمت کا راستہ ہو یا احسان کا راستہ ہو یا حکمت کا راستہ ہو بہر حال دعوت الی اللہ لازمی چیز ہے۔

مخاطب کے مناسب حال طریقے سے دعوت پہنچاؤ | میں طلبہ سے کہا کرتا ہوں کہ مدارس میں جو ہماری تعلیم ہے وہ تو بہت اہم اور ضروری ہے اگر تعلیم نہ ہو تو تبلیغ کا بھی دروازہ بند اور تصنیف کا بھی دروازہ بند ساری بنیاد تعلیم سے ہی چلتی ہے مگر تعلیم حاصل کرنے کے بعد تعلیم ہی کو مقصد بنالینا یہ کافی نہیں بلکہ دعوت عام ہونی چاہیئے کتابیں پڑھانے کے وقت آپ کتابیں پڑھائیں اور جب دوسرے لوگ سامنے آئیں تو دعوت الی اللہ کا راستہ اختیار کریں۔ جیسا مخاطب ہو ویسا ہی خادم بن کر اس سے گفتگو کریں اگر علم و حکمت والا آدمی سامنے آئے تو اسے حکمت کے راستے سے اسلام پہنچائیں کوئی سادہ لوح آدمی ہو تو سادگی سے اسے اسلام پیش کر دو۔ اور اگر کوئی کٹ جھٹ ہو تو اس کے مسلمات سے اس پر حجت قائم کریں غرض جیسا مخاطب ہو آپ اس سے ایسا ہی کلام کریں لَکُونَا اَلنَّاسُ عَلٰی قَدَرٍ عَقُوْلٍ یَّهْوٰءِہِمْ دَرَجَہِہِمْ عَقِلِیْنَ ہوں اسی درجے کا کلام کیا جائے۔ سادے آدمی کے ساتھ اگر آپ منطق و فلسفہ بگھارنا شروع کریں گے تو وہ بیچارہ کیا سمجھے گا جیسے لکھنؤ کے ایک زمیندار تھے ان کے پاس کچھ کاشتکار زمین وغیرہ ہونے اور جو تنے کے لئے خادم تھے زمیندار کو کچھ فارسی بولنے کا مرض تھا اور جی چاہتا تھا کہ فارسی بولا کریں مگر صبح نہیں بلکہ غلط مسئلہ بولتے تھے ایک بار کچھ دیہاتی جمع ہو کر آئے ان زمیندار نے دیہاتوں سے کہا کہ امسال دیہقان کے کشت زار پر تقاطر اسطرح ہوا کہ ہمیں یعنی پوچھنا

یہ تھا کہ اس سال بارش کیسی ہوتی ہے تو زمیندار نے فارسی بکھارنے کے لئے یہ الفاظ استعمال کئے تو دیہاتوں نے آپس میں کہا کہ اسوقت میاں صاحب قرآن پڑھ رہے ہیں جب فارغ ہو جائیں گے جب اگر بات کریں گے۔ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو ان دیہاتوں کے سامنے فارسی بولنا بغير مناسب تھا وہ پیراے غریب کیا سمجھیں؟ کچھ بھی نہیں ایسے کسی حکمت پسند کے آگے آپ سادہ لوحی کی باتیں کریں انکی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ تو جیسا انسان ہوگا اس کے مناسب ہی آپ کو کلام کرنا پڑے گا۔ اسی قرآن کریم نے تین لفظ بولے ہیں۔ فرمایا۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجاد لہم بالقی طی احسن۔ یعنی دوائے اللہ کے راستے کی حکمت سے موعظت سے مجادلہ حسن سے اس لئے کہ دنیا میں آدمیوں کی بھی تین ہی قسمیں ہیں کچھ عقل پسند ہیں ان کے سامنے دین کو مقبول بعد از میں پیش کیا جائے گا اور کچھ سادہ لوح ہیں کہ اللہ اور رسول کا نام سنا اور گردن جھکا دی ان کو صرف اتنی نصیحت کافی ہے اور کچھ بی رحمی طبیعت کے ہیں بلکہ اٹھ مزارع کے کسی کی نہیں مانتے جب تک کہ انکی مانی ہوتی باتوں سے ان پر رحمت قائم نہ کر دیں یہ ہی اصول ہے ان کو سمجھانے کا ان سے مناظرہ کیا جائے گا ان سے بحث و مباحثہ کیا جائے گا۔ اس کے بغیر وہ سمجھیں گے نہیں تو لہذا جیسا آدمی ویسا ہی خام بھی ہونا چاہیئے۔

حضور کا رکانہ کوشتی میں بچھاڑنا | ایک روایت ہے اگرچہ وہ ضعیف ہے مگر جوں کہ احکامات میں نہیں ہے

بلکہ فضائل و مناقب کی ہے اور اس میں ضعیف روایات بھی قبول کر لی جاتی ہیں اس لئے قابل قبول ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ رکانہ عرب میں بہت بڑا پہلوان تھا وہ ایک آدمی ایک نہرار کے مقابلے کا سمجھا جاتا تھا اور ان کے بدن کی مضبوطی اور وزن کی کیفیت یہ تھی کہ اونٹ ذبح کر کے اسکی غیر مدبوغ مازی کھال بچھادی جاتی اور رکانہ اس پر بیٹھ جاتا اور عرب کے نوجوان چاروں طرف سے اس کھال کو کھینچتے تو کھال کے ٹکڑے ٹکڑے ہٹ جاتے مگر اتنی کھال کو جنبش نہ ہوتی تھی جو رکانہ کے نیچے ہوتی تھی انسان وزن تھا ان کے بدن میں گویا منوں کی لاش تھی حضورؐ نے ان کو دعوت اسلام دی اس نے کہا اے محمدؐ سیدمی بات سن لو میں ایک پہلوان آدمی ہوں نہ عالم نہ عارف نہ فلسفی

صرف کشتی بڑنا جانتا ہوں اگر آپ نے مجھے کشتی میں پکھاڑ دیا تو میں اسلام قبول کروں گا ورنہ نہیں، یہ گویا اس نے حجت رکھی آپ نے فرمایا بسم اللہ! آپ کشتی بڑانے پر راضی ہو گئے وہ بھی لنگوٹ کسر اکھاڑے میں آگیا اور آپ بھی آستینیں چڑھا کر اکھاڑے میں آ گئے۔ اب رکنا نہ پہلوان کا بھاری بدن کہ اونٹ کی کھال کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں مگر اس کے نیچے سے حرکت نہ کریں لیکن آپ ایک دو واڈ پیچ کے بعد ان کے بند کمر میں ہاتھ ڈالا اور اس طرح ایک ہاتھ سے اچھال دیا کہ جس طرح سے کوئی چڑیا کو بچھڑاتا ہے اور آہستہ سے زمین پر رکھ کر آپ اسکی چھاتی پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ رکنا اب کہو تو رکنا کو یقین نہ آیا کہ مجھے حضورؐ نے پکھاڑ دیا ہے کیونکہ وہ کبھی کسی سے پھٹا ہی نہ تھا اس نے کہا کہ کیا میں پھٹ گیا ہوں آپ نے فرمایا کیا نیچے نہیں پڑے؟ اور کیا پکھڑنا ہوتا ہے یقین نہ آیا کہنے لگا کہ اے محمدؐ کشتی ایک بار اور ہوگی فرمایا بہت اچھا آپ کھڑے ہو گئے اور پھر کشتی شروع کی پھر ایک دو واڈ پیچ کے بعد آپ نے ایک ہی دست مبارک ڈالکر اٹھایا اور چڑیا کی طرح بچھڑایا اور زمین پر رکھ دیا اب یقین کرنے پر مجبور ہو گیا کہنے لگا کہ اے محمدؐ تمہارے بدن میں تو اتنی طاقت ہے نہیں کوئی اندر کی طاقت ہے آپ نے فرمایا کہ اسی اندر کی طاقت ہی کی طرف تو بل رہا ہوں۔

ظاہری طاقت کی طرف نہیں بلاتا ہوں جو میرے اندر ہے اسی کو منوانا چاہتا ہوں۔ پھر وہ اسلام سے مشرف ہو گئے۔ اب بظاہر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اکھاڑوں میں کشتیاں لڑنے کے لئے تھوڑا ہی تشریف لاتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص اپنے ایمان کو دائر کر دے اسپر کہ اسکے بغیر میرے اوپر حق و دفع ہو گا ہی نہیں تو یہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ اور حضورؐ نے ایسا کیا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جیسا مخاطب ہو ویسا ہی خطاب ہو گا۔ جیسا آدمی ویسا ہی خادم کوئی عقلمند ہے تو عقل سے خطاب کیجئے کوئی سادہ لوح ہے تو سادہ خطاب کیجئے کوئی کٹ حجت ہے تو بحث سے خطاب کیجئے اسکی نفسیات کو دیکھ کر آپ کو خطاب کرنا پڑے گا۔ وہ ضرور مانے گا مگر آپ کے دل میں جذبہ ہونا چاہیے کہ کسی نہ کسی طرح اس دین کو اس کے اندر پرونا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ سب سے پہلے یوں کہیں کہ صاحب آپ مسلمان بن جائیں نہیں بلکہ ایسا طرز اختیار کریں کہ وہ خود اپنی زبان سے کہے کہ مجھے بھی آپ اس دین میں داخل کر لیں اور وہ طرز ہے برتاؤ، اخلاق حسنہ اور عمدہ گئے معاملات۔

وہ طریقہ اختیار کرو جس غیر مسلم بھی اسلام کی طرف لپکیں: | سب سے پہلے ضرورت ہے کہ اسلامی اخلاق پیش کر دو، مظاہرہ عمل کرو، تلقین بھی کرنے رہو، آپ کے عمل سے جب اخلاق کی نوعیت واضح ہوگی اور نمایاں ہوگی تو اس سے گردیدگی پیدا ہوگی اس گردیدگی سے اسکے دل میں خود بخود داعیہ پیدا ہو جائے گا کہ مجھے اس دین کی تلقین کی جائے جس کے اندر یہ اخلاق موجود ہیں تو آپ فضا ایسی بنائیں کہ وہ خود طالب بن کر آئے کہ آپ ہمیں بھی اپنا مذہب سکھلاؤ مگر پہلے آپ خود اپنا عمل درست کر لیں اور دوسروں کے لئے عمل کا نمونہ بن جائیں دنیا کی نقالی نہ کریں بلکہ اپنے کیر کر اور کر دار پر چلیں جو اللہ اور رسول نے آپ کو بتلایا ہے صلاح و تقویٰ جب آپ کے اوپر ہوگا تو آپ کا چہرہ مہرہ خود داعی اور مبلغ بن جائے گا۔

ہندوستان میں صحابہ کرام اخلہ سندھ کے راستے سے | حضرات صحابہ سب سے پہلے جب ہندوستان میں

آئے ہیں تو سندھ کے راستے سے داخل ہوئے ہیں، مؤرخین لکھتے ہیں کہ سندھ کے بازاروں سے جب صحابہ گزرے ہیں تو ہزاروں کی تعداد میں لوگ صرف چہرہ دیکھ کر مسلمان ہو گئے ہیں کہ یہ چہرے جھوٹوں کے نہیں ہو سکتے ہیں جو ہمارے سامنے پھر رہے ہیں ان کے چہرے مہروں سے ہی پہچان لیا کہ یہ حقانی چہرے ہیں، مرد حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیشانی ذی شعور مرد حقانی کا چہرہ ہی بتلا دیتا ہے کہ یہ چہرہ کچے آدمی کا ہے اسکے چہرے سے سچائی برستی ہے تو سب سے پہلے ہمارا کر دار اور عملی نمونہ درست ہونا چاہیے اور پھر جذبہ ہو خدمت کا جو بھی ملے اسکی خدمت کریں اس میں بڑائی چھوٹائی کا فرق نہیں ہونا چاہیے آپ بڑے ہی مگر اپنے چھوٹوں کی خدمت کریں اس سے چھوٹوں کے دل میں عظمت بڑھے گی پھر یہ کہ چھوٹوں کو تعلیم ملے گی کہ بڑائی کا راستہ یہ ہے کہ آدمی چھوٹا بنے اس سے تعلیم کا طریقہ بھی معلوم ہوگا اور خدمت وغیرہ خواہی کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔

حضرت عمرؓ کی خدمت خلیق کا ایک عجیب واقعہ | حضرت عمرؓ ایک مرتبہ چلے جا رہے تھے راستہ میں ایک جگہ دیکھا کہ ایک گھر میں چند بچے ہلک ہلک کر رو رہے ہیں اور انکی ماں نے ایک ہانڈی چوبیسے پر رکھ رکھی

ہے آپ نے اس عورت کو آزادی اور دریافت فرمایا کہ یہ ہانڈی چولہے پر کیسی چڑھی ہوتی ہے اور یہ بچے کیوں رو رہے ہیں اس نے کہا کہ مجھ پر تین چار وقت سے فاقہ ہے ایک دانہ میرے پاس نہیں بچے بھوک کے مارے بلک رہے ہیں میں نے ان کو تلی دینے کو ہانڈی میں پانی ڈال کر چولہے پر چڑھا دی ہے کہ اسیں کھانا پاک رہا ہے تاکہ یہ سو جائیں اور رونا چھوڑ دیں، حضرت عمرؓ پر اثر ہوا کہ میری خلافت میں اتنے غلام موجود ہیں کہ کسی کسی وقت کے فاقے گذر گئے اسی وقت بیت المال میں تشریف لے گئے وہاں سے کچھ غلہ، کچھ آنا، کچھ دال، کچھ اور چیزیں لیکر اپنی کمرہ لاد کر اس بڑھیا کے گھر تشریف لائے ہیں امیر المومنین خلیفہ المسلمین ہیں جن کے نام سے دنیا کا پتی ہے اور دنیا کے سلاطین کا بیٹے ہیں اور وہ کمرہ لاد کر غلہ بڑھیا کے گھر پہنچ رہے ہیں وہاں جا کر خود ہی چولہا چھو لگا خود ہی آنا گوندھا اور پکانا شروع کیا۔ پھونک مارتے جاتے تھے اور چولہا دھونک جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ عمر تو قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دے گا کہ میری رعایا بھوک مر رہی تھی اور مجھے خبر بھی نہ تھی، حضرت عمرؓ کے غلام اسلم ساتھ تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جس وقت چولہے میں پھونک مارتے تھے میں دیکھ رہا تھا کہ حضرت عمرؓ کی گنجان داڑھی میں سے چھن کر جا رہا تھا اور وہ بڑھیا کہہ رہی تھی کہ عمر کو لوگوں نے خواہ خواہ خلیفہ بنادیا وہ اس قابل نہیں تھا تم اس قابل تھے کہ تم کو امیر المومنین بنایا جاتا۔ لوگوں نے بڑی غلطی کی کہ عمر کو خلیفہ بنادیا جسے یہ بھی خبر نہیں کہ انکی رعایا میں کتنے لوگ بھوکے مرتے ہیں بہر حال حضرت عمرؓ کا کہنا کہ کھلا پلا کہ جب گھر واپس آئے تو اگلے روز سے ہی بیت المال سے ان کا وظیفہ معزور کر دیا تو افادہ خلق اللہ میں چھوٹے بڑے کی رعایت نہیں آپ بڑے عالم سہی لیکن خدمت کے وقت ایسے بن جاویں جیسے آپ سب سے چھوٹے ہوں کہ یہ ہی آپ کی بڑائی کی بات ہوگی اور یہ ہی آپ کو اونچا کرے گی۔

دعوت الی اللہ کے دو درجے | بہر حال دینی دعوت ہر مسلمان کے ذمے ہے اور اس دعوت کے دو درجے ہیں ایک تو

تذکیر ہے کہ یاد دہانی کرادے اور عمل سکھلا دے وعظ سے تقریر سے، وہ تو انہوں کے لئے ہے جیسے کہ تبلیغ جماعت ہے کہ گھروں سے نکال نکال کر مساجد میں لیجاتے ہیں اور دوسرے ملکوں میں لیجاتے ہیں تاکہ ان سے عمل کرائیں اور گھر پر آرام و راحت کی زندگی چھوڑ کر جفاکشی کی زندگی سکھلائیں دوسرا درجہ

یہ ہے کہ آپ عمل ایسا بنائیں کہ غیر بھی آپ کی طرف جھکیں اور خود طالب بنیں کہ ہمیں بھی یہ چیز سکھلائیں تو پھر غیروں کو بھی دعوت دینے کا موقع ملے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا هو الذی ارسل رسولہ بالہدیٰ یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دے کر بھیجا۔ اور ہدایت یہ نہیں کہ محض عقلوں کو سونپ دیا ہو اور یہ کہہ دیا ہو کہ تم عقلمند ہو اس لئے تم خود بخود بخود توجہ کر لو میں تو صرف عقلی رہنمائی کے لئے آیا ہوں ایسا نہیں بلکہ بالہدیٰ کے ساتھ دین الحق بھی فرمایا ہے کہ سچا دین بھی نیکو آیا ہوں۔ یعنی طریقہ بھی بتلایا اور رہنمائی بھی فرمائی اور حق کا راستہ دکھلایا اور اسکی بیان فرمائی لیظہر علی الدین کتبہ تاکہ یہ دین تمام ادیان پر غالب آجائے اور چھا جائے اس لئے کہ یہ دین فطرت کے مطابق ہے اسکے اصول مصنوعی نہیں ہیں دنیا مجبور ہو کر اس کے اصولوں کو کھائے گی کیونکہ جو چیز فطرت کے مطابق ہوتی ہے اس کو ہر شخص ماننے پر مجبور ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے لا یبقی علی ظہر الرحمن بیت مدہا ولا دبر الا الفلہ اللہ بسر عزیز وذی ذلیل یعنی زمین کی پشت پر کوئی کچا پکا اینٹ پتھر کا گھرانہ باقی نہیں رہے گا جس میں اسلام کا حکم داخل نہ ہو جائے گا۔

فیكون الدين كما قال الله راوی کہتے ہیں کہ پھر تو پھر رے عالم میں ایک ہی دین بن جائے گا یہ حدیث شرح کر رہی ہے آیت لیظہر علی الدین کتبہ کی تمام ادیان پر یہ غالب آجائے گا اور اسکی غالب آنا شروع بھی کر دیا یعنی لوگ خواہ زبان سے اقرار نہ کریں مگر عملاً اسلام کو اور اسلامی جزئیات کو قبول کرتے جا رہے ہیں۔

دین کو عملاً قبول کرنے کی صورتیں ۱۱۱، وراثت غیروں کی نظر میں | مثلاً بہت سی اقوام

کے یہاں عورتوں کی میراث نہیں فقط لڑکوں کو میراث ملتی ہے ان عورتوں نے پارلیمنٹ کے ارد گرد انجی ٹیشن اور مظاہرے کئے کہ جس باپ کی اولاد ملے گی اس باپ کی اولاد ہم بھی ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہمیں وراثت میں حصہ نہ ملے احماد گورنمنٹ کو جھکنا پڑا اور ماننا پڑا اور وراثت میں لڑکیوں کو حصہ دار بنایا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ لڑکیوں کی وراثت کا اصول یہ لوگ کہاں سے لاتے یہ تو صرف اسلام میں ہی تھا اور دوسرے مذہب میں بالکل نہ تھا یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جزو

اسلامی انہوں نے قبول کر لیا ایسے ہی اب تک عموماً حکومتوں کے اندر گدی نشینی چلی آرہی تھی مگر اسلام نے رکھا کہ صلح قوم کا حاکم بنے یعنی جو شخص زیادہ صالح ہو اور قوم اسے زیادہ مانتی ہو اس کو امیر اور حاکم بناؤ اسی اصول پر آج ہر جگہ بادشاہت ختم ہو رہی ہے اور گدی نشینی باقی نہیں رہی الیکشن کے ذریعہ سے امیر اور صدر کا انتخاب ہوتا ہے بقول شخصے کہ اب دنیا میں صرف دو یا تین بادشاہ رہ گئے ہیں ایک شطرنج کا بادشاہ کہ وہ اس میں موجود ہے اور ایک انگلستان کا اور ایک ایران کا بادشاہ ورنہ سب ختم ہو گئے ہیں گو دوسروں نے وہ اسلامی اصول اپنے ملکوں میں رائج کر لیا جو اسلام کا تھا یعنی انتخاب کہ اس کے ذریعہ جو تم میں زیادہ قابل ہو اس کو منتخب کرو۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اسلام میں قابلیت کا معیار دیانت و دین و تقویٰ اور علم اور مقبولیت عند اللہ ہے اور آج کا عوامی معیار دوسرا ہے مگر انتخاب کیا جاتا ہے خواہ معیار غلط ہو پہلے یہ دستور تھا کہ عام آدمیوں میں متعین رہتا تھا کہ فلاں آدمی قوم میں بڑا متقی ہے اور دو ٹونگ کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے جو ضرورت زیادہ آگئے اسی سے جان لیا جاتا ہے کہ لوگوں کا رجحان اسی طرف زیادہ ہے یہ طریقہ ہے انتخاب کا خواہ وہ غلط ہو خواہ صحیح اس بحث نہیں مگر اسلام نے جو اصول رائج کیا تھا کہ طو کیت اور گدی نشینی ختم کر کے خلافت رائج کی تھی وہ اصول رائج ہو گیا اور آج اس اصول کو دنیا کی قومیں قبول کرتی جا رہی ہیں اور قبول کرنے پر مجبور ہیں اس کے علاوہ کوئی راستہ ہی نہیں نیز میراث کا مسئلہ قبول کیا

تعداد ازدواج کو غیروں نے بھی

(۲۱) اسلام میں تعداد ازدواج اور غیر مسلموں کا سلوک قبول کیا اور کمال تعجب یہ ہے

کہ طعن بھی کرتے جا رہے ہیں اسلامی مسئلہ پر کہ تعداد ازدواج نہ ہو اور اس پر عمل بھی کرتے جا رہے ہیں آج بھی اس ملک میں بعض غیر مسلم خاندان ایسے ہیں کہ ایک ایک آدمی کے پاس سو سو بیویاں ہیں گویا اس کو فہرست رکھنی پڑتی ہے اپنی بیویوں کی، بسا اوقات ان کا نام یاد نہیں رہتا ہے کہ کونسی بیوی کا کیا نام ہے اور یہ تک بھی یاد نہیں رہتا ہے کہ یہ بیوی میری ہے یا دوسرے کی کیونکہ جب سو بیویوں کا لشکر سامنے سے گزرے گا تو کیا پتہ چلے گا کہ کونسی اپنی ہے کونسی دوسرے کی ہے غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے تو آج بھی بعض خاندانوں میں ایک ایک کے پاس سو سو بیویاں موجود ہیں اور طعنہ اسلام پر کہ اسلام میں تعداد ازدواج ہے جنگ عظیم میں جب مقتولین کی تعداد پر جب

غور کیا تو تقریباً سات کروڑ کے قریب دونوں طرف سے آدمی قتل ہوئے۔ انکی عورتیں بیکار رہ گئیں بلامردوں کے وہ بدکاری کرتی پھرنے لگیں ملک والوں نے مضامین شائع کئے اس بدکاری سے بہتر یہی ہے کہ تعدد ازدواج اختیار کیا جائے اور کسی کئی بیویاں رکھے تو وطنہ بھی کر رہے ہیں اور موافقت میں مضامین بھی شائع کر رہے ہیں اور عمل درآمد بھی ہوتا جا رہا ہے اور برا بھلا بھی کہتے جا رہے ہیں اور قبول بھی کرتے جا رہے ہیں گویا آج اندرونی طور پر اسلام داخل ہوتا جا رہا ہے آج عملی مشق ہو رہی ہے اور کل کو دل میں اعتماد بھی پیدا ہو جائے گا پھر پورے مسلمان بن کر دین میں داخل ہو جائیں گے اور یَسْكُونُ الدِّينُ کُلُّہٗ یلٹے ہو جائے گا۔

غلبہ اسلام کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ کی پیشنگونی | حضرت شاہ ولی اللہ
پیشین گوئی ہے

وہ کلمیات الہیہ میں ان الفاظ سے فرماتے ہیں کہ وَالَّذِي اَعْتَقِدُ یعنی جس چیز کا میں یقین رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر کسی مرحلے پر ہندوستان آزاد ہوا اور یہاں حکومت آئی تو یہاں کی اکثریت کے لیڈر دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے اور دوسرے سیاسی طور پر پیشین گوئی فرماتی ہے مثلاً جارج برنارڈ شاہ نے پیشین گوئی کی ہے۔

اسلام کے متعلق جارج برنارڈ شاہ پیشین گوئی | یہ جارج برنارڈ شاہ یورپ کا بہت بڑا
فلسفی اور فلاسفر ہے اور بہت بڑا

ادیب بھی ہے قوم نے اس کے ادب کی اس درجے قدر دانی کی ہے کہ اس کا ایک لکھا ہوا جلد بازار میں نوٹ کی طرح سے چلتا تھا یعنی اگر ان کا ایک ادبی جملہ لکھ دیں تو جس دکان پر لیکر جاؤ روپیہ مل سکتا تھا اتنی زبردست قدر دانی کی ہے قوم نے تو جارج برنارڈ شاہ نے خود یہ پیشین گوئی کی ہے کہ میرا یقین ہے کہ سو سال کے اندر انڈر پوری دنیا کا مذہب اسلام بن جائے گا۔

مذکورہ پیشین گوئیوں کی تائید میں حدیث رسول | اور حدیث میں یہ پیشین گوئی
خود موجود ہے کہ لَا يَبْقَى عَلَى

ظَهْرٍ اِلَّا تَرْضَى بَيْتٌ مَدْرُودٌ وَلَا دَبْرٌ اِلَّا اُذْخِلَهُ اللهُ كَلِمَةً اِلَيْكُمْ بِعِزِّ عَزِيزٍ
وَذَلِّ ذَلِيلٌ ردائے زمین پر کوئی کچا پکا گھرانہ باقی نہیں رہے گا جس میں اسلام کا کلمہ نہیں پہنچ جائے

گا۔ رغبت سے مانویا مجبور اور مجبور کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا کہ مسلمان کسی کے گلے پر تلوار رکھیں گے اور کہیں گے کہ اسلام قبول کر دیا یا نہیں ہوگا کیونکہ اسلام میں اسکی ممانعت ہے صاف فرمایا لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ۔ کہ دین میں جبر نہیں ہوتا ہے اَخَانْتُ تَنْکِحُکَ النَّاسَ حَتّٰی یُکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ یعنی اے پیغمبر کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے اسلام قبول کرنے پر اس سے معلوم ہوگا کہ دین منوانے میں جبر نہیں ہے پھر یہ جو فرمایا کہ رغبت سے مانویا مجبور ہو کر یہ جبر تلوار کا نہیں ہوگا بلکہ اصول کا ہوگا کہ ہر فرقہ کو کہیں پناہ نہیں ملے گی اگر ملے گی تو اسلامی اصول میں ملے گی جبکہ اس کو قبول کر لیں گے جب گدی نشینی میں پناہ نہیں ملی تو انتخاب کا اصول اختیار کیا جب لوگوں کی میراث کی مخالفت میں پناہ نہیں ملی تو لوگوں کی میراث کا مسئلہ اختیار کیا تعدد ازواج کا مسئلہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے اسی طرح مجبور ہو کر ہر اصول کو اختیار کرتے رہیں گے کیونکہ دین فطرت تو خود غالب اگر رہتا ہے۔

مسلمانوں! انگلی کا کر شہیدوں میں شامل ہو جاؤ | ایسے میں جبکہ طبیعتیں اسلام کی طرف مائل ہو رہی ہوں انگلی کا کر شہیدوں

میں داخل ہونا آسان بات ہے آپ دعوت کے لئے کھڑے ہو جاویں زمانے کو اللہ نے سازگار رہنا دیا ہے آپ تھوڑی سی دعوت دیں گے تو بہت سے آدمی دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں گے اس زمانے میں یہ حلوائے بہودہ ہے پچھلے زمانے میں تو بڑا مشکل تھا، تعصبات غالب تھے لوگ قبول نہیں کرتے تھے آج قلوب کی سیلیٹ سے وہ تعصبات کی لکیریں مٹی جلی جا رہی ہیں اور دنیا عالمگیر ہو رہی ہے گویا ایک خاندان کی طرح بن گئی ہے سوازیایں ایسی کہ یورپ ایشیا امریکہ سب ایک ہو گئے ہیں دنیا اتنی قریب آگئی ہے کہ صبح کی خبر شام کو اور شام کی خبر صبح کو آ رہی ہے۔ سب جگہ وسائل نقل و حرکت اور وسائل علم و خبر اتنے پھیل گئے ہیں کہ ساری دنیا سمٹ کر ایک گھرانہ ہے تمدن اور معاشرت، میں اشتراک پیدا ہو گیا ہے لہذا قدرتی طور پر دلوں میں سوال پیدا ہوگا کہ جب سب کا تمدن ایک ہوتا چلا جا رہا ہے اور پلیٹ فارم ایک ہوتا جا رہا ہے تو مذہب بھی ایک ہی ہونا چاہیئے اور دین مذہب بھی وہی ہوگا، جس میں جامعیت ہو، اور جس میں فطرت نہ ہو، جس میں حد بندیاں نہ ہوں وہی دین پھیل سکے گا۔ اسلام کا پہلا اصول یہ کہ اس نے فطرت کو ختم کیا اور

فرق بندی کی جڑ کاٹی مگر لوگ پھر مبتلا ہو رہے ان افعال میں یہ ان فعل ہے اسلام نے اصولاً ان چیزوں کو نکال دیا ہے لہذا اسی دین میں پھیلنے اور عام ہونے کی تمام شرائط موجود ہیں اسی بنا پر ہر قسم کی پیشین گوئی اسی دین کے بارے میں ہے شرعی پیشینگوئیاں بھی ہیں اور سیاسی لوگوں کی پیشینگوئیاں بھی ہیں کہ یہ ہی دین غالب ہو کر رہے گا تو پھر دین والے اگر اس دین کو پھیلانے کی کوشش نہ کریں گے تو بد قسمتی کی بات ہوگی۔ اسلئے کہا گیا ہے کہ یہ تو حلو اسے بہبود ہے انگلی ٹکا کر شہیدوں میں داخل ہو جاؤ تو اب ہر شخص اس بات کے کچھ لگ جاتے کہ وہ ہر شخص کو دعوت الی اللہ کی طرف لاتے گا۔ انہوں کو بھی اغیار کو بھی جیسا موقعہ ہو اسی کے مناسب لوگوں کو دعوت پیش کر دے۔

غلبۂ اسلام کے متعلق خداوند عالم کی شہادت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی پیشینگوئی اور جارج برنارڈ شاہ کسے

صریح پیشینگوئی اور دوسرے لوگوں کے خیالات اور پھر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی لَا يَبْقَى عَلَى ظَهْرِ الْأَنْفُسِ الْإِثْمُ اور غلبۂ دین کے بارے میں اللہ رب العزت کی شہادت ان سب سے ظاہر ہے کہ خداوند عالم کا منشا رسول کو دین حق دے کر بھیجنے سے یہ ہی ہے کہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ تَوْفِيقِي وَلَا يَكُنْ لَكَ كَلِمَةٌ إِلَّا عَلَى الْإِذْنِ لَعَلَّكَ تَلْذِذُ بِالْعَمَلِ قبول کرتے چلے جانا وغیرہ یہ ایسے تمام نشانات ہیں جو مبتلا رہے ہیں کہ یہ دین ایک نہ ایک روز ضرور عالمگیر ہو جائے گا کہ تمام دنیا اسی دین کو قبول کر لے گی۔ اسی لئے فرمایا کہ اِنْ سَلَكَ رِجْلُكَ رِجْلًا مِنْ اَرْضٍ لَا يَدْعُكَ اِلَيْهَا فَادْعُهَا اِنْ سَلَكَ رِجْلُكَ رِجْلًا مِنْ اَرْضٍ لَا يَدْعُكَ اِلَيْهَا فَادْعُهَا یعنی اسپر اللہ اپنی گواہی ثبت فرما رہے ہیں کہ یہ ہی دین ہے جو پھیلے گا اور آگے فرمایا عَسَىٰ اَنْ يَكُونَ مِنَ الْغَايِبِ اَنْ يَنْزِلَ مِنَ السَّمَاءِ سُلْطٰنٌ مِّنْ رَّبِّكَ فَادْعُ اِلَيْهِ اِنْ سَلَكَ رِجْلُكَ رِجْلًا مِنْ اَرْضٍ لَا يَدْعُكَ اِلَيْهَا فَادْعُهَا یعنی اللہ کی گواہی اور محمد کی رسالت، مطلب یہ ہوا کہ آپ اپنی رسالت کے ذریعے کرائے ہیں اور اللہ نے اپنی گواہی سے اس کا حق ہونا واضح اور ثابت فرمایا ہے جب اللہ گواہی دیں پسح ہونے کی اور نبی آئے پھیلانے تو پھر اس کے ماننے میں کیا اشکال ہے سنا اسکی مضبوط روایت اسکی مضبوط اور کیا چیز مانع اور رکاوٹ ہے اس دین کے قبول کرنے میں اور پھر اللہ کے رسول کو جو نعمت دی گئی ہے ان میں ایک بڑی نعمت یہ بھی ہے کہ دَالِّ الدِّينِ مَعَهُ اَمْنٌ

على الکفار رحماء بينهم ترأهوا کعاً سجداً میبغون فضلاً من الله
ودخائلاً کم آپ کے ساتھی کفر پر شدید اور آپس میں رحیم و کریم ہیں اور حال یہ ہے
ان کا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کا فضل اور خوشنودی کی جستجو
ان کا اہم مشغلہ ہے۔ رات دن اسی ٹوہ میں رہتے ہیں کہ ہم وہ کام کرتے رہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہم
سے خوش ہو جائے اسی نتیجے میں ان کو رضی اللہ عنہم و دضلعنا کا خطاب ملا یعنی
اللہ تعالیٰ صحابہ کرام سے خوش ہو گئے دنیا میں اور آخرت میں بھی تو بہت بڑی نعمت ہے جو حضور
کے صدقے اور طفیل میں صحابہ کو ملی اور سلسلہ بسلسلہ ہم تک پہنچ رہی ہے مگر ملے گی ان کو جو اللہ
کا فضل تلاش کر کے ایسے کام کریں گے جن سے اللہ خوش ہو جائیں۔

اللہ نے حضور کو اور صحابہ کو منتخب فرمایا اور ہر ایک صحابی کسی نہ کسی نبی کی نسبت پر ہے

ان مذکورہ اوصاف ہی کے نتیجے میں آپ نے فرمایا کہ سارے انبیاء کے صحابہ میں میرے
صحابہ منتخب ہیں اور سارے زمانوں میں میرا زمانہ منتخب ہے اور تمام خاندانوں میں میرا خاندان
منتخب تمام ذوات میں میری ذات منتخب، تو صحابہ بھی منتخب کر لئے گئے جو نبی کے ساتھ کمال
مناسبت رکھتے تھے اور دین چونکہ جامع ہے اور تمام ادیان کا خلاصہ اور سچوڑ ہے اسلئے صحابہ میں
ہر نوعیت اور ہر نسبت کے افراد موجود ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ بعض روایات میں انبیاء کی تعداد
ایک لاکھ چوبیس ہزار آتی ہے اور صحابہ کی تعداد بھی اتفاق سے ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے تو گویا ایک
ایک صحابی ایک ایک نبی کی نسبت پر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت جلالی ہے حضرت عمر کو
دیکھا جائے تو انیس جلال موسوی نظر آئے گا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان جمالی ہے حضرت ابوذر
غفاری کو دیکھا جائے تو وہ عیسائی امت ہیں اور ان کے بارے میں فرمایا بھی گیا ہے کہ ابوذر غفاریؓ
عیسائے امت ہیں۔ صدیق اکبر کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ نسبت ابراہیمی پر ہیں یعنی وہ انداز
ہے ان کے قلب کا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کا تھا یعنی سلامتی کا توہر ہر صحابی ایک
نسبت لئے ہوئے معلوم ہوتا ہے اور نبی کریم جامع النسبت ہیں کہ ساری وہ نسبتیں جو انبیاء کو دی
گئی تھیں وہ ایک ذات بابرکات میں جمع کر دی گئیں یہ نسبتیں اوپر کی طرف منکس ہوئیں تو انبیاء

علیہم الصلوٰۃ والسلام میں پہنچیں اور نیچے آپ کے صحابہ میں تعلیم و تربیت سے وہ ساری نسبتیں پھیلیں اور پھر بعد میں درجہ اپنی نسبتوں کو لئے ہوتے بزرگ و مقدس ہستیاں پیدا ہوتی رہیں اور امت میں وہ سلسلہ برابر بدلتا رہا بعض اولیاء اللہ جلالی شان رکھتے ہیں اور بعض جمالی شان رکھتے ہیں اور بعض اعتدالی شان رکھتے ہیں غرض اولیاء اللہ کی نسبتوں کے رنگ مختلف ہیں مگر سب کی نسبتیں جا کر ختم ہوتی ہیں ذات بابرکات پر اور وہیں سے یہ سلسلہ چلا بھی ہے تو حضور جامع کمالات اور جامع نسبت ہیں اور آپ ہی کی تعلیم و تربیت سے ان نسبتوں کے رنگ اور کمالات پیدا ہوتے حضرات صحابہ میں تو ذات بھی اللہ نے یکجا پیدا کی اور ذات کے جو مصاحبین اور اصحاب ہیں وہ بھی یکجا پیدا کئے اور دین بھی آپ کو جامع دیا یہ دین لا وارث اور بے حجت نہیں ہے بلکہ سکہ ہے جو منظور شدہ ہے حکومت خداوندی میں ہر ملک میں چلنے والا ہے بشرطیکہ چلانے والے موجود ہوں۔

طلباء دین صورتہ مساکین ہیں مگر قلوباً سلاطین ہیں | بہر حال میں نے یہ عرض کیا کہ دین بھی جامع پیغمبر بھی جامع صحابہ بھی جامع

اور جہاں یہ جامعیت دین حاصل ہوتی ہے وہ ہیں ہمارے مدارس اسلامیہ کیونکہ ان میں اسی دین کی تعلیم و تبلیغ ہوتی ہے اور قوانین و اصول شریعت سکھائے جاتے ہیں اور نابان رسول پیدا کئے جاتے ہیں جن میں نبی کریم کی وراثت آئے اور ادب والے ثابت ہوں نبی کریم اور درحقیقت یہ مدارس اسلامیہ دیکھنے میں تو بہت ہی حقیر سے نظر آتے ہیں یونیورسٹیوں کو دیکھو لاکھوں کے سامان لاکھوں کی عمارتیں موجود ہیں اور یہ مدارس بہت معمولی مگر حقیقت میں معنویت ان ہی کے اندر ہے ان مدارس میں پیدا ہونے والے ظاہر ہیں مساکین مگر قلوب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ سلاطین ہیں صورت طالب علموں کی مسکین کی سی ہوتی ہے لیکن اگر صحیح معنوں میں طالب علم ہے تو وہ سلاطین کا علم رکھتا ہے اس کے اندر غنا اور استغناء علوم تربیت اور غنا نفس یہ سب چیزیں ہوتی ہیں بشرطیکہ وہ طالب علم ہو۔ اور ذی استعداد ہو وہ کسی کے بس کا نہیں ہے

حضرت عالمگیر اور ایک طالب علم کا دلچسپ واقعہ | ایک مرتبہ حضرت اور ننگ نیب عالمگیر دلی میں اپنے منٹن بڑے

میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک طالب علم گذرا، طالب علم ہونے ہی ہیں ایسے الول جھلول کہ جوتیاں چٹکھاتے جا رہے ہیں کتاب بغل میں لباس پھٹا ہوا۔ اور نگ زیبے وزیر سے کہا یہ کون ہے جو جا رہا وزیر نے تحقیر آمیز لہجے میں تعارف کرایا کہ یہ ایسی قوم کا فرد ہے کہ جو سختی سے اور بیکار قوم ہے یعنی مولوی کی قدیم، تو عالمگیر چونکہ خود عالم تھے اس لئے وہ جانتے تھے اہل علم کی قدر و منزلت، انہوں نے کہا کہ اگر یہ سچا طالب علم ہے اور واقع میں طالب علم ہے تو تم جیسوں کو بازار میں بیچ آئے گا اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی یہ تمہارے بس کا نہیں ہے وزیر نے کہا کہ حضور یہ خوش اعتقادی ہے بادشاہ نے کہا کہ اچھا امتحان کر چو بدار کو بھیجا کہ اس طالب علم کو بلا لاؤ۔ وہ چوب دار اس طالب علم کے پاس پہنچا اور کہا کہ تم کو جہاں پناہ یاد کرتے ہیں طالب علم اس کے ساتھ ہوئے۔ حلیہ یہ کہ پکڑی بھی بھٹی ہوئی اور کپڑے بھی ایسے ہی اور تمام لباس گرد آلود اور کتاب بغل میں اور ایسے الول جھلول مگر وہ طالب علم ذی استعداد تھا بہر حال وہ پیش کئے گئے بادشاہ کے سامنے۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا امتحان کرو تاکہ میری بات کی صداقت ظاہر ہو۔ تو اب وزیر اعظم نے کچھ سوالات کرنے شروع کئے مگر اچھے سوالات کہ جو نہ کتاب سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ علم سے ادھر ادھر کے سوالات کئے جسے ان ردو کہتے ہیں جس سے ذہن کا اندازہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور وزیر اعظم نے سوال یہ کیا کہ میاں صاحب جزا دے یہ جو حوض ہے جہاں جہاں پناہ بیٹھے ہوئے ہیں اسمیں کتنے کٹورے پانی ہوگا اب ظاہر بات ہے کہ یہ کوئی علمی سوال تو تھا نہیں کہ جس کا جواب دیا جاتا صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ مجھے کیا خبر ہے کہ اسمیں کتنے کٹورے پانی ہوگا۔ چونکہ طالب علم ذہین تھا اسلئے اس نے یہ کہا کہ مضور کٹورہ متعین کر دیجئے اگر حوض کا آدھا کٹورہ ہے تو اسمیں دو کٹورے پانی ہے اگر تہائی ہے تو تین کٹورے پانی ہے اور اگر چوتھائی ہے تو چار کٹورے پانی ہے تو کٹورے کی مقدار آپ متعین کر دیں۔ پھر میں بتلا دوں گا۔ یہ جواب سنکر بادشاہ ہنسیں رہے ہیں اور وزیر چپ ہیں بس یوں کہنے کے سامنے سوالوں کو اسی پر لٹا دیا ہے۔ اس کے بعد اس سے وزیر اعظم نے کہا کہ میاں صاحب جزا دے یہ تو بتاؤ اس زمین کا بیج کچاں ہے کہ اگر چاروں طرف خط کھینچے جاویں تو وہ خط برابر چلے جاویں وہ طالب علم کون سا نام پئے گیا تھا زمین کو مگر ملا آں باشد کہ چپ نہ شود

طالب علم ذہین تھا اس نے اپنی ذہانت سے کام لیا اپنی پکڑی اتاری اور زمین کو ناپنا شروع کیا چار گز ادھر سے چار گز ادھر سے اور وہاں کھونٹی گاڑی اور وہاں نشان لگایا اور چاروں طرف سے کھونٹی کھونٹی ناپ کر بیچ میں ایک کھونٹی گاڑ دی اور کہا کہ یہ ہے زمین کا بیج اگر یقین نہ آئے تو زمین کو اس کے چاروں طرف سے ناپ لو۔ اگر کچھ کمی بیشی ہو تو پھر مجھ سے ذکر کیجئے گا ورنہ اعظم یہ بات سن کر حیرت اور تعجب کیوجہ سے چپ ہیں اور جہاں پناہ نے منہ پر رد مال رکھ کر ہنسنا شروع کیا اور کہا اچھا پچھانا ہے وزیر عظم کو وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اسے چت کر لوں گا حالانکہ اسٹیل اسے چت کر لیا مگر اس قسم کی گفتگو وہی طالب علم کر سکتا ہے جو ذہین و فطین بھی ہو اور صفت غنا سے بھی متصف ہو

مدارس اسلامیہ کا مقصد حقیقی دعوت الی اللہ تو بہت چھوٹے معلوم ہوتے ہیں مگر موتی اور ہیرے ان ہی سے پیدا ہو کر نکلتے ہیں جو داعی بن کر دنیا کے سامنے جاتے ہیں جو اصل غرض دعا بیت ہے ان کے قیام کی اور خبر ہمارا یہ مدرسہ باقیات الصالحات تو ماشاء اللہ ظاہر میں بھی بہت ادب نچا ہے اسکی عمارتیں دیکھو تو معلوم ہو گا جیسے دائرے کی کوٹھی ہو یہ عمارت کے لحاظ سے بھی بہت ادب نچا ہے مگر عمارت مدارس میں معمولی عمارتیں ٹوٹی چٹائیاں ہوتی ہیں مگر جو اس پر صحیح طور پر بیٹھ کر پڑھ کر فارغ ہوں دماغ ان کا بادشاہوں جیسا ہوتا ہے قلب ان کا ادب نچا ہوتا ہے اب یہ کہ طالب علم ہی محنت کر کے نہ پڑھے یا استاد ہی محنت کر کے نہ پڑھائے تو وہ قصور طالب علم کا یا استاد کا ہے اگر طالب علم نے بھی محنت سے پڑھا ہے اور استاد نے بھی محنت کر کے پڑھایا ہے اور تعلیم و تربیت کی ہے تو ان ہی پچھتے پرانے پٹروں میں لعل نکلتے ہیں اور ان گدڑیوں میں ہی ہیرے اور جواہرت پیدا ہوتے ہیں تو بہر حال اصول اسلام اور دین کے ایسے ہیں لَسْتَظْلَمُوا عَلَى الدِّينِ کَلْبَ ضرر مرتب ہو کر رہے گا۔ اور دین ضرور غالب ہو کر رہے گا پہنچانے والے صحیح ہونے چاہئیں اور دل میں جذبہ ہو اور اپنے اپنے درجے اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق ہر ایک کو شش کرے تعلیم اپنی جگہ ہے وہ مدارس میں ہونی چاہیے اور تربیت اپنی جگہ ہے وہ خانقاہ میں ہونی چاہیے اور دعوت اپنی جگہ ہے اسمیں خانقاہ اور مدارس سب برابر ہونے چاہئیں مشائخ بھی دعوت

الی اللہ کے لئے اسی درجے آگے بڑھیں اور علماء بھی اسی درجے آگے قدم بڑھائیں اور محض علماء اور مشائخ کا ہی نام نہیں ہے بلکہ عوام کا بھی یہ ذمہ ہے کہ کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ میں مشائخ کی تخصیص ہے نہ علماء کی بلکہ پوری امت کو کہا گیا ہے کہ وہ خیر امت ہے تاسرون بالمعروف وتنہون عن المنکر کہ تمہارا کام ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو ان مدارس سے حقیقی غرض دعوت الی اللہ ہے کہیں تعلیم سے کہیں تبلیغ کے ذریعہ کہیں وعظ کے ذریعہ کہیں تصنیف کے ذریعہ مگر ہونی چاہیے دعوت اور یہ دعوت انہوں میں اور غیروں میں سب میں عام ہونی چاہیے کسی خاص طبقہ تک محدود نہ رہے۔

جشن صد سالہ پر حضرت حکیم الاسلام کی طرف اہل مدرسہ کو مبارک
باد اور ایک صدی گزرنے پر انقلاب حالات پر مختصر کلام | اہل مدرسہ

اور اہل جلسہ کو مبارکباد دیتا ہوں اس سوسالہ جو بلی پر جو انہوں نے منائی ہے اور صد سالہ جشن کیا الحمد للہ کہ اللہ نے اس جشن کو کامیاب بنایا اور اس سے دین کی تجدید ہوئی اور یہ ایسا ہی ہو گیا جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَنْبَغُ لِهَذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی مَا سَمِعْتُمْ مِّنْ كَلِمَةٍ مَا يَنْبَغُ لِهَذِهِ الْمَعْمَا کہ اللہ تعالیٰ ہر قرن میں اور ہر صدی میں ایک نہ ایک مجدد و ضرور بھیجتا ہے جو دین میں نکاح پیدا کرتا ہے اور دین کو تازہ بنا دہ کر دیتا ہے لوگوں میں جہالت کی وجہ سے جو بدعات، غرافات، منکرات پیدا ہو جاتے ہیں مجدد اگر ان کو نکھارتا ہے اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیتا ہے سنت کو بدعت سے ممتاز کر دیتا ہے حق کو باطل سے الگ کر دیتا ہے عقائد حق کو عقائد باطل سے الگ کر دیتا ہے اللہ نے ہر صدی میں ایسی شخصیت کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ایک صدی درحقیقت مقدار ہوتی ہے ایک طبقے کے لئے یعنی سو برس کے اندر اندر نبی آدم کا ایک طبقہ ختم ہو جاتا ہے دوسری صدی میں دوسرا طبقہ شروع ہو جاتا ہے عمریں اس امت کی اوسطاً ساٹھ ستر کے لگ بھگ ہوتی ہیں حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اَعْمَاسُ اَقْبَتِي مَا بَيْنَ السَّيِّئَيْنِ وَالسَّيِّئَيْنِ میری امت کی عمریں ساٹھ ستر کے درمیان ہونگی اب کوئی آدمی ستر سے تجاوز کر جاتا ہے تو کوئی ساٹھ سے بھی کم ہی رہ جاتا ہے مگر اوسط اگر امت کی عمریں کا یہ ہی کہتا ہے کہ امت کی عمریں ساٹھ ستر کے درمیان ہیں بہر حال سو برس کے اندر اندر ایک

نسل ختم ہو جاتی ہے اور دوسری نسل آکے دنیا کو سنبھالتی ہے اور یہ ایک طبعی بات ہے کہ ہر سو برس کے بعد جب دوسری نسل آتی ہے تو فکر بھی بدلتا ہے نظریات بھی بدلتے ہیں۔ اس میں اندیشہ تھا کہ کہیں نئے نظریات میں دین ضائع نہ ہو جائے۔ نظریات مل ملا کر دین وغیرہ میں خلط نہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے ہر صدی اور قرن کے شروع میں مجدد آئے تاکہ نئے نظریات قائم ہونے کے وقت دین کو سنبھالے اور دین کو نکھار کر پیش کرے اور ان نئے نئے نظریات کا اثر دین پر نہ آنے دے۔ اور دین کو پھر دنیا کے سامنے پیش کرے اسلئے ہر صدی پر اللہ نے مجددین کو بھیجے کا وعدہ فرمایا ہے۔ تو آپ کے مدرسے پر ایک صدی گزر گئی اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک علمی نسل پوری ہو کر دوسری نسل کا اسمیں آغاز ہوا۔ لہذا جشن منانے کا مطلب ہے تجدیدِ علم کی اور تجدیدِ مدرسے کے افکار کی تجدید مدرسہ کے منصوبوں کی تو گویا سو برس کے اندر اندر آپ تجدید کر رہے ہیں ان منصوبوں کی جو باتوں نے سامنے رکھے تھے۔ وہ حضرات جن منصوبوں پر اس درس گاہ کو قائم کر کے گئے ہیں ممکن ہے ہماری طرف سے ان میں کچھ سستی ہوئی ہو کچھ خلط ملط ہوا ہو۔ اس جشن کے بعد پھر تجدید ہو جائے گی اور وہی مقاصد پھر سامنے آجائیں گے جو باتوں کے تھے۔ تو پھر یہ مدرسہ جو شکل دارالعلوم ہے نو بہ نو ہو جائے گا۔ تو آپ کے اس جشن کو ایک گونہ تشبیہ حاصل ہو گئی تجدید دین سے کہ وہاں بھی سو برس کی قید ہے اور آپ بھی مدرسہ کا جشن مبارک سو برس میں منارہے ہیں جس کے ذریعہ مجددیہ مہر پہی ہے اور ایک نئی امنگ پیدا ہو رہی ہے علم کو تازہ کرنے کی اور اگر ایسے جشن منائے جاتے رہیں تو ایسے لوگوں کے دلوں میں بھی امنگ پیدا ہوتی رہے گی جو علم سے بیگانے ہیں اور اس کے پائے تک نہ آتے ہیں اور نہ آنے دیتے ہیں بلکہ اس علم دین کو فضول جانتے ہیں اس طرح سے یہ جلسے جلوس ذریعہ بن جائیں گے علم کے پھیلنے کا اور لوگوں تک بات پہنچانے کا۔ اور دعوت الی اللہ دینے کا راستہ کھل جائے گا۔ اسلئے یہ آیت میں نے تلاوت کی تھی اور طالب علمانہ انداز میں جو باتیں میرے ذہن میں آئیں وہ میں نے عرض کر دیں۔

دعا | حق تعالیٰ شانہ اس مدرسہ جیسا کہ یہ مرکزی مدرسہ ہے اس مرکز کی شان کے مطابق آئندہ اس کے کام لے لے۔ اور مرکزی طور پر ہی اس کے علوم و کمالات پھیلیں اور اس کے اساتذہ

کے ذریعہ سے علم اور اخلاق کی ... خدمت ہو اور قوم بلند ہو اور علم نبوت دنیا کے اندر پھیلے، اور حق تعالیٰ شاء اس جشن کو اسلام کی طرف مائل ہونے کا ذریعہ بنا دے ان طبقات کے لئے بھی جو علم سے نا آشنا ہیں اور اللہ رب العزت ہمیں اور آپ کو اور اہل مدرسہ کو اور ہم سب کو علم و عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا انجام بخیر فرمائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا صَالِحًا وَدِرْزًا قَاسِمًا وَشِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ وَحَسْنَ الْخَاتِمَةِ وَتَوْفَقًا مُسْلِمِينَ وَالْحَقُّ يَا لِمَا لَمْ يَجِدْ غَيْرَ حَزْرًا يَا دَلَا مَفْتُونِينَ وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ ۝

تحفہ مولانا

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
 حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ
 سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
 کی وفیات پر تہذیبی تفسیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بزرگان محترم! اس وقت مجھے کوئی تقریر کرنا یا وعظ کہنا مقصود نہیں۔ نہ ہی یہ جلسہ اس غرض کے لئے منعقد کیا گیا ہے فی الحقیقت یہ جلسہ بھی نہیں۔ جمعہ پڑھنے کے لئے لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ میں بھی اسی سلسلہ میں حاضر ہوا لیکن چونکہ لاہور میں اس سال قریبی مدت میں دو عظیم حادثے پیش آئے اور درتانی عالم اس دنیا سے اٹھ گئے جو ہم سب کیلئے بے حد صدمے، انتہائی قلق اور دکھ کی بات ہے۔ اس وقت میری غرض صرف اسی سلسلے میں اپنے دکھ درد کا اظہار کرنا ہے اور کلمات تعزیت پیش کرنے ہیں۔

اگر کسی گھرانے میں سے کوئی بڑا اٹھ جاتا ہے تو عرصہ دراز تک گھر کا نظام ٹھیک نہیں بیٹھتا۔ اسی طرح کسی جماعت یا کسی اجتماع کا کوئی ذمہ دار اٹھ جائے تو عرصہ دراز تک لوگ اسکی جدائی کو محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک عالم ربانی فی الحقیقت اپنے حلقہ میں بمنزلہ روحانی باپ کے ہوتا ہے اور جتنے لوگ اس کے زیر تربیت یا زیر تعلیم ہوتے ہیں وہ بمنزلہ روحانی اولاد کے ہوتے ہیں۔ روحانی سلسلہ میں کسی عالم کا گزر جانا ایسا ہی ہے جیسے مادی سلسلوں میں کسی گھرانے کا باپ گزر جائے اور اولاد یتیم رہ جائے۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فی الحقیقت دین کے دو زبردست ستون اور رکن تھے۔ ان کا اٹھ جانا کوئی معمولی حادثہ نہیں ہمارے دل بے چین ہیں، دماغ مضطرب ہیں اور قدم قدم پر ان کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔

یہ کلمات تعزیت جو میں عرض کر رہا ہوں درحقیقت یہ ان کی وفات پر تعزیت نہیں کیونکہ وفات یا موت غم کرنے کی چیز نہیں۔ دنیا میں دو چیزیں ایسی ہیں جن پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے ایک کسی شے کی ابتداء اور دوسری انتہا۔ یہ دونوں ہی چیزیں غمی کا باعث نہیں ہوتیں بلکہ خوشی کا موجب ہوتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابتداء میں خوشی مقاصد کے

پورا ہونے کی توقعات پر کی جاتی ہے اور انتہا میں تکمیل مقاصد پر فرحت حاصل ہوتی ہے کہ آج وہ مقصد پورا ہو گیا۔ تو نہ ابتداء غم کی چیز ہوتی نہ انتہا غم کی چیز۔ آپ ایک باغ لگاتے ہیں عادت یہ ہے کہ پہلے پودا لگائیں تو جماعت جمع کرتے ہیں، اعزاء و اقارب کو دعوت دیتے ہیں مٹھائی تقسیم کرتے ہیں، خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ بیج ڈالا جا رہا ہے ابھی کسی چیز کا وجود نہیں پھر خوشی کس بات کی۔ خوشی غصہ اس توقع پر ہوتی ہے کہ ہم درخت لگا رہے ہیں۔ چند سال کے بعد اس سے پھل آئے گا اور ہم اس سے منتفع ہوں گے۔

دو چار یا پانچ سال کے بعد جب باغ پھل لاتا ہے تو پھر خوشی اس بات کی ہوتی ہے کہ ہمارا وہ مقصد پورا ہو گیا جس کی ہم نے ابتداء کی تھی۔ اسی طرح جب ایک بچہ پیدا ہوتا ہے تو دستور یہ ہے کہ لوگ خوشی کرتے ہیں لوگوں کو جمع کرتے ہیں مٹھائی تقسیم کرتے ہیں لوگوں پر سرتوں کا اظہار کرتے ہیں اور توقعات باندھتے ہیں کہ لڑکا بڑا ہوگا، اس سے ہمارے مقاصد پورے ہوں گے، یہ ہماری شادمانی کا موجب بنے گا۔ اور اسی طرح کئی اُمیدیں اسکے ساتھ وابستہ کر لیتے ہیں۔ یہ سب باتیں خوشی کی ہیں۔ اسی طرح جب کوئی گزر جائے تو موت غم کی چیز نہیں۔ موت کے معنی میں اکمال اور تکمیل کے۔ ابتداء میں جو چیز بچہ سے وابستہ تھی وہ موت کے ساتھ مکمل ہو گئی۔ سواب موت قاطع نہ ہوتی اگر کسی چیز کو توڑ دے یا قطع کر دے بلکہ جو حالات مرنے والے سے متعلق تھے وفات سے ان کی تکمیل ہو گئی۔

اگر ایک شخص کا ایمان پر خاتمہ ہو گیا تو خوشی اس لئے ہے کہ اب کوئی تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں جو ہوتا تھا سو ہو گیا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اور اگر کسی شخص کا کفر پر خاتمہ ہوا ہو اس میں بھی تغیر و تبدل نہیں ہوگا۔ موت ہر حالت میں مکمل ہے یا کفر کی تکمیل کرے گی یا ایمان کی۔ فسق و فجور کی تکمیل ہوگی یا تقویٰ و طہارت کی۔ لفظ تکمیل خوشی کا باعث ہے غمی کا نہیں۔

پھر بھی اگر ہم مرنے والے پر غم کرتے ہیں تو وہ اپنی جدائی کا صدمہ محسوس کرتے ہیں اسکی موت کا نہیں واقعہ یہ ہے کہ ہم فوائد و برکات سے محروم ہو گئے یہ غم ہماری خود غرضی

پر مبتی ہے ہم اپنی محرمی کا ردنا رو رہے ہیں۔ اصل میں موت کی غمی کوئی چیز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عن عبد اللہ بن عمر، وقال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تحفة المومن الموت درواہ البیت فی شعب الایمان
(ترجمہ) مومن کا سب سے بڑا تحفہ موت ہے۔

موت ایک پل ہے کہ جس سے گذر کر آدمی اپنے محبوب حقیقی تک پہنچتا ہے
ظاہر ہے محبوب حقیقی تک پہنچنا غمی کی بات نہیں انتہائی خوشی کی چیز ہوتی ہے جو چیز
محبوب حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ بنے اس سے بڑھ کر باعث مسرت اور کیا شے ہو سکتی
ہے یہ تو نہایت ہی خوشی اور مسرت کی بات ہے اور بعض اوقات تو اس موت پر جو
کسی مبارک وقت میں مقدس مقام پر یا نیک مقصد کی خاطر آئے آدمی کے پسماندگان اور
دارثوں کو تسلیاں دی جاتی ہیں۔

موت اگر پاکیزہ زمانے میں ہو تو آپ کہا کرتے ہیں بھی خوش ہونے کا مقام
ہے۔ مرنا تو یقینی تھا لیکن دیکھا رمضان شریف کے مہینہ میں موت آئی۔ جمعہ کے دن موت
آئی۔ یہ تو خوش قسمتی کی بات ہے۔ اور اگر کسی شخص کا انتقال مکہ معظمہ میں ہو جائے یا مدینہ
منورہ کی زمین اُسے نصیب ہو جائے تو آپ ہی کہا کرتے ہیں۔ میاں روتے کیوں ہو خوش
ہونے کا مقام ہے کہاں ایسی قسمت تھی کہ مدینہ کی زمین نصیب ہو۔ اس معلوم ہوتا ہے
کہ مرنا کوئی غم کی چیز نہیں وہ تو تقدیر ہے جو ایک مقصد لے کر انسان کھڑا ہوا تھا اُسے پورا کر دیا۔
ایک عالم رباتی۔ اس کا سب سے بڑا مقصد ہوتا ہے دین کا پہنچانا اور دین پر لوگوں
کی تربیت کرنا مرتے دم تک وہ اسی نگ و دو میں رہتا جس قدر لوگوں کی تربیت اس کے ہاتھ
پر ستر تھی موت کے وقت اسکی تکمیل ہو جاتی ہے کتنوں کو اس نے عالم بنایا اور کتنوں کو
کامل کر کے تکمیل تک پہنچایا اب کامل بننا بھی غم کی چیز نہیں پس غم صرف یہ ہے کہ جو
ہستی آج ہم سے جدا ہو گئی ہم اسکی صورت دیکھنے سے غمزدہ ہو گئے اس کے فیوض و برکات
ہم سے اٹھ گئے۔ تو رونا اپنا ہوتا ہے جانے والے کا نہیں۔

بہر حال اگر ہم بھی آج حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا غم کر رہے ہیں تو وہ ان کا غم نہیں وہ تو الحمد للہ اپنے مقصد کو پا چکے اور جیسا کہ اللہ کی ذات سے توقع ہے وہ تو یقیناً اعلیٰ مقامات میں ہیں۔ امام محمدؒ کی جب وفات ہوئی تو بعض عارفین نے خواب میں آپ کو دیکھا اور پوچھا: "آپ کے ساتھ حق تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟" فرمایا کہ مرنے کے بعد میری پیشی ہوئی حق تعالیٰ کے سامنے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: "اے محمد! میں نے تجھے بخش دیا۔" اس کے بعد یہ جملہ فرمایا۔
 "اگر تجھے بخشنا نہ ہوتا تو اپنا علم تیرے سینے میں کیوں ڈالتا میں نے علم دیا ہی اس لئے تھا کہ تجھے مقبول بنانا تھا۔ تیری مغفرت کرنا تھی۔"

تو آج اگر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اعلیٰ ترین مقامات پر پہنچ گئے ہیں خدا نے ان کے سینے میں قرآن و حدیث کا علم ڈالا تھا وہ اس لئے نہیں ڈالا تھا کہ معاذ اللہ ان کو رسوا کرنا تھا وہ اس لئے ڈالا تھا کہ علم عظمت کی چیز ہے۔ خدا کے ہاں انشاء اللہ ان کے مقامات بہت بلند ہیں جس عالم دین نے ساری عمر تقویٰ و طہارت پر بسر کی، افادے سے بسر کی، لوگوں کی تربیت کی، لوگوں کو دین پونچایا، علم پونچایا۔ تو اللہ کے ہاں یہ خدمت رائگان نہیں جاتیں۔ یہ اس لئے کرائی گئیں کہ وہ سر بلند رہیں اور اپنے مقامات پر پہنچیں۔ آج ان کا غم نہیں انہیں تو جانا ہی تھا۔ موت ایسی چیز ہے کہ وہی تشریف نہیں لے گئے ہمیں بھی ایک روز جانا ہے غم کی اس میں کوئی بات نہیں اور اگر وہ غم کی چیز ہے تو ہمیں اپنی موت کا غم کرنا چاہیے کہ پتہ نہیں کب آجائے

میں عرض کر چکا ہوں کہ موت غم کی چیز نہیں غم جدائی کا ہوتا ہے جس ہم پریشان ہوتے ہیں رنجیدہ ہوتے ہیں اور ایک حد تک تو یہ پریشانی بھی اسوجہ سے ہے کہ ان کی مقدس صورت آنکھوں کے سامنے نہیں لیکن ان کی حقیقت آج بھی موجود ہے۔ عالم جب دنیا سے گذرتا ہے تو اسکی ذات گذرتی ہے اس کا علم نہیں گذرتا۔ علم تو آج بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا اسی طرح محفوظ ہے جس علم کو انہوں نے دوسروں میں ڈالا، دوسروں

کی تربیت کی وہ ان کو سیدھے سچے راستے پر ڈال گئے جب تک چلنے والے اس راہ پر چلتے رہیں گے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی سمجھی جائے گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے چند چیزیں صدقہ جاریہ میں ان کا اجر ابد الابد تک ملتا رہے گا۔ ان میں مختلف چیزیں فرماتی ہیں مثلاً کوئی شخص کنواں بنوادے، تالاب، سرائے یا مسجد بنوادے ان میں سے ایک نیک اور صالح اولاد بھی ہے اولاد جس قدر صالح اور متقی ہوگی دوسروں کو نیکی کی راہ پر چلائے گی۔ اس کے ذریعہ سے لوگوں تک جو علم پہنچے گا جتنا ان سب کو اس کا ثواب ملے گا اتنا ہی باپ کو بھی ثواب ملے گا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنی روحانی اولاد اور علمی ذریت پیچھے چھوڑی ہے وہ فی الحقیقت جتنا کام کرے گی جتنا اجر ان کو ملے گا اتنا ہی حضرت مولانا کو اس کا اجر ملے گا۔

ان کے جانے کے بعد بھی ہم ان کے فیوض سے محروم نہیں لیکن آپ کی صورت زیبا نہیں مقدس شکل آنکھوں سے اوجھل ہے صورت بھی تذکرہ کا باعث بنتی ہے اللہ والوں کی صورت دیکھ کر بھی خدا یاد آجاتا ہے بیشک اس میں تو محرومی ہوگئی ان کو دیکھ کر جو جذبہ ہم اپنے اندر پیدا کرتے تھے اس سے محروم ہو گئے لیکن جو ترک وہ چھوڑ گئے ہیں وہ علم و معرفت اور فضل و کمال کا ترکہ ہے، حق راہ کا ترکہ ہے بجز اللہ وہ موجود ہے۔ خدا تعالیٰ نے انھیں صالح اولاد دی اور توقع ہے کہ وہ اس ترکہ کو آگے چلانے کی ان کا مشن آگے بڑھائے گی۔ یہ کام روحانی اولاد بھی کرتی ہے اور جسمانی بھی مگر جسمانی اولاد سے توقعات زیادہ ہوتی ہے کیونکہ جو مناسبت مزاج اور افتاد طبع کے لحاظ سے خود اپنی اولاد کو ہوتی ہے وہ دوسرے عزیزوں میں اس درجہ کی نہیں ہوتی وہ خود تھوڑا سا کام بھی کریں تو آگے بڑھ جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی دینی الہی اور وحی خداوندی کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے حق تعالیٰ سے بیشک دعا مانگی۔

دعا مانگنے کا ڈھنگ بھی انسیا رہی کو آتا ہے ہر ایک کو مانگنے کا طریقہ نہیں انھیں کی جوتیوں کے طفیل میں بھی مانگا گیا اور ہم دعا کر سکتے ہیں۔ اصل دعا کرنا کیا ہے عجیب و غریب انداز سے دعائیں کرتے ہیں عنوان ایسا اختیار کیا گیا کہ قدرتی طور پر اس کا نتیجہ قبولیت کی صورت

میں ہی نکلے حضرت زکریا علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے دعا کی بیٹا مانگنے کی اور بیٹا مانگا تو اس عنوان سے مانگا۔

اس وقت کو یاد کرو اِذَا نَادَى رَبَّهُ يَنذِرُ خَفِيًّا کہ جب زکریا علیہ السلام آہستہ آہستہ دل میں اپنے رب سے مراد مانگ رہے تھے۔ مانگنے کا ڈھنگ دیکھئے۔ یہ نہیں کہا۔ اے اللہ مجھے بیٹا دیدے بلکہ اول اپنی حالت بیان کی قَالَ رَبِّ اِلَيَّ وَهْنُ الْعَظْمِ مَتَّى وَاسْتَعْلَ الرَّأْسُ شَيْبًا۔ اے میرے رب بڑھاپا اس قدر چھا گیا ہے کہ میری ہڈیاں سست پڑ گئی ہیں۔ ان میں گودا خشک ہو گیا ہے روغن رہا نہیں سر بھی دھوپ کی طرح سفید ہو چکا۔ میری کیفیت یہ ہے کہ اندر قوت رہی نہیں اوپر بڑھاپا چھا گیا ہے۔

دوسرے لفظوں میں اولاد ہونے کی صلاحیت نہیں رہی کیونکہ اسباب ظاہری میں اولاد قوت و طاقت سے ہوتی ہے اور یہاں نہ اوپر جان باقی ہے نہ اندر ہی توانائی کا نشانہ۔

ساتھ ہی رحمت کو جوش میں لانے کے لئے یہ بھی عرض کر دیا۔ وَلَوْ اَكُنْ بِدَعَاؤِكَ رَبِّ مَسْتَقِيًّا کہ محروم کبھی اپنے کیا نہیں۔ آگے ایک جملہ اور رکھ دیا کہ رشتہ داروں سے توقع نہیں کہ وہ میرے مقاصد کو پورا کریں اور میرے مشن کو آگے چلا دیں۔

دنیا میں رشتہ دار ہوئے بھی کس کے ہیں کہ ان سے توقعات وابستہ کی جائیں۔ مرنے والے کے بعد رشتہ داروں کو صرف یہ فکر ہوتی ہے کہ اس نے ترک کیا چھوڑا، دولت کتنی باقی ہے، جائیداد کس قدر ہے کہ وہ اس پر قبضہ کریں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کوئی جائزہ اٹھتا ہے تو ملائکہ اس کے آگے آگے پکار کر کہتے ہیں مَا قَدَّمَ فُلَانٌ مَا قَدَّمَ فُلَانٌ اس شخص نے کیا چیز آگے بھیجی کہ توشہ آخرت ہو اور سامانِ نجات بنے۔ مگر وارث کہتے ہیں مَا آخَرُ فُلَانٍ مَا آخَرُ فُلَانٍ اس شخص نے پیچھے کیا چھوڑا ہے کہ اسے بٹھیا لینے کی فکر کریں اور حرص و ہوا سے پیٹ بھریں۔ مرنے والا ابھی قبر میں نہیں پہنچتا کہ جائیداد کے اوپر لڑائی کے منصوبے بننے لگتے ہیں

جو رشتہ دار اس طرح ہمہ تن متوجہ ہو کر دولت کی طرف بڑھیں ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ وہ مقاصد کو آگے چلا لیں گے۔ چنانچہ اسی لئے حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا اِنِّیْ حِفْتُ الْمَوَالِیْ مِنْ قِوَادِیْ بِمُحِبِّ رِشْتَه دَارُوں سے کوئی توقع نہیں۔ اور جہاں تک بیوی کا تعلق ہے وَكَانَتْ اَمْرًا اِنِّیْ عَاقِبًا وہ بھی بانجھ ہے بیٹا جننے کی اس میں صلاحیت نہیں۔

گویا اس طرح اسباب ظاہری کا تمام تر فقدان ظاہر کر کے بارگاہ رب العزت میں عرض مدعا ان الفاظ کی۔ فَهَبْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا۔ یا اللہ! مجھے ایک والی اور وارث اپنے خزانہ غیب سے عطا کر۔

وہ کیسا وارث ہو؟ یَرْشِدُنِیْ دَبِّ دَحْنِیًّا جو میرا وارث ہو اور آل یعقوب کی جگہ بیٹھے۔ انبیاء کی وراثت دولت نہیں ہوتی، مال نہیں ہوتا۔ علم اور فضل ہوتا ہے، اخلاق کمالات ہوتے ہیں۔ تو وہ آل یعقوب نے علم و اخلاق کا جو ترکہ چھوڑا تھا اس کو سنبھالے وہ وارث بنے نبوت کا۔ اور لگے ہاتھوں یہ بھی عرض کر دیا کہ وہ پسندیدہ بھی ہو۔

جامعیت دعا کا اندازہ کیجئے کہ اولاد مانگی بھی تو کیسی مانگی کہ ہر طرح پسندیدہ ہو۔ اگر اولاد میرے کام نہ آئی یا دنیا کے کام کی نہ ہوئی اور یا اگر بے ڈھنگی ہوئی تو ایسی اولاد سے کیا فائدہ۔ اور پھر یہ سب کچھ بھی ہو لیکن آپ کے ہاں پسندیدہ نہ ہوئی تو پھر میں ایسی اولاد کو کیا کروں گا۔ اس لئے محض اولاد نہیں مانگتا بلکہ دعا کرتا ہوں کہ اس کو راضی، مرضی اور پسندیدہ بنا۔

یہ دعا اور اپنی حالت اس لئے پیش کر دی کہ اگر اپنی یہ حالت پیش کئے بغیر دعا فرماتے تو جواب آ سکتا تھا کہ آپ بوڑھے ہو گئے ہیں سنت اللہ کے خلاف ہے کہ اس حالت میں بیٹا دیا جائے۔ گو قدرت میں ہے مگر عادت ہماری یہ ہے کہ اسباب و مسببات کے بغیر بیٹا نہیں دیا کرتے آپ کے اندر وہ طاقت نہیں۔ یا ممکن ہے یہ جواب دیدیا جاتا کہ آپ میں گو تھوڑی بہت طاقت موجود ہے لیکن بیوی بانجھ ہے اس میں کوئی صلاحیت نہیں اور عادت اللہ کے خلاف ہے کہ بانجھ کوئی فی اولاد دی جائے۔ تو ایسی حالت میں درخواست

کرنا بھی بے معنی سی بات ہوتی۔ کوئی درخواست قانون کو ٹڑوانے کے لئے نہیں کی جاتی بلکہ قانون کے اندر رہ کر رعایت ملا کرتی ہے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ دونوں میں صلاحیت ہوتی اور جواب آجاتا کہ رشتہ داروں میں سے کسی کو جانشین بنالینا آخر تمہیں کیا ضرورت ہے بیٹا مانگنے کی کوئی عزیز قریبی آپ کا کام چلا دے گا۔!

یہ ساری پیش بندیاں پہلے ہی کر دیں کہ نہ مجھ میں صلاحیت ہے نہ میری بیوی میں، نہ رشتہ داروں میں کوئی اس کا اہل ہے کہ وہ میرے مشن کی اشاعت کر سکے اور ساتھ ہی یہ کہ آپ نے محروم کبھی کیا نہیں آپ کے ہاں سے جو مانگا وہ لیکر گیا ہوں۔

یہ ساری باتیں ابتداء میں عرض کر کے بیٹا مانگنے کی درخواست کرنے کے معنی یہ ہوتے کہ میں اسباب سے بیٹا نہیں مانگتا مستبب الاسباب سے بیٹا مانگتا ہوں۔ آپ اسباب کے محتاج نہیں آپ تو وہ ہیں کہ جس نے آدم کو پیدا کیا جب نہ مرد کا وجود تھا نہ عورت کا۔ آپ نے محض اپنی قدرت کا طے سے آدم کا بیوی تیار کر دیا۔ عینی علیہ السلام کو آپ نے بغیر باپ کے محض عورت سے پیدا کر دیا۔ آپ کی ذات تو وہ ہے کہ حضرت خا کو آدم کی پسلی سے پیدا کر دیا۔ آپ نہ فر کے محتاج ہیں نہ مادہ کے اور نہ ان کے جمع ہونے کے۔ میں اسباب سے نہیں مانگتا بلکہ مسبب الاسباب سے مانگتا ہوں۔

اس ساری پیش بندی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جواب بجائے اس کے کہ انکار میں آتا۔ یہ آیا۔ — يَا ذَكْرِيَا اَنَا مُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اِسْمُهُ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا

ترجمہ :- اے زکریا! تحقیق ہم خوشخبری دیتے ہیں تجھے ایک ایسے بچے کی جس کا نام یحییٰ ہوگا اور اس سے پہلے ہم نے یہ نام رکھا بھی کسی کا نہیں۔ حق تعالیٰ نے بیٹا بھی دیدیا اور نام بھی تجویز فرمادیا اور نام بھی نہایت اچھوتا اور نرالا جو آج تک کسی کا رکھا نہیں گیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے جب وعدہ لے لیا تو پھر خود ہی عرض کرنے لگے۔ اے میرے رب! بیٹا ہوگا کیسے! میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں۔

جواب آیا یوں ہی ہو جاتے گا۔ فکر نہ کرو ہم مسبب الاسباب ہیں۔ ہم قادر ہیں اس

بات پر جس طرح جی چاہے کریں۔

حاصل یہ نکلا کہ اپنے مقاصد اور وہ بھی عکبری مقاصد، قلبی مقاصد، علم و فضل اور کمال اس کے لئے زیادہ تلاش آدمی کو اپنی اولاد کی ہوتی ہے کیونکہ وہ مزاج کے زیادہ مطابق ہوتی ہے۔

اس واسطے اگر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں تو ان کے فیوض و برکات چلانے کے لئے بھی ہمیں سب سے زیادہ توقع ان کی اولاد سے ہی باندھنی چاہیے کہ وہ ان کے مقصد کو آگے لیکر چلیں، دین و دیانت، عمل اور فضل، تربیت خلق اللہ اس مقصد کو لے کر خود چلیں گے۔ اگر یہ مقصد پورا ہو رہا ہے اور ہو ہی رہا ہے تو اس میں اب غم کی بات نہیں۔ مولانا موجود نہیں تو ان کے فیوض و برکات تو موجود ہیں ان کا عمل موجود، ان کا کمال موجود۔ پس اب اگر غم ہے تو صرف اس بات کا ہے کہ ان کی ذات ہم میں نہیں ہے۔ ان کو دیکھ کر جو برکت حاصل کرتے تھے وہ چھین گئی ہے اب ہم صرف قبر پر یا مزار پر جا کر ہی تذکر و تذکر کر سکتے ہیں اس کے سوا کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

یہ ہے ایک غم سودہ بھی اپنا ہی غم ہے ان کا نہیں، اپنے فراق کا غم ہے، اپنی جدائی کا غم ہے۔ اس کی تلافی اور تدارک بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اس راستے پر چلیں جس پر وہ چلتے تھے عمل پر، دین پر دیانت پر، اخلاق پر، نیکی، تقویٰ، طہارت جتنا ہم اس راہ پر چلیں گے ان کے قریب تر ہوتے جائیں گے، ان سے زیادہ نزدیک ہو جائیں گے۔

یہ الفاظ تعزیت میں دراصل ان کی وفات پر عرض نہیں کر رہا اپنا غم رو رہا ہوں، اپنا دکھ درد ظاہر کر رہا ہوں۔

یہ الفاظ کہنے تھے مجھے حضرت مولانا رحم کی وفات کے بارے میں۔ نہ یہ ضابطہ کاجلسہ ہے اور نہ یہ کوئی تقریر ہے اور نہ ہی کوئی موقع ہے کہ تقریر کی جائے۔ حضرت مولانا کے نام پر اعلان کیا گیا تھا تو ضروری تھا کہ ان کے بارے میں چند کلمات عرض کئے جائیں حق تعالیٰ شانہ انھیں اعلیٰ علیین میں بلند تر درجات اور ان کے طفیل سے ہماری بخشات و مغفرت فرمائے۔ اور ان ہی کے ساتھ ہمیں ظاہر فرمائے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی — یہ تینوں ہی شخصیتیں اپنے دائرے میں بے مثل تھیں، اپنے مقاصد اور مناصب کے لحاظ سے ان میں امتیازی خصوصیات تھیں۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگر ایک بے نظیر مفسر تھے جنہوں نے قرآن کے علوم کو دنیا میں پھیلایا اور اگر مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بے نظیر درویش اور صوفی تھے تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ بے نظیر خطیب تھے جنہوں نے تقریر اور خطابت کا ریکارڈ قائم کر دیا حقیقت یہ ہے کہ وہ اس حیثیت سے اس وقت دنیا میں بے مثل تھے۔ پھر وہ نہ صرف خطیب و لیکچرار ہی تھے بلکہ صاحب دل بھی تھے، صاحب معرفت بھی تھے، صاحب سلسلہ بھی تھے ان میں بہت سی خصوصیات تھیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ان کا طوطی بولتا تھا۔ اور عطاء اللہ کا نام بھی سن لیا تو جوق در جوق لوگ اس طرح سے دوڑتے ہوئے آئے جیسے لوہا مقناطیس کی طرف دوڑتا ہے۔

میں خود کئی دفعہ ان کی تقریروں میں شریک ہوا بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ عشاء کی نماز پڑھ کر تقریر شروع کی تو صبح کی اذان ہو گئی نہ سننے والوں کو کوئی خبر کہ ہم کہاں ہیں اور نہ کہنے والے کو کوئی پتہ۔ تو وہ اپنی خطابت میں بے مثل تھے، بے نظیر تھے اور ماہر۔ اور خطابت کا حاصل دعوت الی اللہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلانا۔

اپنے اپنے درجے اور اپنے اپنے دائرے میں یہ تینوں شخصیتیں بے مثل تھیں اور فی الواقع ان کا اٹھ جانا ہماری انتہائی محرومی ہے اور بد قسمتی۔

بہر حال یہ بھی سنت اللہ ہے موت کے اندر جہاں پر دکھ ہوتا ہے کہ ہم اکابر سے جدا ہو گئے یا ہم سے ایک عظیم شخصیت چھین گئی وہاں ایک موقع خوشی کا یہ بھی ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ آنے والی نسلوں کو موقع دیتے ہیں کہ اب تم ترقی کرو اور اس راستے پر چلو اگر ساری عمر وہی بیٹھے رہا کرتے تو چھوٹوں کو آگے بڑھنے کا موقع نہ ملتا۔ حق تعالیٰ سب کے ساتھ عدل فرماتے ہیں ان کے دور میں انھیں موقع دیا کہ آگے بڑھیں اور ان کے بہرہ راستہ بنا دیا کہ ان کے نقش قدم پر چلیں۔ اگر بڑے نہ اٹھیں اور جگہ نہ چھوڑیں تو چھوٹوں

کو اُگے بڑھنے کا موقع نہ ملے اس لئے موت و حیات کا سلسلہ جاری ہے جانے والے جاتے ہیں باقی رہنے والے ان کی جگہ پر بیٹھتے ہیں ان کا کام سرا انجام دیتے ہیں۔

ہر کام کی نوعیتیں الگ الگ ہوتی ہیں اور ہر دور کا الگ ایک مزاج ہوتا ہے۔ ایک مزاج آج کا ہے آج کے دور کے لوگ موجودہ زمانے کے مزاج کو سمجھ سکیں کی تربیت کرتے ہیں۔ کل کو نظریات بدل جائیں گے اور یہ مزاج کام نہیں دے گا تو اس دور کے لئے دوسرے لوگ حق تعالیٰ اٹھادیں گے جو اس دور کے مزاج کو سمجھ کر اصلاح حال کریں گے۔ اسی لئے حق تعالیٰ ہر دور کے لوگوں کو اٹھاتے چلے جاتے ہیں۔

بہر حال یہ تینوں ہی شخصیتیں اپنے اپنے دائرے میں بیکتا تھیں۔ اور بھی چند اکابر علماء اور صوفیاء کا اس دور میں انتقال ہوا جو ہمارے لئے محرومی کا باعث ہے۔ نمایاں اس میں یہ تین ہی شخصیتیں تھیں تو ان تین کے لئے کلمات تعزیت عرض ہیں تعزیت کوئی اعلان کی چیز تو ہے نہیں۔ تعزیت اپنے قلب کی چیز ہے مگر بہر حال پسماندگان کو تسلی دی جاتی ہے۔ کوئی چھوٹا موٹا آدمی ہو تو اس کے گھر والوں کو تسلی دی جاتی ہے بڑا آدمی ہوتا ہے تو ایک صوبہ اور ایک ملک اسکی روحانی اولاد ہوتی ہے اس لئے مجمع میں اسکی تعزیت کی جاتی ہے۔

دعا

حق تعالیٰ ان تینوں کو اعلیٰ علیین میں بلند تر مقامات عنایت فرمائیں اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی سعادت نصیب کریں۔

منامی تفسیر

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اپنے وقت کے اکابر علماء اور مشائخ طریقت میں تھے۔ جن کی زندگی میں کئی کرامتیں ظہور پذیر ہوئیں، اور ہزاروں بندگان خدا کو توبہ اور رجوع الی اللہ کی دولت ہاتھ لگی۔ اور خصوصاً اہل ثروت اور اہل منصب و جاہت حضرات کو حضرت کے دستِ حق پرست پر ہدایت کی راہ نصیب ہوئی، اسی قسم کی ایک بصیرت افروز تقریر حاجی وزیر سیٹھ پونا کے مکان پر عالم خواب میں حضرت نے فرمائی۔ جس کو لوگوں نے کسن کر محفوظ کر لیا۔ پھر اس کو مرتب کر کے حاجی محمد حنیف صاحب کی صاحبزادی طاہرہ صاحبہ کی جانب سے شائع کیا گیا۔ جو افادہ عام کی خاطر پیش ہے،

فرمایا حضرت ابوسعید خدریؓ نے کہ ایک مرتبہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید یا بقر عید کی نماز کے لئے عید گاہ تشریف لے گئے۔ اور اس موقع پر عورتوں کی ایک جماعت کے پاس بھی تشریف لے گئے۔ جو نماز کے لئے عید گاہ آئی ہوئی تھیں اور ان کو معافی طلب کر کے ارشاد فرمایا

عورتوں کو صدقہ کا حکم

کہ اسے عورتوں کی جماعت تم صدقہ اور خیرات کیا کرو۔ اس لئے کہ میں نے تمہارا زیادہ حصہ دوزخ میں دیکھا ہے۔ یہ سن کر عورتوں نے کہا یا رسول اللہ اس کا سبب کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایک دوسرے پر لعن طعن بہت کرتی ہو۔ اور اپنے شوہروں کی نافرمانی و ناشکری کرتی رہتی ہو اور فرمایا کہ میں نے عقل و دین میں کمزور ہونے کے باوجود ہوشیار مرد کی عقل پر غالب آنے والا تم سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ کا یہ ارشاد سن کر عورتوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہماری عقل اور دین میں کیا کمی ہے

عورتوں کے دوض اور علاج

آپ نے فرمایا کیا عورت کی گواہی آدمے مرد کی گواہی کے برابر نہیں ہے یعنی دو عورتوں کی گواہی مل کر ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے، انہوں نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی وجہ عورت کی عقل کی کمزوری ہے۔ اور کیا ایسا نہیں کہ جس وقت عورت ایام حیض میں ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزے رکھتی ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دین میں نقصان

کی وجہ ہے۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے جایا کرتی تھیں اسی لئے عید یا بقر عید کی نماز کے لئے عید گاہ آئی ہوئی تھیں۔ اور عورتوں کے لئے حکم تھا کہ مردوں سے الگ ہو کر ایک گوشہ میں رہیں اس لئے وہ مردوں کے مجمع سے الگ ہو کر کنارہ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال آیا کہ شاید خطبہ کی آواز ان تک نہیں پہنچی۔ اور وہ اس سے محروم رہیں۔ اس خیال سے آپ عورتوں کے مجمع میں تشریف لے گئے اور وعظ و نصیحت فرمائی اور عورتوں کے اندر جو باطنی امراض پائے جاتے ہیں ان میں سے دو مخصوص مرض ذکر فرمائے ایک تو یہ کہ وہ لعن طعن زیادہ کرتی ہیں۔ جہاں کہیں چند عورتیں جمع ہو جاتی ہیں تو ان کا کام بس یہی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی غیبت کریں ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے پر لعن طعن کریں۔

ایسے ہی ان میں ایک دوسرا مرض یہ ہے کہ ان کا شوہر ان کی آسائش اور راحت و آرام کے لئے کتنے ہی انتظامات کر دے اور اس کے لئے چاہے جس قدر پارٹ بیلے مگر ان اللہ کی بندیوں سے کبھی بھی شکرا دا نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ ناشکری کیا کرتی ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں مرض کی اصل تکبر ہے جب انسان میں تکبر آتا ہے خود بینی پیدا ہوتی ہے تو پھر وہ دوسرے کو گھٹیا سمجھتا ہے۔ اسے حقیر نظروں سے دیکھتا

ہے، اور تکبر دو ہی چیزوں پر ہوتا ہے۔ علم پر یا مال پر اور حقیقت میں ان میں سے کوئی بھی ایسی چیز نہیں کہ اس پر تکبر کیا جائے شیخی بگھاری جائے اس لئے کہ تکبر

اس چیز پر کیا جاتا ہے جو ذاتی ہوتی ہے۔ علم کا حال تو یہ ہے کہ علم حق تعالیٰ شانہ کی ذات سے آیا ہے ابتداء آدم علیہ السلام کو دیا گیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا اور پھر آدم علیہ السلام کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام

کو ملا اور انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے عامۃ المؤمنین کو۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم انسان کا ذاتی کمال نہیں اور جو چیز ذاتی نہیں ہوتی اس پر غر نہیں کیا جاتا شیخی نہیں بگھاری جاتی۔ ایسا ہی حال مال کا بھی ہے۔ انسان جب دنیا میں آیا تھا خالی آیا تھا۔ اور جب دنیا سے جائے گا خالی ہاتھ جائے گا۔ اگر مال انسان کا ذاتی چیز ہوتی تو وہ اس کی ابتداء پیدائش سے اس کے ساتھ ہوتی۔ اور دنیا سے جاتے وقت بھی وہ اس کے ساتھ جاتا۔ معلوم ہوا کہ مال بھی انسان کا ذاتی سرمایہ نہیں وہ اس دنیا کی مختصر سی زندگی گزارنے کے لئے اس کے حوالے کر دیا گیا ہے اور جو چیز اپنی ذاتی نہیں ہوتی اس پر تکیہ کرنا حماقت ہے۔ اور اس سے دل لگانا اور محبت رکھنا اس سے بھی بڑی حماقت ہے۔

عورت کی دینی کمزوری

اور اس سے دل لگانا، اور محبت رکھنا بہت زیادہ ہے۔ اور وہ اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہیں۔ اسی محبت مال سے تکیہ پیدا ہوتا ہے۔ جو ایک دوسرے پر لعن طعن اور شوہروں کی ناشکری کا ذریعہ بنتا ہے۔ اسی لئے فرمایا بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان کے عیوب کو کم تر درجے کا مت سمجھو بلکہ یہ اتنے بڑے ہیں کہ ان کی وجہ سے تم پر خدا کا عذاب ہوگا اور تم قبر خداوندی میں گرفتار ہو کر جہنم میں جاؤ گی اور میں نے عذاب جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ دیکھی ہے۔ اور ساتھ ہی آپ نے اس کا علاج بھی بیان کر دیا کہ زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات کرتی رہا کرو! صدقہ کی کثرت سے مال کی محبت کم ہوگی اور اس کی وجہ سے تکیہ کا جو مرض پیدا ہوتا ہے۔ وہ بھی ختم ہوگا، اور جہنم سے حفاظت ہوگی، عورتوں کو چاہئے کہ ان

محبوب دروگ سے اپنی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ سے نمازوں کے بعد دعا کریں۔
 اور اس کے علاج کی فکر کریں، اور علاج یہی ہو سکتا ہے۔ کسی شیخ کامل کے ہاتھ
 میں ہاتھ دے دیں ربیعت اصلاح کرے، اور توبہ کر کے اپنا عمل ٹھیک کرے۔ اس کی
 دعا و توجہ اور اس کے بتائے ہوئے اعمال سے یہ روگ دور ہو سکتا ہے اور ساتھ
 ہی زیادہ صدقہ و خیرات کرتی رہا کریں۔

اللہ تعالیٰ عمل خیر کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

تحفۃ العلم

تقریباً ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل دو جلد میں
اعلیٰ کاغذ، قیمت کامل سینٹ ۱۰ روپے

جلد دوم : دوسری جلد چار اہم موضوعات پر مشتمل ہے۔

۱۔ فقہ حنفی کے اصول و ضوابط

بے شمار حقائق کا خزینہ۔ روزمرہ کام آنے والے
نہایت قیمتی اصول و قواعد، جن کا مطالعہ مسئلہ مسائل
کے سلسلہ میں غلطی محفوظ رکھنے کی کامل ضمانت ہے۔

۲۔ آداب افتاء و استفتاء

مسائل پوچھنے اور بتلانے والوں کے لئے سوال و
جواب سے متعلق ضروری ہدایات معلومات، ہفتی مسائل
کی ذمہ داریاں، اخلاقی مسائل میں جواب کا انداز اور
بے شمار مفید نمونے۔

۳۔ اجتہاد و تقلید کا آخری فیصلہ

ائمہ اربعہ کی تقلید کی حقیقت کیا ہے؟ اجتہاد و
قیاس اور اجتہادی اختلافات کی کیا بنیادیں ہیں؟
امام ابوحنیفہ کی تقلید شخصی ہی کیوں ضروری ہے؟
اہل حدیث اور غیر متقلدین کیا ناحق پر ہیں؟ اور
اس جیسے بے شمار مسائل کا حل۔

۴۔ اصول مناظرہ

مناظرہ کی اہمیت و افادیت۔ حدود و شرائط۔
اصول و آداب احکام و اقسام۔ محل و مواقع
اور فرقہ باطلہ کے رد کے مختلف طریقے اور
مفید نمونے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے
سینکڑوں تصانیف کا پتھر !

ترتیب : مولانا مفتی محمد زید صاحب (انڈیا)

جلد اول :

مدارس کی افادیت۔ منتظین و مدرسین کے
لئے طریق کار۔ مفید ہدایات۔
ضروری تنبیہات۔ علماء کا معاشی مسئلہ اور اس کا حل
فارغ التحصیل طلباء کے لئے ضروری دستور العمل،
نیز علماء طلباء کی اصلاح کا طریق کار۔ مدارس کے تمام
شعبے، مہتمم و مدارس کے اوصاف و شرائط اور ان کی
فہمی حیثیت، ہنگامہ، سٹرٹیک۔ چند احکام چندہ۔
جلسہ دستار بندی اور مدارس و ارباب مدارس پر
اعترافات و جوابات اور علماء و عوام کے لئے مفید
نصیحتیں۔ استاد و شاگرد کے حقوق اور تعلیم و تربیت
کے طریقے۔ علوم و فنون اور نصاب تعلیم یعنی
درسی علوم و دینیہ و عقلیہ کے علاوہ بہت سے نادرد
علوم و فنون کا تذکرہ اور مفید تجاویز۔

نوٹ :

تحفۃ المبلغین اور تحفۃ المصنفین و
مولفین زید طبع ہے۔

مجموعۃ تالیفات اشرفیہ

اصلاحی نصاب

(اضافہ شدہ ایڈیشن)

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت لانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی مدنی

○ حیات المسلمین ○

○ جزالہ الاعمال ○ حقوق الاسلام

○ تعلیم الدین ○ حقوق الوالدین

○ فروع الایمان ○ آداب المعاشرت

○ قصد البیسل ○ اغلاط العوام

○ زکات سعید (فضائل درود و شریف)

○ إدارة تالیفات اشرفیہ ○

بیرون بوہڑ گٹ ملتان